اللؤلؤ المکنون

جلد سوم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت اور دعوتِ اسلام
- نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وحشیانہ مظالم اور ہجرتِ حبشہ
- شعبِ ابی طالب کے صبر آزما ایام
- ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات حسرت آیات
- غلبہ اسلام کی پیش گوئی اور بیرون مکہ نورِ اسلام کی ضیاپاشیاں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

- خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت اور دعوتِ اسلام
- نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وحشیانہ مظالم اور ہجرتِ حبشہ
- شعبِ ابی طالب کے صبر آزما ایام
- ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات حسرت آیات
- غلبہ اسلام کی پیش گوئی اور بیرون مکہ نورِ اسلام کی ضیاپاشیاں

3

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی — مولانا تنویر احمد

حافظ عبداللہ ناصر مدنی — حافظ اقبال صدیق

تصحیح وتنقیح ونظرثانی

مولانا ارشاد الحق اثری — جناب محسن فارانی — مولانا محمد خالد سیف

بعثتِ نبوی، اعلانِ حق
کی پاداش میں رسول اللہ ﷺ پر ظلم وستم،
فدویتِ حق پر صحابہ کرام پر مجنونانہ تعذیب وتشدد،
رنج والم کی گھٹائیں، ہجرت حبشہ اور
بیرونِ مکہ اسلام کا اُجالا

جلد 3

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

ہارون الرشید
(گرافک ڈیزائنر)

زاہد محمود
(ڈیزائنر/السٹریٹر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نسیم الدین الغالب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • اسلامک انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم اے انٹرنیشنل بک سٹور فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 0092 42 373 240 34,372 400 24,372 32 4 00 فیکس: 042 373 540 72

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈاؤلمن مال سے (بہادرآباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 0092 51 22 815 13

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دارالسلام

موسوعة السيرة النبوية - الجزء الثالث / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ (النص باللغة الاردية)

ص: ٥١٨ مقاس: ١٧×٢٤ سم

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١٢١-٢

١. السيرة النبوية أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٥٢٩٣

رقم الإيداع: ١٤٣٣/٥٢٩٣

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١٢١-٢

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

صحيح البخاري : 3370

صحيح مسلم : 407-405

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اَقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

فہرست

باب: 1

بعثت نبوی

تبلیغِ رسالت 69

اولین مسلمان 73

باب: 4

رحمۃ للعالمین ﷺ پر مشرکین کے مظالم

بعثتِ نبوی

رسول اللہ ﷺ کی غارِ حراء میں خلوت نشینی، پہلی وحی کا نزول، فرضیت نماز، اولین مسلمان اور دارارقم کا مفصل تذکرہ

”اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے،
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (سبا28:34)

اس باب میں

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی غار حراء میں خلوت نشینی، جبرائیل علیہ السلام کی نبی کریم ﷺ کی طرف اولین آمد، پہلی وحی کے نزول، بعثت نبوی کے اظہار و اعلان کے بعد کفر و شرک کی ظلمتوں میں شمعِ ہدایت کی روشنی پھیلنے کا آغاز، فرضیت نماز، نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کا واقعہ اور دعوتِ اسلام کے ابتدائی مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ جن خوش بخت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور عالی قدر صحابیات رضی اللہ عنہن نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، ان کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں۔ دارارقم دعوتِ اسلام کا مرکز کیونکر بنا اور جنات کے گروہ نے کس طرح اسلام قبول کیا؟ اگلے اوراق میں یہ ساری تفصیلات جزئیات سمیت سمٹ آئی ہیں۔

ظلمت زار جہاں میں تجلیاتِ نبوت

چھٹی صدی عیسوی بالاتفاق تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی کی طرف جا رہی تھی، چھٹی صدی عیسوی میں وہ اس پستی کی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ انسان اپنے رب کو مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا۔ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر تھا اور اچھے برے کی تمیز سے محروم ہو چکا تھا۔ جو چراغ پیغمبروں کی دعوت سے روشن ہوئے تھے، وہ حالات و حوادث کی زد میں آ کر یا تو بجھ چکے تھے یا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے کہ ان سے چند معبود شناس دل ہی روشن تھے۔

دیندار اشخاص، ضعفاء اور تلاشِ حق کا جذبہ رکھنے والے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر خانقاہوں اور غاروں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے، انھوں نے ملوک و امراء سے ساز باز کر لی تھی، وہ ان کی ناجائز خواہشات پر مہرِ تصویب لگاتے تھے اور ظالمانہ نظامِ سلطنت میں ان کے دستِ راست بن کر ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مشرق و مغرب کے سیاہ و سفید کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ وہ دنیا میں ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار تھے۔ ان کے افراد عیش و عشرت میں غرق تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں، انھوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا، آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطان ان پر غالب آ گیا تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں، چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عشرت دینے لگا۔ ان کے اس طرزِ زندگی کو دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے ''حکماء و دانا'' ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لیے سامانِ عیش مہیا کرنے کی غرض سے نئے نئے اسبابِ زینت کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہوگئے۔ سرمایہ پرست امراء کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ کی کم مالیت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا تھا، اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ ایسے ہی جس کے پاس سر بفلک عالیشان محل، اعلیٰ درجے کے آبزن (نہانے کے ٹب)، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوب صورت

غلام اور حسین باندیاں، طرح طرح کے کھانوں کے وسیع دسترخوان اور عمدہ لباس نہ ہوتے تو اسے بھی عار دلائی جاتی تھی۔

یہ سب باتیں ان کی زندگی کی لوازم بن چکی تھیں۔ بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی اور سماجی امراض پیدا ہوگئے جو معاشرت کے ہر شعبے میں داخل ہوگئے۔ ان سے شہری محفوظ رہا نہ کوئی دیہی باشندہ، امیر نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ سامانِ تعیش کثیر زر و مال صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشتکاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگائے اور پہلے ٹیکسوں میں اضافہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا، پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کرکے وصول کیے جاتے تھے۔ اگر وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے تھے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی، انھیں سزائیں دی جاتیں۔ اگر وہ ان کی اطاعت کرتے تو ان سے گدھوں اور بیلوں جیسا سلوک کیا جاتا جنھیں کنویں پر اور ہل میں جوت کر کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ اس اقتصادی بدحالی میں لوگ ٹیکس ادا کرنے اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنے کے سوا کسی اور امر کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ سعادتِ اخروی کے متعلق سوچ سکیں۔"[1]

دوسری طرف عرب تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آزادی و خودداری، بلندیٔ نفس، سخاوت، حوصلہ مندی اور دیگر بے شمار خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ دور جس میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ یہ ملک ظلمت و انحطاط کی اس آخری منزل پر تھا جہاں اصلاح کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ ان کی اصلاح کسی مصلح یا معلم اخلاق کے بس کی بات نہ تھی۔

اہلِ عرب اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی تعلیم اور توحید خالص سے بہت دور ہٹ چکے تھے۔ ہر قبیلے کا الگ الگ بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے، اس سے مرادیں مانگتے، ان کے سامنے جبینِ نیاز جُھکاتے اور ان کے نام کا چڑھاوا چڑھاتے۔ لوٹ مار، قتل و غارت عام تھی، نسلی اور علاقائی تفاخر ان کی گھٹی میں پڑا تھا اور اگر دو قبیلوں کے افراد کے درمیان کسی معمولی سی بات پر بھی جھگڑا ہو جاتا تو ہر کوئی اپنے قبیلے کی دہائی دیتا اور آن کی آن میں یہ جھگڑا قبائلی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا۔

عرب میں عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا اور اس کا وجود اس قدر باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ شراب اور جُوا ان کی عادتِ ثانیہ بن گیا تھا۔

[1] حجة الله البالغة: 1/334-336.

مولانا حالی ؒ نے جزیرہ نمائے عرب کے اس تاریک ترین دور کی اس طرح منظر کشی کی ہے۔

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا
کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا

بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا
بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی

قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی
تھی اک آگ ہر سُو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر

پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی — جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی
جُوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی — غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بہت اس طرح ان کو گزری تھیں صدیاں — کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں
یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بُوقُبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا
ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت — کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
پہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے — کیا چاند نے کھیت غارِ حراء سے [1]

جب کفر و شرک اور فسق و فجور کا مرض ناسور کی شکل اختیار کر گیا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ اس قدیم مرض کا مادہ ہی کاٹ دیا جائے۔ یوں ایک ہمہ گیر انقلاب اور انسانیت کی حیاتِ نو یا تعمیرِ نو کا عظیم الشان کام ایسی نئی رسالت کا طالب تھا جو تمام نبوتوں اور رسالتوں سے بڑھ کر ہو اور جو ہدایت اور دینِ حق کا پرچم آفاقِ عالم میں ہمیشہ کے لیے بلند کر دے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ ﴾

”اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے جن میں درست اور معتدل احکام ہیں۔“ [2]

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی جہاں شدید ضرورت تھی، وہاں یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان احسان بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورت انداز میں اہلِ ایمان پر اپنا یہ احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

[1] مسدس حالی، ص: 19-21. آخری شعر میں ”پہ“ کے معنی ہیں ”لیکن“ اور ”کھیت کرنا“ سے مراد ہے ”چاند کی روشنی کا پھیلنا“ [2] البینۃ 98:1-3.

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''[1]

بعثت نبوی کے لیے عرب کا انتخاب کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾

''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔''[2]

تہذیب وتمدن کا عروج فرد اور سماج کے قوائے عمل بے کار کر دیتا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کی متمدن قوموں پر

[1] آل عمرٰن 164:3. [2] الأنعام 124:6.

اجنتا (مہاراشٹر، بھارت) کے غار

نظر ڈالیے۔ آپ کو یہ نظارہ صاف دکھائی دے گا۔ ہندوستان میں اجنتا کے غار، دیوتاؤں کے مجسمے، چین میں گوتم بدھ کا چرچا اور اونچے اونچے پیگوڈے، مصر میں مومیا سازی، ابوالہول کا مجسمہ اور جادوگری کے کمالات، یونان میں علومِ فلسفہ کی گرم بازاری اور عیش کوشی کے ٹھکانے اور ایران کے آتشکدے ایک ایسی تہذیب کے آئینہ دار تھے جس پر تھکن، اضمحلال اور زوال کے آثار نظر آتے تھے۔ حکام دولت کی ریل پیل میں مست تھے۔ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عوام کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ انھیں جہالت، فکری مغالطوں اور عملی گمراہیوں کے نتائج و عواقب نے گھیر لیا تھا۔

مجوسی آتش کدہ (باکو، آذربائیجان)

قدیم آئرلینڈ کے بت پرستوں کے حجری نشانات

اس تناظر میں جزیرہ نمائے عرب کو دیکھا جائے تو وہ تہذیب و تمدن کے منفی اور مہلک اثرات سے پاک نظر آتا ہے۔ یہ ایسی فضا تھی جس نے عربوں کے فضائل و محاسن خوب نکھار دیے۔ عربوں کا سارا تہذیبی سرمایہ بادیہ پیمائی، تلواروں کی جھنکار، تیروں کی سنسناہٹ اور معصوم بچیوں کے دف کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی ماحول کی بدولت عرب بہت سی خرابیوں سے محفوظ اور بہت سی خوبیوں سے متصف ہوگئے۔ وہ منافقت سے خالی تھے۔ سازش اور شرارت سے پرہیز کرتے تھے۔ بے جگری سے لڑتے تھے۔ ان کی قوتِ برداشت غیر معمولی تھی۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ فنونِ سپہ گری کے ماہر تھے۔ گھڑ سواری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی سادگی، جفاکشی، استقامت اور جھپٹ کر پلٹنے، پلٹ کر جھپٹنے کا انداز ایسی نادر خوبیاں تھیں جو مقاصدِ عظیمہ کے لیے بروئے کار آتی ہیں۔ ہر چند وہ کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ تھے لیکن ان کی یہ خوبی لاجواب تھی کہ جب حق بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو پھر وہ اس کے لیے کٹ مرنے پر بھی تیار ہو جاتے تھے۔

ایک طرف یہ معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی پس منظر تھا اور دوسری طرف جزیرہ نمائے عرب کا انتہائی رفیع الشان اعزاز یہ تھا کہ یہاں مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر تھا۔ اسے سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اس لیے تعمیر کیا تھا کہ توحید کا

مرکز اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جلوہ گاہ بن جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اسی سرزمینِ عرب کو دعوت الی اللہ کا منبع بنانے کے لیے مکہ مکرمہ میں حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا تا کہ آفتابِ رسالت کی کرنیں اسی سرزمین سے سارے عالم کو روشن کریں۔

علاوہ ازیں محل وقوع کے اعتبار سے بھی جزیرہ نمائے عرب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس وقت کی معلوم دنیا کے عین مرکز میں تھا جہاں سے اسلام کا پیغام ساری دنیا کو پہنچایا جا سکتا تھا۔ براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تمام تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے اور مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے اور تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سرزمین کو تجلیاتِ اسلام پھیلانے کا مرکز بنا دیا۔

آفتاب نبوت کی ضیا باریاں

آفتاب نبوت غار حراء سے طلوع ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر غار حراء میں آئے۔

عام طور پر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے جن مقبول بندوں سے لوگوں کی ہدایت کا کام لینا چاہتا ہے، انھیں پہلے کچھ مدت کے لیے خلوت میں سوچنے کا موقع عطا فرماتا ہے۔ غارِ حراء وہ مقام ہے جسے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے اپنی خلوتوں سے مشرف فرمایا حتی کہ یہیں حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی وحی لے کر نازل ہوئے۔ یوں غارِ حراء جبریل و مصطفیٰ کی درسگاہ بن گیا۔

غار حراء

غار حراء مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں بیت اللہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جبل النور (حراء پہاڑ) کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہ ایک مختصر سا غار ہے۔ اس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ جب حاجی منیٰ جاتے ہیں تو راستے میں منیٰ سے پہلے تھوڑے فاصلے پر یہ پہاڑ ان کے بائیں ہاتھ نظر آتا ہے۔ اس کے بالمقابل ثبیر پہاڑ ہے۔ یہ دونوں پہاڑ بے آب و گیاہ ہیں۔ چند خار دار جھاڑیوں کے سوا وہاں کچھ نہیں اگتا۔[1]

جبل ثبیر کا ایک منظر

نبی ﷺ کی خلوت نشینی

مکہ مکرمہ میں عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی داغ بیل نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ڈالی تھی۔ وہ رمضان کے مہینے میں خلوت اختیار کرتے تھے۔ رمضان کے آغاز میں غار حراء

[1] الرحيق المختوم، ص: 86، سیرت خیر الأنام، ص: 93، معجم البلدان، مادة: حراء.

میں چلے جاتے اور پورا مہینہ وہیں بسر کرتے تھے۔ اس دوران جو مساکین آتے، انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی قریش کے دوسرے افراد بھی غار حراء میں عبادت کی نیت سے جانے لگے۔ ورقہ بن نوفل اس عمل کی خاص طور پر پابندی کرتے رہے۔ [1] محمد رسول اللہ ﷺ بے حد حساس تھے۔ آپ اپنی بستی اور اپنے شہر میں پھیلی ہوئی شرک اور بت پرستی کی وبا دیکھتے تو بہت آزردہ اور بیزار ہو جاتے تھے۔ اپنے آس پاس خاص و عام لوگوں کی اخلاقی پستیاں دیکھ کر بڑی گرانی اور بے چینی محسوس فرماتے تھے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ اس ماحول میں طبع مبارک خلوت نشینی کی طرف مائل ہوگئی۔ یوں آپ غار حراء میں جانے لگے۔ اس سلسلے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ — وَهُوَ التَّعَبُّدُ — اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ.

''پھر آپ (ﷺ) کو تنہائی محبوب ہوگئی۔ آپ غار حراء میں خلوت نشین ہو جاتے اور مسلسل کئی کئی دن اور کئی راتیں عبادت میں مشغول رہتے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے ہر رمضان کا مہینہ غار حراء میں گزارتے۔ اس دوران میں جو مسکین آجاتا، اُسے کھانا کھلاتے۔ جب غار سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بیت اللہ میں حاضر ہوتے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے، پھر اپنے گھر چلے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ رمضان آگیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ [3]

غار حراء میں عبادت کی کیفیت

رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے شرکیہ عقائد، بت پرستی اور باطل تصورات سے شروع ہی سے بہت بیزار تھے لیکن آپ کے سامنے ایسا کوئی واضح راستہ اور معیّن طریقہ بھی نہ تھا جس پر آپ مطمئن ہو کر عمل پیرا ہوسکیں۔ غار حراء میں نبی ﷺ کی عبادت کی کیفیت واضح طور پر معلوم نہیں ہوسکی۔ سیرت نگاروں نے اس کی مختلف حالتیں بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ بعض علماء نے یہ عبادت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض نے نوح علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بتائی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی عبادت دین ابراہیمی کے مطابق تھی۔ یہی بات قرین حقیقت معلوم ہوتی

[1] أنساب الأشراف :93,92/1، السيرة الحلبية :382/1. [2] صحيح البخاري: 3، صحيح مسلم : 160. [3] السيرة لابن هشام :236/1، السيرة الحلبية :383,382/1، أنساب الأشراف :116/1.

ہے۔[1] بیت اللہ جو آل ابراہیم کا کعبہ ہے، اُس کے طواف کے التزام سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور لفظ) فَيَتَحَنَّثُ يَتَحَنَّفُ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ آپ حنیفیت کی پیروی کرتے تھے جو دینِ ابراہیم ہے۔ اہل عرب اپنے کلام میں اکثر فاء کو ثاء سے بدل دیتے تھے۔ علاوہ ازیں ''السیرۃ'' میں ابن ہشام کی روایت میں فَيَتَحَنَّفُ آیا ہے۔ یا تَحَنُّث سے مراد گناہوں کو چھوڑنا اور ان سے دور رہنا ہے۔[2]

مزید برآں قرآن مجید کے قرائن سے بھی آپ کے دینِ ابراہیم پر کاربند ہونے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ نزولِ وحی کے بعد آپ کو ملتِ ابراہیمی ہی کی پیروی کا حکم ملا۔ ارشاد باری ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''[3]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے، صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کی (ہدایت)، ایک رب کے پرستار ابراہیم کی ملت کی (ہدایت) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''[4]

علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت نشینی اختیار کر لی۔ جمہور کا قول ہے کہ گوشہ نشین ہو کر تدبر و تفکر کرنا ہی عبادت کہلاتا تھا۔[5] قرآن مجید میں بھی تفکر و تدبر کو ایک مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولوالالباب (عقل مند لوگوں) کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

''اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے

[1] البداية والنهاية: 6/3. [2] فتح الباري: 31/1، السيرة لابن هشام: 236,235/1. [3] النحل 123:16. [4] الأنعام 161:6.
[5] شرح الزرقاني على المواهب: 392/1.

یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو (ہر عیب سے) پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''[1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی طرح کے تفکر و تدبر سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت حاصل کی جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے:

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

''تو جب اس (ابراہیم علیہ السلام) پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ اس نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا، چنانچہ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''[2]

یہ خلوت کی حالت اور تدبر و تفکر کا معاملہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر کا ایک حصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جس عظیم الشان مقصد کے لیے نبی کریم ﷺ کو مامور فرمانا چاہتا تھا، یہ خلوت اُسی کی تیاری کا ایک مرحلہ تھا۔ درحقیقت جس شخصیت کے لیے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہو کر اس کا رُخ بدل ڈالے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ماحول کا جائزہ لے اور بے لاگ عقل کی روشنی میں غور کرے کہ اٹکل پچو سے فال نکالنے، ویرانوں میں پھرنے اور چِلّہ کشی کرنے والے افراد، جہالت، توہمات اور فاسد عقیدوں کے مارے لوگوں کے قدم کس طرح راہِ راست پر آسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ انتہائی ذمہ دار شخصیت تھے۔ زندگی اور زمانے کے فرائض کو خوب پہچانتے تھے۔ آپ ﷺ نے زندگی کے کسی بھی شعبے میں ادائے فرض سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ اس لیے آپ کا غار حراء کی سنسان تنہائی میں بیٹھنا زندگی سے فرار کا آئینہ دار نہ تھا۔ اس کے بالکل برعکس غار حراء میں آپ کی خلوت نشینی آپ کے دل کی دردمندی اور

[1] آل عمرٰن 191:3. [2] الأنعام 6:76-79.

بیدار مغزی کی خبر دیتی ہے۔ آپ تنہائی میں کیا سوچتے تھے؟ کن امور پر غور وفکر کرتے تھے؟ کون جانے! ہاں اتنا سب جانتے ہیں کہ آپ کو بتوں اور بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔ آپ بے کس، غریب اور کسمپرس لوگوں کی حالت زار پر بہت کڑھتے تھے اور لہو ولعب کی پرچھائیں سے بھی دور بھاگتے تھے۔ عجب نہیں کہ خلوت نشینی میں آپ انھی امور پر غور فرماتے ہوں اور لوگوں کو بت پرستی اور توہمات سے نجات دلانے کے اقدامات کے لیے فکر وتدبر کرتے ہوں۔

شجر وحجر کا سلام کرنا

انسان جب خود کو قوانین فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ کر لیتا ہے تو فطرت کے سارے عناصر اُس کے مدد ومعاون بن جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَامُسْلِمُ! يَا عَبْدَ اللّٰهِ! هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ»

''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے۔ مسلمان اُنھیں قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی اگر کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت خود بولے گا اور کہے گا: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، آجا اور اسے قتل کر دے۔ صرف غرقد کا درخت ہوگا جو یہ بات نہیں بتائے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا درخت ہے۔''[1]

یہاں غرقد کے درخت کے بارے میں ضروری وضاحت پیش خدمت ہے۔ غرقد ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کے علاقے میں معروف ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق آج کل یہودی فلسطین میں بڑے پیمانے پر غرقد کی شجرکاری کر رہے ہیں۔ گویا ان کا مذکورہ بالا حدیث پر ایمان ہے۔

غرقد کا درخت

[1] صحیح مسلم: 2922.

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے لیے تیار کیا جا رہا تھا تو شجر و حجر کا وہ کردار سامنے آیا جو صرف کسی نبی ہی کے لیے ہوسکتا تھا۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ»

''بے شک میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ یقیناً میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔'' [1]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم آپ کے ساتھ مکہ کے مضافات میں گئے تو ہم نے دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت راستے میں آتا، وہ آپ ﷺ سے کہتا تھا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔'' [2]

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ عبدالملک بن عبیداللہ ثقفی سے روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عزت بخشنے کا ارادہ فرمایا اور نبوت کا زمانہ قریب آیا تو اس دوران میں جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے مکہ کی وادیوں اور گھاٹیوں میں دور نکل جاتے یہاں تک کہ مکہ کے گھر نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو آپ ﷺ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے، وہ کہتا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔'' آپ دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھتے تو درختوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ پھر جبریل امین آپ ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔ [3]

جنوں کے لیے آسمان کے دروازے مسدود

جزیرہ نمائے عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا۔ کاہنوں اور نجومیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے مؤکل جنات انھیں آسمان کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ قرآن مجید اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾

''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے۔ اور ہر سرکش شیطان سے خوب حفاظت کرنے کے لیے۔ وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگاسکتے اور انھیں مار بھگانے کے لیے ان پر ہر

[1] صحيح مسلم: 2277. [2] جامع الترمذي: 3626، سنن الدارمي: 15/1، حديث: 21، صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 61,60/2. [3] السيرة لابن هشام: 235,234/1.

طرف سے (شہاب) پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی (ایک آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔"[1]

شہاب ثاقب کے معنی ہیں "تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ" یا جدید اصطلاح میں Shooting Stars, Falling Stars or Bright Streak of Light Meteorites یہ کائنات میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں اور زمین پر ان کی بارش ہر وقت ہوتی رہتی ہے، وہ اس امر میں مانع ہیں کہ زمین سے شیاطین عالم بالا میں جاسکیں۔ اگر وہ اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شہاب ثاقب انھیں مار بھگاتے ہیں۔ زمانۂ حال کے مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ دور بین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضائے بسیط سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اوسط روزانہ 10 کھرب ہے جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹتے

[1] الصّٰفّٰت 37:6-10.

آسمان سے ٹوٹتا ستارہ (شہاب ثاقب)
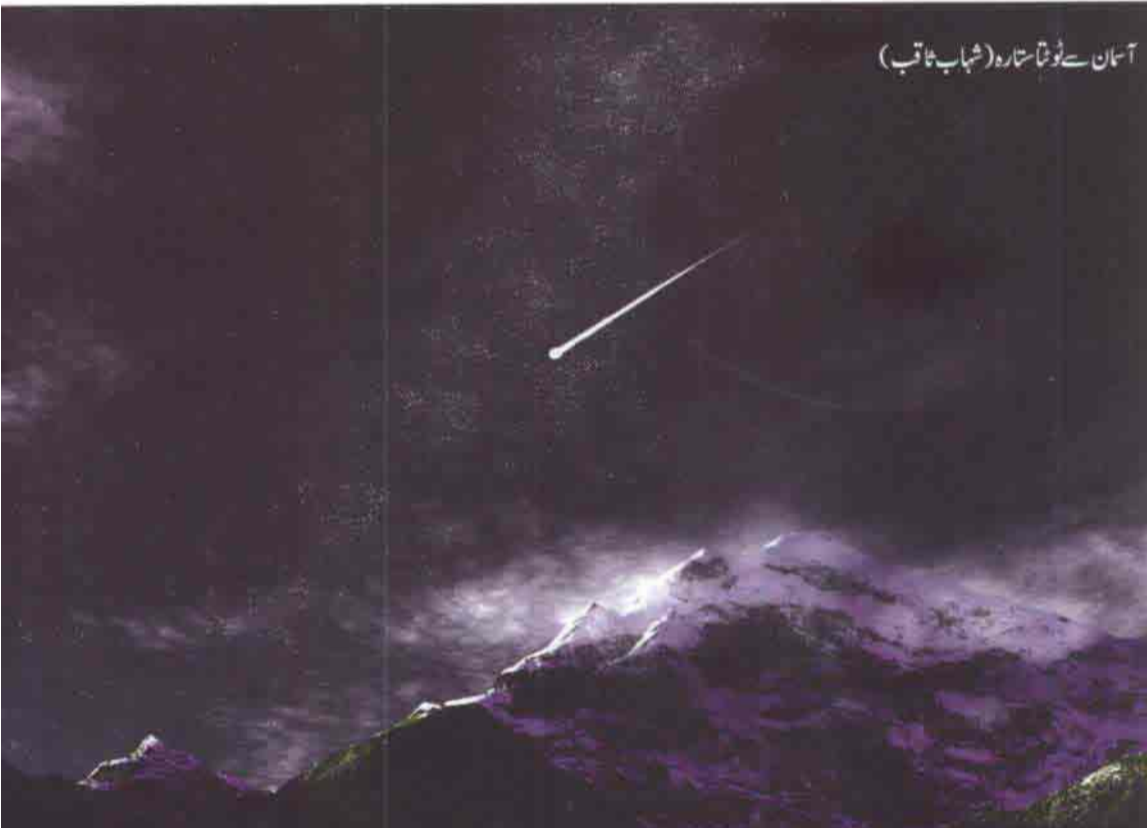
والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔[1]

امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شہاب ثاقب پھینکے جانے کا سلسلہ قرنوں اور مدتوں سے جاری تھا جیسا کہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی تصنیف ''مشکل القرآن'' میں مذکور زمانۂ جاہلیت کے شعراء عوف بن اجرع، اوس بن حجر تمیمی، بشر بن ابی خازم اسدی کے کلام سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا: ''کیا شہاب ثاقب زمانۂ جاہلیت میں بھی پھینکے جاتے تھے؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''ہاں، لیکن جب اسلام آیا (نبی ﷺ کی بعثت ہوئی) تو اس نظام کو اور زیادہ سخت کر دیا گیا۔''

قرآن مجید اس صورت حال کو جِنات کے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴾ (الجن 72:8،9)

''اور بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یقیناً ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے، چنانچہ اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''جنات (آسمان کی طرف جاتے تھے اور) وحی کو سن لیا کرتے تھے۔ کوئی ایک کلمہ اُن کے کان میں پڑ جاتا تھا تو یہ دس باتیں اپنے پاس سے ملا لیتے تھے۔ جو بات انھوں نے آسمان سے سنی ہوتی، وہ تو سچ ہوتی تھی لیکن جو باتیں وہ خود شامل کرتے تھے، وہ سراسر باطل ہوتی تھیں۔ اس سے پہلے اُن پر ستارے (شہاب ثاقب) نہیں پھینکے جاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد یہ اپنی پرانی جگہوں پر بیٹھتے تو ان پر شہاب ثاقب کی ضرب پڑتی تھی۔ جہاں وہ شہاب ثاقب لگ جاتا، وہ حصہ جل جاتا۔ بالآخر جنات نے ابلیس سے شکایت کی۔ ابلیس کہنے لگا: زمین میں ضرور کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے (جس کی ہمیں ابھی تک خبر نہیں ملی)، چنانچہ اُس نے ہر طرف اپنے ہرکارے پھیلا دیے۔ اچانک انھوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ اس وقت آپ نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان نماز ادا کر رہے تھے۔ اُنھوں نے آ کر شیطان کو بتایا تو اس نے کہا: ''ارے ہاں! یہی وہ معاملہ ہے جو زمین میں تازہ تازہ پیش آیا ہے۔''[3]

[1] تفہیم القرآن، الحجر 15:18، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا 1946ء. [2] الروض الأنف: 1/355،356. [3] جامع الترمذي: 3324، مسند أحمد: 1/274، واللفظ له.

نخلہ دراصل مکہ سے طائف کے راستے میں ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جنوں کی ملاقات کا واقعہ اسی مقام پر پیش آیا۔ ابن ولّاد کہتے ہیں کہ یہ دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ، نخلہ یمانیہ۔ بطن مر کے پاس یہ دونوں وادیاں جمع ہو جاتی ہیں۔[1]

تحقیقِ حال کو جانے والے جن مسلمان ہو گئے

یہ تو وہ جنات تھے جنھوں نے واپس جا کر ابلیس کو رپورٹ پیش کی تھی۔ کچھ دوسرے جنات بھی تھے جو قرآن مجید سن کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ قرآن مجید نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝﴾

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

"رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی، ٹوٹنے والے تارے ان پر بھیج دیے گئے۔ شیاطین (ناکام) لوٹے تو (ان کے ساتھی) پوچھنے لگے کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے، ہم پر تارے (شہاب ثاقب) بھیجے جا رہے ہیں۔ (ابلیس نے) کہا: تمھارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کسی (زبردست) واقعے کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا زمین کی مشرقی اور مغربی سمتوں میں چل کر دیکھو کہ یہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ شیاطین

[1] معجم ما استعجم: 4/1304. [2] الجن 72:1، 2.

زمین کے مشرق اور مغرب میں چل پھر کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ جو شیاطین تہامہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام نخلہ میں اُس وقت دیکھا جب آپ کا ارادہ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے جانے کا تھا، آپ وہاں اپنے صحابہ کو نمازِ فجر

جبالِ تہامہ کا ایک منظر

پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو پوری توجہ سے کان لگا دیے۔ (قرآن سن کر) وہ بول اٹھے: بس یہی ہے وہ چیز جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ وحی نازل فرما دی:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ (الجن 72:1)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) غور سے سنا......۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کو جنوں کی بات بذریعہ وحی بتائی گئی تھی۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ نبی کریم ﷺ کی جنوں کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی بلکہ آپ کو بذریعہ وحی یہ بتایا گیا کہ انھوں نے قرآن سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی بنیاد یہ تھی کہ قرآن مجید میں جنوں کے صرف قرآن مجید سننے کا ذکر ہے، آپ سے ملاقات کا ذکر نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سننے کے وقت جنوں سے ملاقات کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ [2]

بعثتِ نبوی کا آوازہ

کئی کاہنوں پر حقیقت حال روشن ہوگئی اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ایسے ہی ایک کاہن کی ملاقات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ بیٹھے تھے کہ ایک خوبصورت شخص ان کے پاس سے گزرا۔ اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا اور یہ سدوسی یا دوسی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا تو میرا اندازہ غلط ہے یا یہ شخص جاہلیت کے دین پر قائم ہے یا زمانۂ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن رہا ہے۔ اِسے میرے پاس لاؤ۔'' اُس آدمی کو آپ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کے سامنے یہی بات دہرائی۔ وہ کہنے لگا: ''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مسلمان کو جیسا معاملہ آج پیش آیا ہے، وہ پہلے کبھی پیش آیا ہو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تم مجھے اس کے بارے میں بتا نہ دو گے، میں تمھیں جانے نہ دوں گا۔'' اس نے اعتراف کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن تھا۔

[1] صحيح البخاري: 4921. [2] فتح الباري: 8/861,860.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھاری جنّی تمھارے پاس جو خبریں لاتی تھی، ان میں سے کوئی سب سے زیادہ حیرت انگیز بات سناؤ؟'' وہ شخص کہنے لگا: ''ایک دن میں بازار میں تھا۔ میری جنّی میرے پاس آئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے، پھر اُس نے کہا: کیا جنوں کے متعلق تمھیں معلوم نہیں کہ جب سے انھیں آسمانی خبروں سے روک دیا گیا ہے، وہ کس قدر حیران، دہشت زدہ، شکست خوردہ اور مایوس ہیں۔ اس مایوسی کے مارے وہ اونٹوں کے پالانوں کے ٹاٹوں اور دریوں سے جا ملے ہیں (عربوں کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں)۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔ ایک مرتبہ میں بھی ان بتوں کے قریب سویا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور بت کے نام پر اسے ذبح کر ڈالا۔ اچانک ایک زوردار آواز نکلی۔ اس سے زیادہ سخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نے کہا: ارے دشمن! تجھے ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے مراد مل جائے۔ ایک فصیح البیان شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ» ''(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں'' کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ چونک اُٹھے اور چل دیے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر وہی آواز آئی: ارے دشمن! تجھے ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے مراد مل جائے۔ ایک فصیح البیان شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ» ''تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں'' کہہ رہا ہے۔ میں اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی کے یہ بول سنائی دیے: یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نبی ہیں۔'' [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خواب

انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ وہ اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) دکھایا گیا اس بنا پر آپ نے ہجرت کی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد مدینہ میں خواب میں دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے روانہ ہو گئے۔

بیداری میں وحی کے نزول سے پہلے وحی کی اس نوعیت کا آغاز کر دیا جاتا ہے تاکہ انبیاء کے لیے بیداری کے عالم میں وحی کا نزول قابل برداشت ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف شاگرد علقمہ بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''پہلے انبیاء کو نیند کے عالم میں وحی کی جاتی ہے۔ جب اُن کے دل مانوس ہو جاتے ہیں تو پھر بیداری کے عالم میں بھی وحی کا نزول ہونے لگتا ہے۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 3866. [2] فتح الباري: 12/1، البداية والنهاية: 4/3.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کے آغاز کے بارے میں بتاتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ.

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے اور نیک خوابوں سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے، وہ طلوعِ سحر کی طرح (سچا) ثابت ہوتا تھا۔''[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرب کے فصیح ترین لوگوں میں سے تھیں۔ اُنھوں نے اپنے ارشاد مبارک میں طلوعِ سحر (فلق الصبح) کی نہایت خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ جس طرح سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے سے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، اُسی طرح آفتابِ نبوت کے طلوع وظہور سے بھی جہالت، ضلالت، ظلم اور کفر کی تاریکیوں کے پردے چاک ہوجاتے ہیں۔ جس طرح صبح صادق کی روشنی طلوعِ آفتاب کی تمہید ہوتی ہے، اسی طرح رویائے صالحہ آفتابِ نبوت و رسالت کے طلوع کی تمہید ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہوئے سچے خوابوں کا سلسلہ قیامت تک کے لیے باقی رکھا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹا کر فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ»

''اے لوگو! نبوت کی بشارات میں سے (اب) صرف سچے خواب ہی باقی ہیں جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے لیے کسی کو دکھایا جاتا ہے۔''[2]

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے (سچے) خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں جز قرار دیا ہے، فرمایا:

«رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ أَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''[3]

علماء اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وحی کے نزول کا دورانیہ تیئیس برس تھا۔ اس مدت میں سے پہلے چھ ماہ کے دوران وحی سچے خوابوں پر مشتمل تھی۔ یہ کل مدت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔[4]

خواب کے سچا ہونے میں آدمی کے بحالتِ بیداری سچا ہونے کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح مسلم: 479، مسند أحمد: 219/1. [3] صحيح مسلم: 2264. [4] شرح النووي على صحيح مسلم: 31/15، زادالمعاد: 84/1.

«إِذَا قَرُبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَ أَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا»

''قیامت کے قریب مومنوں کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے۔ سب سے زیادہ سچے خواب دیکھنے والا وہ شخص ہوگا جو بات میں سب سے سچا ہوگا۔'' [1]

انبیائے کرام ﷷ سب سے زیادہ سچ بولنے والے ہوتے ہیں اور اُن کے خواب بھی بالکل حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں، اسی لیے یہ وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو أصدق الصادقین تھے۔ نبوت سے پہلے بھی آپ صادق و امین کے القاب سے معروف تھے۔ آپ پر بھی دیگر انبیاء کی طرح وحی کا نزول سچے خوابوں کے ذریعے سے کیا گیا اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔

بعثت کے وقت نبی ﷺ کی عمر اور تاریخ

بعثت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی اور بعثت کس دن ہوئی؟ اس سلسلے میں دن کی تعیین رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے۔ آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

«فِيهِ وُلِدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ»

''میں اسی (پیر کے) دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔'' [2]

مہینے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نزول وحی کا آغاز ربیع الاول کے مہینے میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا۔ دوسرے قول والوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔'' [3]

پہلے موقف کے حاملین کہتے ہیں کہ مکمل قرآن مجید لیلۃ القدر میں بیت العزہ (آسمان دنیا) میں اُتارا گیا، پھر تیئیس سال کے عرصے میں حسب ضرورت (بتدریج) نبی کریم ﷺ پر اُترتا رہا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وحی کا آغاز رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ [4]

رجب کے مہینے والے موقف کو عام علماء کے ہاں پذیرائی نہیں ملی۔ حافظ ابن حجر ؒ کی بات سے ربیع الاول اور رمضان کے مہینے والے موقف میں بہترین مطابقت پیدا ہوجاتی ہے۔ امام بیہقی ؒ بیان کرتے ہیں کہ سچے خوابوں

---

[1] صحيح البخاري، 7017، صحيح مسلم: 2263، سنن ابن ماجه: 3917، واللفظ له. [2] صحيح مسلم: (198) -1162.
[3] البقرة 185:2. [4] زادالمعاد: 78,77/1.

کی مدت چھ ماہ تھی۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سچے خوابوں کی صورت میں نبوت کی ابتدا ربیع الاول سے جبکہ بیداری کے عالم میں وحی کی ابتدا رمضان المبارک سے ہوئی۔''[1]

رمضان کی تاریخ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض سات تاریخ کہتے ہیں اور بعض سترہ۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ بعض اٹھارہ رمضان اور بعض اکیس رمضان قرار دیتے ہیں۔ یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث (1162) سے ثابت ہے کہ وہ پیر کا دن تھا۔ اس سال (610ء) رمضان میں پیر کا دن سات، چودہ، اکیس اور اٹھائیس تاریخ کو آیا تھا۔

صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ جب ہم آیت ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○﴾ ''بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''[2] اور پیر کے دن والی روایت کو ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ 21 رمضان ہی کی رات بنتی ہے جو شمسی حساب سے 10 اگست 610ء تاریخ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر اُس وقت قمری حساب سے 40 سال، چھ ماہ اور بارہ دن تھی جبکہ شمسی حساب سے آپ کی عمر 39 سال، 3 ماہ اور بیس دن تھی۔[3]

جبریل علیہ السلام کی آمد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے، وہ سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جاتا تھا، پھر آپ کو تنہائی محبوب کر دی گئی۔ آپ غار حراء میں خلوت نشین رہتے تھے۔ کئی کئی راتیں گھر تشریف نہ لاتے، عبادت ہی میں مصروف رہتے۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کے لیے خورونوش کا مزید سامان ساتھ لے جاتے تھے۔

ایک دن نبی کریم ﷺ غار حراء میں تھے کہ اچانک فرشتہ (جبریل) نے آکر آپ سے کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' آپ نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' میں نے پھر جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس نے مجھے دوبارہ پکڑ لیا اور بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، اس نے مجھے چھوڑ کر پھر کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں، اس نے مجھے تیسری بار پکڑ کر خوب

[1] فتح الباري :37/1. [2] القدر 1:97. [3] الرحيق المختوم، ص :87,86، السيرة النبوية للمهدي :164/1.

بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ ﴾ (العلق 96:1-3)

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا رب تو نہایت کریم ہے۔''

رسول اللہ ﷺ یہ آیات لے کر واپس آ گئے۔ آپ گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور فرمایا: ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔'' انھوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے خوف کی حالت دور ہو گئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساری سرگزشت سنائی اور فرمایا: ''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور کہا: ''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔'' پھر اس کی وجہ بتاتے ہوئے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

''بے شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہیں۔''

بعدازاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لیا اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) کے پاس تشریف لے گئیں۔ ورقہ (رضی اللہ عنہ) دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان بھی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ وہ

ויהי אחרי מות משה עבד
יהוה ויאמר יהוה אל יהושע
בן נון משרת משה לאמר:
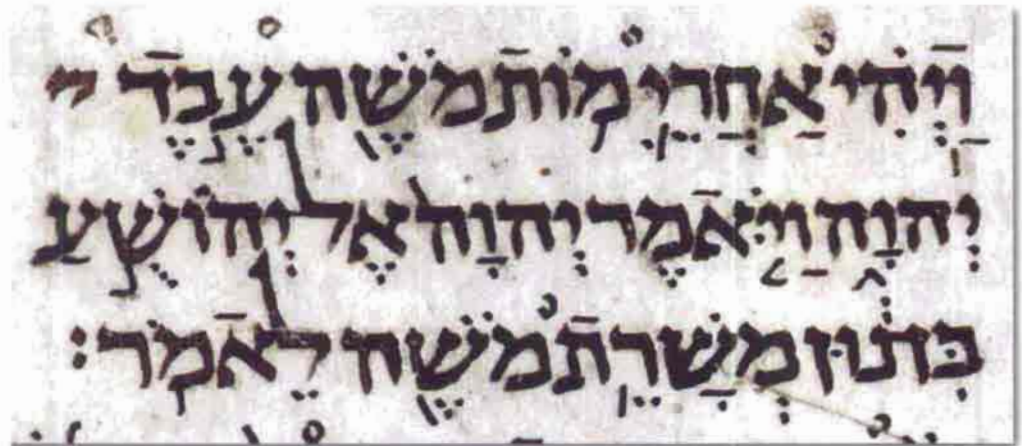
عبرانی بائبل کی ایک عبارت

عبرانی میں حسب توفیق انجیل لکھتے تھے۔ وہ اُس وقت سالخوردہ بوڑھے تھے۔ بینائی کھو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔'' ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: ''آپ نے کیا دیکھا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان فرما دیا۔ اس پر ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔'' پھر ورقہ (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: ''کاش! میں آپ کے زمانۂ نبوت میں توانا اور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟'' ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''جی ہاں! جب بھی کوئی بندہ اس طرح کا پیغام لایا جیسا آپ لائے ہیں تو اُس سے دشمنی ہی کی گئی۔ اگر مجھے آپ کا زمانہ نصیب ہوا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔'' اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گئے اور ادھر وحی کا سلسلہ (وقتی طور پر) رُک گیا۔[1]

امام ابن ہشام رحمہ اللہ نے ابن اسحاق رحمہ اللہ سے ابتدائے وحی کی کیفیت کے بارے میں جو روایت بیان کی ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں سویا ہوا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ریشم کے کپڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر لائے اور مجھ سے کہا: ''اسے پڑھو......''[2]

یہ روایت بظاہر بخاری و مسلم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ نزولِ وحی کی ابتدا بیداری کی حالت میں ہوئی۔ خوابوں کے واقعات نزولِ وحی سے پہلے کے ہیں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے: ''دونوں احادیث میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حالتِ بیداری میں آنے سے پہلے ایک دفعہ خواب میں بھی آئے ہوں گے تاکہ آپ کے لیے وحی کی جلالت کو برداشت کرنا آسان ہو جائے کیونکہ نبوت کا معاملہ بہت عظیم ہے اور اس کا بوجھ بہت بھاری ہے۔ انسان بہرحال کمزور ہے۔ گویا یہ نزولِ وحی کی تمہید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی تھی۔''[3]

ذیل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے چند قابلِ غور نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

① پہلی وحی کا نزول

صحیح بخاری کی اس حدیث میں سورۂ علق کی پہلی تین آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود نہیں تھا کہ سورۂ علق کی کتنی آیات نازل ہوئیں۔ اس روایت میں تو ان واقعات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جو اللہ

[1] صحیح البخاري :3. [2] السیرۃ لابن هشام :236/1. [3] الروض الأنف :403/1.

کے رسول ﷺ کو پیش آئے تھے، چنانچہ اس میں مختصر سا اشارہ کر دیا اور صرف تین آیات کا ذکر کیا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت (4953) جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے، اُس میں پوری پانچ آیات کا ذکر ہے۔

② سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فراست

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کتنی زیرک اور صاحبِ فراست خاتون تھیں، اس کا کچھ اندازہ نزولِ وحی کے واقعے سے کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پہلی وحی کے نزول کی عظمت و جلالت سے ہیبت زدہ ہو گئے، گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیک نظر اندازہ کر لیا کہ آج میرے شوہر عالی قدر کی طبع مبارک کچھ ناساز نظر آتی ہے۔ انھوں نے اس صورت حال کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ کوئی تفصیل پوچھی بلکہ آپ کو مکمل آرام و راحت کا موقع دیا۔ جب گھبراہٹ دور ہو گئی تو پھر تفصیلات معلوم کیں۔
ماہرینِ نفسیات (Psycologists) بڑی ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گھبرائے ہوئے شخص کو پہلے پُرسکون ہونے کا پورا موقع دیا جائے، پھر اُس سے سوالات کیے جائیں۔ یہ بات بڑی تحقیق و جستجو کے بعد آج سامنے آئی ہے لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانی نفسیات کی ان باریکیوں سے بخوبی آگاہ تھیں۔

③ رسالت وہبی منصب ہے

اس واقعے میں نبیِ کریم ﷺ پر خوف و ہراس طاری ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رسالت کے طلب گار اور منتظر نہیں تھے بلکہ باری تعالیٰ نے اپنا پیغام دنیا میں پھیلانے کی ذمہ داری آپ کو وہبی طور پر سونپی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وحی سے آپ کے کسی اندرونی خیال یا باطنی منصوبے کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ یہ تو ایک ایسا بارِگراں تھا جو اچانک آپ پر ڈال دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ کو اس معاملے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ حالت اس شخص کی نہیں ہو سکتی جو پہلے ہی سے اس قسم کی سوچ بچار اور امید و بیم میں مبتلا ہو اور تدریجی کشف کے ساتھ ساتھ اُس کا ایک عقیدہ بن جائے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دینے لگے۔ بعض مستشرقین نے آپ ﷺ کے بارے میں اسی قسم کے خود ساختہ خیالات ظاہر کیے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق کارڈوا اس طرح کے برخود غلط لوگوں میں بہت نمایاں ہے۔[1]
ان مستشرقین نے رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے اس قسم کے شوشے چھوڑے ہیں کہ اگر آپ پر غارِ حراء میں وحی نازل ہوئی ہوتی اور آپ کے پاس واقعی جبریل علیہ السلام آئے ہوتے تو آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیوں فرماتے: «إِنِّي خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» ”مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔“

[1] حاضر العالم الإسلامي: 39/1.

حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نبوت و رسالت کے عظیم الشان منصب کی حقیقت سے بالکل نا آشنا تھے، اس لیے اس حیرت انگیز واقعے اور وحی الٰہی کی زبردست روحانی تاثیر کے باعث قلب اطہر میں تشویش اور گھبراہٹ کی لہر دوڑ جانا ایک فطری امر تھا۔ گھبراہٹ اور خوف اس بات کا تھا کہ آپ نبوت و رسالت کا بارِگراں برداشت کر سکیں گے یا نہیں؟ منصبِ رسالت کی نہایت اہم اور نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہو سکیں گے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے اسی تاثر کا ذکر اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور انھوں نے آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ چنیدہ کے حوالے سے آپ کو تسلی دی کہ اس طرح کے اخلاق و صفات کے حامل انسان زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوا کرتے، مزید تشفی کے لیے وہ آپ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنا اس حقیقت کی قوی دلیل ہے کہ وحی انسان کا ذاتی اور داخلی معاملہ نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ ایک خارجی حقیقت کی جلوہ گری کا نام ہے۔ اس کا کسی طرح کی قلبی واردات سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ جبریل امین علیہ السلام کا آپ کو تین دفعہ دبانا، پھر چھوڑ دینا اور پھر ﴿ اِقْرَاْ ﴾ کہنا، اس خارجی حقیقت کو قبول کرنے کی تاکید و تائید ہے۔ اس سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے کہ وحی داخلی (ذاتی، نفسی) خیالات کا ردِعمل ہے بلکہ اس کا سرچشمہ خارجی ہے جس کا تعلق براہ راست اللہ رب العزت کی ذات عالی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَاؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَاؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍۙ﴾ (الشورٰی 52:42)

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔'' [1]

④ ما أنا بقارئ

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق نبی ﷺ نے دنیاوی ذرائع سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ''میں پڑھا ہوا نہیں۔'' قرآن مجید اس حکمت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝﴾

[1] السيرة النبوية للمهدي: 1/166،167.

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کرتے۔'' [1]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نے اپنی قوم میں عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے، حالانکہ آپ نہ کتاب پڑھتے تھے، نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ کی قوم کا ہر فرد اور دیگر لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ اُمّی ہیں، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ سابقہ کتابوں میں بھی آپ کے بارے میں یہی بات بیان کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الأعراف 157:7)

''وہ لوگ جو (محمد) رسول اللہ کی، جو امی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ عمر بھر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا...... آگے فرمایا کہ ''(اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کرتے۔'' یعنی اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے تو جاہل لوگ شک کرتے اور کہتے کہ آپ نے سابقہ انبیائے کرام کی کتابوں کی باتیں سیکھ لی ہیں۔ انھوں نے ایسا کہہ بھی دیا، حالانکہ انھیں اچھی طرح علم تھا کہ آپ اُمی نبی ہیں، آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ [2]

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ تم اسے اپنی قوت، علم یا نفسی کیفیت کے زور پر نہیں پڑھ سکتے بلکہ اپنے رب کے کرم ہی سے پڑھ سکتے ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کا پاک نام لے کر اسی کی مدد سے پڑھو۔ وہی تمھیں تعلیم دے گا جس طرح اُس نے تمھیں پیدا کیا، تمھارے دل سے جما ہوا خون اور شیطان کے وسوسے نکالے جو اس نے تمھارے اور ہر انسان کے دل میں پیدا کیے ہیں۔ سورۂ علق کی پہلی تین آیتیں رسولِ اکرم ﷺ کے لیے اور ان کے بعد کی دو آیتیں آپ کی امت کے لیے ہیں:

﴿الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق 5،4:96)

''اس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

[1] العنكبوت 48:29. [2] تفسير ابن كثير، العنكبوت 47:29-49.

نبیِ کریم ﷺ کی اُمت ناخواندہ تھی، لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی مگر اب وہ اہلِ کتاب اور صاحبِ علم بن گئی، اس لیے کہ انھوں نے قلم کے ذریعے سے قرآن سیکھا۔ اُن کے نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے سیکھا، انھوں نے اسے اللہ کے حکم سے نبیِ کریم ﷺ کے دل پر اُتارا۔ اس طرح آپ رسولوں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔" [1]

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ جنھوں نے سب سے پہلے اردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور "موضح القرآن" کے نام سے حواشی بھی لکھے، انھوں نے ان آیات کی تفسیر میں بہت لطیف بات ارشاد فرمائی ہے:

"اول جبریل وحی لائے تو یہی پانچ آیتیں، حضرت (محمد ﷺ) نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا (اسی لیے اللہ تعالی نے) فرمایا کہ قلم سے بس وہی علم دیتا ہے، یوں بھی (قلم کے بغیر) وہی دے گا۔" [2]

کچھ بعید نہیں کہ ان میں سے تیسری آیتِ کریمہ میں رب تعالی نے اپنی صفت ﴿الْأَكْرَمُ﴾ ذکر کرکے اس طرف اشارہ فرمایا ہو کہ اپنے سارے بندوں کو اس نے "قلم" کے ذریعے سے علم سکھایا ہے مگر آپ کو وہ اپنے کرم سے علم عطا فرمائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

⑤ ناموسِ الٰہی

ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے فرشتے کے بارے میں تفصیلات سن کر کہا کہ یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ جبریل علیہ السلام وہ فرشتہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لے کر آتا تھا۔ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے قریب کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے برعکس موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب (تورات) زیادہ تر احکام پر مشتمل تھی، اسی طرح نبی ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن مجید) میں بھی زیادہ تر احکام بیان ہوئے ہیں۔ [3] نبیِ کریم ﷺ کے متعلق بائبل کی سب سے مشہور پیش گوئی میں بنواسمٰعیل سے موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی بھیجنے کا تذکرہ ہے۔ اسی مماثلت کی وجہ سے اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ [4]

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسیٰ (علیہ السلام) کا نام بھی مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ [5]

⑥ مکہ مکرمہ سے نبی ﷺ کی محبت

امام سہیلی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے نبیِ کریم ﷺ کو بتادیا تھا: لَتُكَذَّبَنَّهْ "البتہ آپ کی تکذیب ضرور کی جائے گی۔" تو آپ نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: وَلَتُؤْذَيَنَّهْ "اور آپ کو ضرور

[1] الروض الأنف: 403/1. [2] موضح القرآن، العلق 5:96. [3] دیکھیے فتح الباري: 35/1. [4] کتاب مقدس (استثنا) 18:18، سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام) 351,350/2. [5] شرح النووي علی صحیح مسلم: 266/2.

تکلیفیں پہنچائی جائیں گی۔'' اس پر بھی آپ خاموش رہے۔لیکن جب ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: وَلَتُخْرَجَنَّهْ ''اور آپ کو مکہ سے ضرور نکال دیا جائے گا۔'' تو یہ بات سُن کر آپ ﷺ فوراً بے چین ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟» ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟'' یعنی مکہ سے جدائی کی بات آپ پر بہت گراں گزری۔ ابن ہشام رحمہ اللہ نے لَتُخْرَجَنَّهْ کے بعد وَلَتُقَاتَلَنَّهْ ''اور آپ سے ضرور لڑائی کی جائے گی۔'' کا اضافہ بھی کیا ہے۔

جہاں انسان کے بچپن اور جوانی کے دن بیتے ہوں، اُس جگہ کی محبت فطری چیز ہے اور یہ محبت انسان کے دل میں بہت گہری ہوتی ہے۔ مکہ کا تو معاملہ ہی نہایت اہم تھا۔ یہ اللہ کا حرم تھا۔ یہاں بیت اللہ کی ہمسائیگی میسر تھی اور یہ نبی کریم ﷺ کے جد امجد اسمٰعیل علیہ السلام کا وطن تھا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے وقت مکہ سے نکلتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَ أَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین مقام ہے اور اللہ کی زمین پر تو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے اور اگر مجھے تیری سرزمین سے نکالا نہ جاتا تو میں (کبھی) نہ نکلتا۔''[2]

⑦ باطل پرستوں کی اہلِ حق سے دشمنی

معاشرے کے باطل پرست عناصر اہلِ حق اور حق گوئی کو کبھی برداشت نہیں کرتے کیونکہ حق سے اُن کے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ ایسا ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔ ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو دشمن بنایا، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا ہے تاکہ اسے دھوکے میں رکھے۔''[3]

صحیح بخاری کی سابقہ روایت میں مذکور ہے کہ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے نبی کریم ﷺ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ آپ کو بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ گویا تنبیہ تھی کہ حق کا دامن کبھی نہ چھوڑنا بلکہ تحمل سے دعوت کا سلسلہ

[1] الروض الأنف:414,413/1، سبل الهدى والرشاد:242/2، السيرة لابن هشام:238/1. [2] جامع الترمذي:3925، سنن ابن ماجه:3108. [3] الأنعام 6:112.

جاری رکھنا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انبیاء انتہائی متحمل مزاج اور صابر و شاکر ہوتے ہیں کیونکہ مخالفین کی جانب سے ایذا رسانی ناگزیر ہے۔[1]

ورقہ بن نوفل

جزیرہ نمائے عرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارک سے پہلے جس وسیع پیمانے پر کفر و شرک کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں، ان سے تاریخ کا کوئی طالب علم بے خبر نہیں۔ لیکن اس ظلمت کدے میں اللہ تعالیٰ کے چند ایسے نیک بندے بھی موجود تھے جو کفر اور شرک سے دور تھے اور بتوں کی پوجا سے سخت نفرت کرتے تھے، ان لوگوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد ورقہ بن نوفل بہت ممتاز تھے۔

ورقہ بن نوفل بن اسد (رضی اللہ عنہ) کو امام طبری، بغوی، ابن قانع اور ابن السکن رحمہم اللہ وغیرہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے انھیں خواب میں دیکھا۔ انھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ میرا خیال ہے اگر وہ جہنمی ہوتے تو سفید کپڑوں میں ملبوس نہ ہوتے۔''[3]

شیخ احمد ساعاتی نے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[4]

ایک دوسری روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے انھیں خواب میں دیکھا، وہ سفید لباس میں تھے۔ میں نے انھیں جنت میں دیکھا، انھوں نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔''[5]

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ورقہ (رضی اللہ عنہ) کو بُرا نہ کہو، میں نے خواب میں (جنت میں) ان کے ایک یا دو باغ دیکھے ہیں۔''[6]

مزید فرمایا: ''ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) قیامت کے دن اکیلے ایک اُمت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔''[7]

امام ہیثمی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔[8]

---

[1] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة: 137,136/28. [2] أسد الغابة: 313/4، الإصابة: 474/6. [3] مسند أحمد: 65/6، صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 93. [4] الفتح الرباني: 449/22. [5] البدایة والنهایة: 9/3. ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 94,93) [6] البدایة والنهایة: 9/3. ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بزار اور ابن عساکر رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اُن سے اتفاق کیا ہے۔ (المستدرك للحاكم: 609/2، صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 94) [7] المعجم الكبير للطبراني: 82/24. [8] مجمع الزوائد: 416/9.

وحی الٰہی کی معجز نمائیاں

وحیِ الٰہی کا نزول رسول اللہ ﷺ کے لیے بڑا مبارک اور تعجب انگیز تجربہ تھا۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آپ کے منصب سے آگاہ کر دیا گیا اور یہ فرض سونپا گیا کہ آپ ﷺ پورے عالم انسانیت کی آگہی کے لیے یہ اعلان فرما دیں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور نیک اعمال کرو۔ نیکی کا نتیجہ اچھا اور برائی کا لازمی نتیجہ برا ہے۔ جو شخص رب ذوالجلال کی چوکھٹ چھوڑ کر غیروں کے در پر جھکے گا، وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہے گا۔

وحی کی بندش، پوشیدہ حکمتیں اور آغازِ نو

رسول اللہ ﷺ منصب نبوت کے فرائض نبھانے کے لیے وحی کی روشنی کے منتظر رہتے تھے اور جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا تو ایسا وقت آپ ﷺ پر بہت گراں گزرتا تھا۔ آپ وحی کا پیغام وصول کیے بغیر کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ پہلی وحی اترنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا۔ وحی رُک جانے کے اس عرصے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں: بندش کی مدت تین سال تھی اور بعض نے اڑھائی سال کہی ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چالیس دن کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بندش تھوڑے دن ہی رہی۔[2]

1 وحی کا تعلق اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا سے ہے: وحی رُک جانے میں یہ سبق اور حکمت روشن ہے کہ یہ معاملہ ہر لحاظ سے پوری طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ شہنشاہ اعظم ہے، قادر مطلق ہے، جب چاہے وحی بھیجے، جب چاہے روک لے۔ رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری

---

1 الروض الأنف :420/1. 2 فتح الباري :37/1، شرح الزرقاني على المواهب :441/1.

طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔" [1]

جب وحی کا سلسلہ رک جاتا تھا اور جبرئیل علیہ السلام کی معرفت آسمانی خبریں آنی بند ہو جاتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ مضطرب ہو جاتے تھے اور آپ ﷺ کی خاموشی بڑھ جاتی تھی۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بالکل صاف اور غیر مبہم الفاظ میں حکم دیا ہے کہ آپ وحی کے بارے میں لوگوں کو دوٹوک بات بتا دیں کہ میں صرف وحی کی روشنی میں عمل کرتا ہوں۔ مجھے اس باب میں کوئی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی رد و بدل کروں ...... یہ معاملہ ایک بہت بڑی حقیقت کی خبر دیتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب خود سید الانبیاء ﷺ پر وحی آنی بند ہو جاتی تھی اور آپ آسمانی احوال سے بالکل بے خبر اور لاعلم رہتے تھے تو پھر وہ لوگ کس منہ سے غیب بینی کا دعویٰ کرتے ہیں جو کالے علم، فال، ستاروں کی چال اور ہاتھوں پر پھیلی ہوئی لکیروں سے توہمات کا تانا بانا بنتے ہیں اور لوگوں کو ان کے مستقبل کے خود ساختہ من پسند احوال بتا کر ان کی جیب پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ خود محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنی آگہی کے لیے وحی کے محتاج تھے۔

2 مقصد حاصل کرنے کے لیے درجہ بدرجہ آگے بڑھنے کی اہمیت: نبوت کا آغاز بھی درجہ بدرجہ ہوا، پہلے خلوت کا مرحلہ آیا۔ پھر سچے خواب دکھائی دیے، پھر نبوت کا تاج پہنایا گیا۔ اسی طرح غیر مسلموں کو دعوت دینے کا اصول بھی یہی ہے جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے جب انھیں رسول اللہ ﷺ نے یمن میں دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تو فرمایا:

"آپ ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ آپ سب سے پہلے اُنھیں اللہ کی عبادت (توحید) کی طرف بلائیں۔ جب وہ اللہ کی معرفت حاصل کر لیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں تو آپ انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر زکاۃ فرض کی ہے جو اُن کے مال داروں سے لے کر انھی کے غرباء کو دی جائے گی۔ جب وہ یہ بات مان لیں تو آپ اُن سے زکاۃ لیں۔ لیکن زکاۃ میں لوگوں کے بہترین مال نہ لیے جائیں۔" [2]

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ — يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

جب وحی کی روک اُٹھ گئی تو سورۂ مدثر اور سورۂ مزمل یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ

[1] یونس 15:10، [2] صحیح البخاري: 1458.

نے فرمایا: ”میں نے غارحراء میں کچھ وقت گزارا۔ پھر جب میں نیچے اترا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے دائیں طرف بھی دیکھا، بائیں طرف بھی دیکھا، آگے پیچھے (ہرطرف) نظر دوڑائی لیکن کچھ نظر نہ آیا، پھر آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے ایک وجود (فرشتہ) نظر آیا۔ میں گھر خدیجہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: «دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا» ”مجھے کمبل اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔“ چنانچہ انھوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ (المدثر 74:1-3)

”اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرایئے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے۔“

اس کے بعد تسلسل سے وحی نازل ہونے لگی۔“[1] کچھ روایات میں ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُزَّمِّلُ ۝ ﴾ کے پہلے نازل ہونے کا ذکر ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وحی آنے کا سلسلہ رُک گیا اور آپ پر یہ مرحلہ شاق گزرنے لگا تو آپ نے خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے کہا: ”مجھے خدشہ ہے کہ میرا ساتھی مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا اُس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔“ پھر جبریل علیہ السلام سورۃ الضحیٰ لے کر آ گئے۔[2]

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور ارشاد فرمایا:

﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ ﴾

”(اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے نہ ناراض ہوا ہے۔“

پھر مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَلْءَاخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ ٱلْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰٓ ۝ ﴾

”اور یقیناً آپ کے لیے آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔“

پھر پچھلی نوازشوں اور مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَـَٔاوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ ﴾

”کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا عطا کیا۔ اور آپ کو ناواقف راہ پایا، پھر ہدایت بخشی۔ اور آپ کو

[1] صحيح البخاري: 4922 و 4. [2] السيرة لابن إسحاق: 179/1.

تنگ دست پایا، پھر مالدار کر دیا۔‘‘ [1]

سورۃ الضحیٰ کی شانِ نزول کے بارے میں معتبر روایت وہی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ آپ دو یا تین رات قیام اللیل کے لیے نہیں اُٹھے۔ ایک عورت (ام جمیل) آئی اور کہنے لگی: ’’اے محمد! مجھے لگتا ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ دو تین راتوں سے تمھارے پاس نہیں آیا۔‘‘ تب اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل کی:

﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝﴾ (الضحٰی 93:1-3)

’’دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی (قسم) جب وہ چھا جائے۔ (اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہ وہ آپ سے ناراض ہوا۔‘‘ [2]

یہ ایک اور طرح کی بندش ہے، اس سے وحی کی معروف بندش مراد نہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے جو صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے کہ وحی کی بندش کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جبکہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اور سورۃ الضحیٰ بھی بالکل ابتدائی دور کی سورتیں ہیں۔

وحی کی بندش ختم ہونے کے بعد جب دوبارہ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات میں پہلی مرتبہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اٹھیں اور انسانوں کو اُس گمراہی کے انجام سے ڈرائیں جس میں وہ مبتلا ہیں۔ اس دنیا میں جہاں غیروں کی بڑائی کے ڈنکے بج رہے ہیں، آپ اللہ کی بڑائی کا اعلان کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبیِ کریم ﷺ کو حکم دیا: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ ’’کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو ڈرائیے۔‘‘ تو آپ مسلسل تیئیس سال تک اس پر کاربند رہے اور اس حکم کی بجا آوری کا حق ادا کر دیا۔

سورۂ مدثر کی اگلی آیات میں فرمایا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾

’’اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی سے دُور رہیے۔ اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہ کیجیے اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔‘‘ [3]

ان آیات میں نبی ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اب جو کام آپ کو کرنا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ظاہری و باطنی پاکیزگی اور کامل اخلاص کے ساتھ مخلوق کی اصلاح کا فریضہ انجام دیں۔ آپ نہ صرف روحانی پاکیزگی کا خیال رکھیں بلکہ

[1] الضحٰی 93:3-8. [2] صحیح البخاري: 4950. [3] المدثر 74:4-7.

لباس اور جسمانی پاکیزگی کا بھی خاص اہتمام کریں کیونکہ ظاہری حالت اور لباس اندرونی حالت کا عکاس ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو کسی پر احسان کر کے زیادہ پانے کی اُمید نہ رکھنے کی تلقین بھی کی گئی۔ اس میں اُمت کے لیے یہ سبق چمک رہا ہے کہ کسی پر احسان کر کے اسے اپنا غلام ہی نہ بنالیں اور احسان کی آڑ میں استحصال نہ کریں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾

''اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر ضائع مت کرو۔'' [1]

فرمانِ الٰہی: ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۝﴾ میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد مخالفین کی جانب سے مخالفت، استہزا اور مذاق سے لے کر آپ کو قتل کرنے تک کی سازشیں کی جائیں گی اور مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا جس پر آپ کو صبر کرنا ہوگا۔

نزولِ وحی کی کیفیات

نزولِ وحی کی مختلف کیفیتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۝﴾

''اور یہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر الہام (دل میں القاء) کر کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر اور وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم سے، جو اللہ چاہے، وحی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ بلند مرتبہ، خوب حکمت والا ہے۔'' [2]

حافظ ابن قیم ؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل فرمائی:

1. سچے خواب: انبیاء ؑ کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا اسی طریقے سے ہوئی جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔
2. کبھی جبریل ؑ ظاہر ہوئے بغیر ہی رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتے تھے۔ جب ایسا موقع آتا تو رسالت مآب ﷺ معاً سمجھ جاتے تھے کہ جبریل میرے دل میں بات ڈال رہے ہیں۔ جیسا کہ خود نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ کوئی شخص اُس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک وہ اپنا

[1] البقرۃ2:264. [2] الشوریٰ42:51.

پورا رزق حاصل نہیں کر لیتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق طلب کرو۔" [1]

3 کبھی فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ وہ آپ کو وحی سناتا اور آپ اس وحی کو یاد کر لیتے۔ [2] اس صورت میں صحابۂ کرام بھی کبھی کبھی فرشتے کو دیکھ لیتے تھے۔ [3]

4 کبھی رسول اللہ ﷺ پر وحی گھنٹی کی آواز کے مانند آتی تھی۔ یہ صورت آپ پر بہت گراں گزرتی تھی۔ وحی کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ چمک اُٹھتا تھا [4] اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ کی اونٹنی بیٹھ جاتی تھی۔ [5]
وحی کی اس شدت کو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ آیت املا کرائی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(النسآء 95:4)

"ایمان والوں میں سے کسی عذر کے بغیر بیٹھ رہنے والے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے برابر نہیں۔"
اسی دوران میں اچانک حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ نابینا تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: "اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو جہاد کرتا۔" عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی مبارک ٹانگ میری ران پر تھی۔ اس حالت میں مجھ پر اتنا زبردست بوجھ پڑا کہ مجھے اپنی ران کچلی جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔" [6]

5 کبھی رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھتے اور وہ آپ پر اللہ کے حکم کے مطابق وحی کرتے جیسا کہ سورۂ نجم (13:53) میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

6 کبھی اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے براہِ راست ہم کلام ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتے کے واسطے کے بغیر براہِ راست کلام فرمانا ایسے ہی تھا جیسے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست ہم کلامی کے شرف سے نوازا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ قدر و منزلت قرآن مجید کی اِس آیت سے ثابت ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝﴾

"اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا۔" [7]

---

1 السلسلة الصحيحة: 2866. 2 صحيح البخاري: 3215، صحيح مسلم: 2333. 3 المعجم الكبير للطبراني: 261,260/1. 4 صحيح البخاري: 3215. 5 المستدرك للحاكم: 505/2، حديث: 3865. 6 صحيح البخاري: 2832. 7 النسآء 164:4.

یہ فضیلت نبیِ کریم ﷺ کو معراج کی رات حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے اور زیادہ بلندی پر لے جایا گیا حتی کہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں مجھے قلموں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔''

نمازوں کی تعداد کم کرانے کے لیے آپ ﷺ بار بار اوپر جاتے رہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کلام کا شرف عطا فرمایا تھا۔[1]

نماز: دینِ اسلام کا اساسی رُکن

اللہ تعالیٰ کی قدرت کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے۔ آسمان پر نگاہ ڈالیے۔ چاند سورج کے طلوع و غروب کے مناظر، ستاروں کی چمک، قوسِ قزح کی دھنک، پھولوں کی مہک، کلیوں کی چٹک، پرندوں کی چہک، پہاڑوں کی بلند چوٹیاں، جھومتے ہوئے جنگل اور بہتے ہوئے آبشار دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ جس قادرِ مطلق ہستی نے یہ کارخانۂ زندگی بنایا ہے، اُس نے اپنی جمال آرائیوں سے انسان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ پھر خود انسان کو کتنی احسن اور متوازن شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اور کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے! کیا اتنے معظم و مکرم خالق و مالک کے لیے ہم پر لازم نہیں آتا کہ ہم اُس کی احسان شناسی کے لیے اُس کے حضور ادب و احترام سے سر جھکائیں؟ اللہ نے ہر چیز ہمارے لیے بنائی اور خود ہمیں اپنی بندگی کے لیے بنایا۔ ہم اللہ کی بندگی کا اعلان و اعتراف نماز پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں۔ جونہی انسان کلمہ طیبہ لا إلٰه إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه پڑھتا ہے، وہ اسلام کی چھاؤں میں آجاتا ہے اور اُس پر نماز فرض ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا التزامی فرض ہے جو زندگی کے کسی موڑ پر کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوسکتا۔

نماز ہمیشہ سے دینِ اسلام کا اساسی رُکن اور مسلمانوں کے لیے طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ یہ صرف شریعت محمدی یا دین اسلام ہی کا رکن اعظم نہیں بلکہ تمام شرائع و ادیان میں ہمیشہ اہم ترین عبادت کی حیثیت سے شامل رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ اور اپنی اولاد کو مکہ میں بسانے کا ایک بڑا مقصد نماز قائم کرنا قرار دیا تھا:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○﴾

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد میں سے ایک کو بے زراعت وادی میں، تیرے محترم

[1] صحیح مسلم: 163، زادالمعاد: 80/1، شرح السنة للبغوي: 13/336-351.

گھر (کعبہ) کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے کیا ہے کہ (یہاں) وہ نماز قائم کریں، سوتو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے تا کہ وہ (تیرا) شکر کریں۔"[1]

تعمیر کعبہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے عہد لیا تو انھیں حکم دیا کہ طواف، اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے، یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے کعبۃ اللہ کو پاک صاف رکھا جائے:

﴿وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ﴾

"اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کو حکم دیا کہ تم دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سب سے پہلے جو وحی نازل کی، اس میں بھی نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ﴾

"بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔"[3]

اسی طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کیں، ان میں ایک یہ بھی تھی:

﴿يَـٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ﴾

"بیٹا! نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کام کرنے کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تم پر واقع ہو اس پر صبر کرنا، بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔"[4]

الغرض سابقہ تمام ادیان و مذاہب میں بھی نماز کا تصور موجود تھا کیونکہ یہ عبادت کی ایک بہترین صورت ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں دین ابراہیمی کی جو چند باتیں باقی تھیں، ان میں نماز بھی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اہل جاہلیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَانَتْ فِيهِمُ الصَّلَاةُ.

[1] إبرٰهيم 14:37. [2] البقرة 2:125. [3] طٰهٰ 20:14. [4] لقمٰن 31:17.

''اُن میں نماز بھی تھی۔''[1]

ابن اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ چاشت کی نماز حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ قریش اس نماز سے نا آشنا نہیں تھے۔[2]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اولین ملاقات سے تین سال پہلے ہی میرا معمول تھا کہ میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ اُن سے پوچھا گیا: ''آپ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟'' ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جس طرف میرا رب میرا رُخ کر دیتا تھا۔''[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عم زاد جناب زید بن عمرو بن نفیل کے نماز پڑھنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''میں اپنی قوم کی مخالفت کرتے ہوئے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ جس کی وہ دونوں عبادت کیا کرتے تھے، میں بھی اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ اس قبلے (بیت اللہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب میں بنواسمٰعیل سے ایک نبی کا منتظر ہوں، شاید میں اُن سے نہ مل سکوں۔ میں اُن پر ایمان رکھتا ہوں، اُن کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔'' اُنھوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا: ''اگر آپ اُس نبی سے ملیں تو اُن سے میرا اسلام کہنا۔'' عامر کہتے ہیں: ''جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے نبی کریم ﷺ کو زید بن عمرو بن نفیل کے احوال سے آگاہ کیا۔ آپ نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور اُن کے لیے رحمت کی دُعا کی۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اُسے جنت میں اپنا دامن گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔''[4]

ابن اسحٰق رحمہ اللہ نے لکھا ہے: زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! اگر میں تیری عبادت کا کوئی بہتر طریقہ جانتا تو میں اُسی طرح عبادت کرتا لیکن مجھے اُس کا علم نہیں۔'' پھر وہ اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''یہ قیامت کے دن اکیلے مستقل امت کی شکل میں آئیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ کو نزولِ وحی کی ابتدا کے بعد جس چیز کی تعلیم دی گئی، وہ وضو اور نماز ہے۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا: جب رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض کی گئی تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اُس وقت آپ ﷺ مکہ کے بالائی حصے میں تھے۔ جبریل علیہ السلام نے وادی کی ایک جانب ایڑی ماری تو وہاں سے

[1] حجة الله البالغة: 396/1. [2] الكامل لابن الأثير: 583/1، أنساب الأشراف: 126/1. [3] صحيح مسلم: 2473، فتح الباري: 219/7. [4] فتح الباري: 181/7، الإصابة: 509/2. یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیے حاشیہ: (سير أعلام النبلاء: 131/1)
[5] فتح الباري: 183/7، السيرة لابن إسحاق: 163/1، الإصابة: 508/2.

چشمہ پھوٹ پڑا۔ جبریل علیہ السلام نے نماز کے لیے وضو کیا۔ رسول اللہ ﷺ اُن کے وضو کا بغور جائزہ لیتے رہے، پھر آپ نے اُسی طرح وضو کیا جس طرح انھیں وضو کرتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھائی اور واپس چلے گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ نے اُنھیں نماز کے لیے وضو کرنے کا طریقہ اُسی طرح سکھایا جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا تھا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھائی تھی۔[1]

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے بتایا ہے: جب نماز کا وقت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے۔ آپ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ بھی جاتے تھے۔ اس بات سے علی رضی اللہ عنہ کے باپ ابوطالب، چچا صاحبان اور قوم کے دیگر افراد بے خبر تھے۔ پچھلے پہر دونوں حضرات واپس آجاتے۔ جب تک اللہ نے چاہا، دونوں اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن ابوطالب نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے میرے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جس پر آپ عمل پیرا ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! یہ اللہ، فرشتوں، رسولوں اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چچا جان! میری طرف سے خیر خواہی اور حق کی طرف رہبری کے سب سے زیادہ مستحق آپ ہیں۔ آپ کو میری دعوت قبول کرنی چاہیے اور اس کے پھیلانے میں میرے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔'' ابوطالب نے جواب دیا: ''بھتیجے! میں اپنے آباء و اجداد کا دین نہیں چھوڑ سکتا، البتہ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں، کوئی مائی کا لال آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''

پھر اُنھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے میرے بیٹے! تم کس دین پر چل رہے ہو؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں، اُس کی تصدیق کرتا ہوں، اُن کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں اور اُن کی پیروی کرتا ہوں۔'' ابوطالب نے معاً کہا: ''میرے بیٹے! یقیناً تمھارے عم زاد (رسول اللہ ﷺ) تمھیں بھلائی ہی کا راستہ بتائیں گے۔ تم ہمیشہ ان کی بات مانتے رہنا۔''[2]

کچھ روایات میں نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔[3]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو جب نماز پڑھنی ہوتی تو وہ گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 244/1۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] السیرۃ لابن ہشام: 247,246/1۔ [3] السیرۃ الحلبیۃ: 433/1۔

تھے اور وہ لوگوں سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک وہاں مشرکین آ نکلے۔ انھیں یہ عمل بڑا عجیب لگا۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا حتی کہ اُن سے لڑنا شروع کر دیا۔ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مشرکین بلاوجہ مسلمانوں پر چڑھائی کرتے جا رہے ہیں تو اُنھوں نے ایک مشرک کے سر پر اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔ [1]

ابن حزم نے بھی لکھا ہے: فَضَرَبَ سَعْدٌ رَجُلًا مِّنْهُمْ بِلَحْيِ جَمَلٍ فَشَجَّهُ. ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مار کر زخمی کر دیا۔'' [2]

نماز کی فرضیت اور اولین ہیئت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''پہلے پہل نماز کی صرف دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں۔ جب نبیِ کریم ﷺ نے ہجرت کی تو نماز چار رکعت ہوگئی لیکن سفر کی نماز بدستور دو رکعت ہی رہی۔'' [3]

یاد رہے نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل آگے واقعۂ معراج میں آئے گی۔ محدثین رحمہم اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ اسراء و معراج سے قبل نماز فرض نہ تھی، البتہ رات کو نماز پڑھنے کا حکم ضرور تھا مگر اس کی رکعتوں کی کوئی حد متعین نہ تھی۔ حربی کا قول ہے کہ پہلے صبح و شام دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہلِ علم سے ذکر کیا ہے کہ پہلے رات کی نماز فرض تھی لیکن پھر اسے باری تعالیٰ کے اس حکم: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (المزمل 20:73) ''تو جتنا آسانی سے ہو سکے، اتنا پڑھ لیا کرو'' کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا اور رات کے کچھ حصے کا قیام فرض ہو گیا اور جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کے قیام کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ [4]

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو جب نماز کی تعلیم دی گئی تھی تو اس وقت سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق کی پانچ آیات یا سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے سوا قرآن کریم کا اور کوئی حصہ نازل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح تسبیحاتِ رکوع و سجود، تشہد اور درود وغیرہ کی تفصیلات بھی نہیں دی گئی تھیں۔ یہ بات اپنی جگہ یقیناً صحیح ہے کہ یہ تفصیلات اولین نمازوں میں موجود نہیں تھیں۔ لیکن بقول حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نماز کی اصل (بہرحال) موجود تھی۔ [5]

[1] السيرة لابن إسحاق: 190/1، السيرة لابن هشام: 263/1. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 51. [3] صحيح البخاري: 3935، صحيح مسلم: 685. [4] فتح الباري: 603/1. [5] البداية والنهاية: 23/3.

شروع میں صرف نماز کی ہیئت ہی سکھانی مقصود تھی۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بندہ اپنے خالق کے حضور اپنی بندگی اور عبادت کا اظہار و اعلان اپنے اعضاء و جوارح سے کرے تا کہ قلب میں حضوری کی کیفیت پیدا ہو۔ تلاوتِ قرآن اور تسبیحات وغیرہ تو زبان سے اظہارِ عبودیت کی علامات ہیں اور ان کا درجہ اعضاء و جوارح کے کلی اظہارِ بندگی کے بعد ہی آتا ہے۔

آغازِ اسلام میں نمازوں کی تعداد

بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ المزمّل میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝﴾

''اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کیجیے مگر تھوڑا سا۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دیجیے۔ یا اس پر (کچھ) زیادہ کر لیجیے اور قرآن کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کیجیے۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ بلاشبہ رات کو اٹھنا (نفس کو) کچلنے کے لیے زیادہ سخت اور دعا و ذکر کے لیے مناسب تر ہے۔'' [1]

یعنی رات کو اُٹھنا دل جمعی اور فہم کلام کے لیے بہت خوب ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اس سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل فرض کیا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ایک سال تک اتنا لمبا قیام کرتے رہے کہ اُن کے پاؤں پر ورم آ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے اس سورت کا بقیہ حصہ آسمان ہی میں روکے رکھا (اور اس کی فرضیت باقی رکھی)، پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور رات کے قیام کو نفل قرار دے دیا گیا۔'' [2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً ابتدا میں رات کی نماز تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چاشت کی نماز بھی تھی۔ [3] کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فجر کی نماز بھی تھی۔ معروف فقیہ ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی شافعی بیان کرتے ہیں کہ معراج سے پہلے دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ ایک نماز طلوعِ آفتاب سے پہلے تھی اور دوسری نماز غروبِ آفتاب سے پہلے۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ (المؤمن 55:40)

[1] المزمل 73:1-6. [2] مسند أحمد :54/6. [3] الكامل لابن الأثير :583/1، أنساب الأشراف :126/1.

''اور پچھلے پہر اور پہلے پہر اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔'' [1]

بہر حال نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کیں اور نماز کی ہیئت و ساخت، کیفیت اور اوقات کی تعلیم دی۔ [2]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نماز پنجگانہ اپنے تمام ارکان اور تعداد رکعات کے ساتھ اُس وقت فرض ہوئی جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔

[1] الروض الأنف :423/1. علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے اگرچہ یہ قول امام مزنی اور یحییٰ بن سلام سے نقل کیا ہے مگر فتح الباری (603/1) میں امام الحربی اور عمدۃ القاری (256/3) میں ابواسحاق الحربی اور یحییٰ بن سلام سے منقول ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ الروض الأنف میں المزنی، الحربی سے تصحیف ہو۔ [2] صحیح البخاري :521.

تبلیغِ رسالت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے منصبِ جلیلہ سے آگاہ فرمایا۔ آپ اپنے رب کے بے حد شکر گزار بندے تھے۔ آپ رب العزت کے حضور عملاً اقرارِ بندگی کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ آپ کے ساتھ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیں۔ یہی اسلام کی تبلیغ کا نکتۂ آغاز تھا۔

تبلیغِ رسالت کے مراتب و مراحل

دعوت و تبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے۔ اس کا مقصد حق و صداقت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔ تبلیغِ دین کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے اور اُسے تفکر و تدبر کی راہ پر ڈالا جائے۔ ارضی حقائق، عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین سے تبلیغ کو مؤثر بنایا جائے۔ نبیِ کریم ﷺ نے محض حاکمانہ قانون اور آمرانہ احکام بروئے کار لانے کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، علم و بصیرت اور غور و فکر کی دعوت دی اور فہم و تدبر کا مطالبہ کیا۔ قرآن مجید بار بار غور و فکر اور تدبر ہی کی دعوت دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ [1]

[1] آل عمرٰن 3:190، 191۔

حکمتِ تبلیغ کے زمرے میں تدریج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دینِ حنیف کی تبلیغ و دعوت کا دائرہ رفتہ رفتہ وسیع کیا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے دعوت کے مخاطبین کے حوالے سے ان کے پانچ مراتب بیان کیے ہیں:

1 نبوت و بعثت۔

2 قریبی رشتہ داروں کو دعوت۔

3 اپنی قوم کے لوگوں کو دعوت۔

4 اُن تمام اہل عرب کو دعوت جن کے پاس اس سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

5 تمام جن وانس کو قیامت تک کے لیے دعوت۔ [1]

زمانی لحاظ سے دعوت نبوی کے مرحلے درج ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت۔ یہ مرحلہ ابتدائی تین سال تک جاری رہا۔

دوسرا مرحلہ: علانیہ دعوت بغیر قتال کے، یہ مرحلہ ہجرت تک جاری رہا۔

تیسرا مرحلہ: علانیہ دعوت اور قتال کرنے والوں کے ساتھ قتال کرنا۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ تک جاری رہا۔

چوتھا مرحلہ: علانیہ دعوت اور ہر اس گروہ کے خلاف قتال جو دعوتِ دین کی راہ میں حائل ہو۔ [2] یہ مرحلۂ جاریہ ہے۔ اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ امتِ مسلمہ کی تخلیق کا اصل مقصد ہی دعوت الی اللہ ہے۔ اس مقصد کے لیے کام کرنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ دنیا بھر میں کسی بھی ملک اور کسی بھی مقام پر چاہے مسلمان اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، انھیں موقع محل کی مناسبت سے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ بہرحال انجام دینا چاہیے۔

دعوت دین کے مراحل موجودہ دور میں

موجودہ دور کے داعیانِ اسلام کے لیے اُن مراتب و مراحل کی پابندی ضروری نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کو گزرنا پڑا کیونکہ اُن کی یہ ترتیب منجانب اللہ مقدر و مقرر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ داعیانِ اسلام کو مختلف طریقے اختیار کرنے کی راہ دکھاتی ہے، بشرطیکہ وہ اس بے مثال دعوت سے ہم آہنگ ہوں۔ دعوت دینا، مدد طلب کرنا یا ہجرت کرنا وہ وسائل و ذرائع ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کے لیے مخصوص حالات میں اختیار کیے، مثلاً: آج

1 زادالمعاد: 86/1. 2 فقه السيرة للبوطي، ص: 105، السيرة النبوية للمهدي: 172/1.

کے دور میں دنیا کے اکثر ممالک میں دین اور مذہب کے داعیوں کے لیے بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں، اس لیے ان ممالک میں خفیہ دعوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جن ممالک میں اشتراکیت بطور نظام رائج ہے، وہاں کی حکومتیں مسلمانوں کو کسی تبلیغی، دعوتی یا سیاسی عمل کی اجازت نہیں دیتیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ان ممالک میں دینِ حنیف کی تبلیغ و دعوت کا کام نہایت حکیمانہ طور پر خفیہ طریقے سے کیا جائے۔ مقامی احوال وظروف سازگار نہ ہوں تو مناسب قوت کے حصول تک دعوتِ دین کا واضح اظہار و اعلان نہ کیا جائے۔ نامساعد حالات میں خفیہ دعوت دینا ہی قرینِ مصلحت ہے۔ اسی طرح اگر حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ دین کا کوئی کام خفیہ طور پر کیا جائے اور کوئی علانیہ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مثلاً: اُن ممالک میں جہاں مسلمانوں کو محدود دائرے میں اپنا کردار ادا کرنے کی اجازت ہے، وہاں موقع کی مناسبت سے دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کیا جائے۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ حالات نازک ہوں تو تبلیغِ دین کا فریضہ خفیہ طور پر ادا کیا جائے اور مناسب وقت کا انتظار کیا جائے۔ جب حالات سازگار ہوں تو دعوت وتبلیغ کا کام علانیہ کیا جائے۔[1]

دعوت نبوی کے آغاز میں راز داری کا سبب

رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں جو دعوت کا کام خفیہ رکھا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپ کو اپنی جان کا خطرہ تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعوت کا مکلف بنایا اور یہ وحی ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ نازل فرما کر آپ کو حکم دیا، اُسی وقت آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ آپ لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کو کامل یقین تھا کہ جس اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے اور دعوت کی ذمہ داری سونپی ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا اور لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی روز آپ کو حکم دیتا کہ لوگوں تک علانیہ دعوت پہنچایئے تو آپ اس حکم کی تعمیل میں ایک لحہ بھی توقف نہ کرتے، چاہے اس کام میں آپ کو اپنی جان جانے کا کتنا ہی سنگین خطرہ نظر آتا۔

اللہ عزوجل نے آپ کو الہام کیا (رسول کا الہام بھی وحی ہوتا ہے) کہ ابتدائی مرحلے میں دعوت کا آغاز راز داری کے ساتھ خفیہ طریقے سے کیجیے اور یہ دعوت صرف انھی لوگوں کے سامنے پیش کیجیے جن کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ آپ کی بات توجہ سے سنیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ اپنے اس عمل کے ذریعے سے نبیِ کریم ﷺ نے دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بڑی بصیرت افروز راہنمائی فراہم کی۔ آپ نے انھیں احتیاط کے تقاضے ملحوظ

[1] السيرة النبوية للمهدي: 1/173,172، عثرات وسقطات في كتاب المنهج الحركي للسيرة النبوية لزهير سالم، ص: 28-35.

رکھنے اور ظاہری اسباب اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور واضح کیا کہ دعوت کے اہداف تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل اختیار کرنا عقل سلیم کا تقاضا ہے لیکن یہ چیز اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر اعتماد اور توکل پر غالب نہ آجائے۔ انسان اسباب و وسائل اختیار کرنے میں اس حد تک آگے نہ بڑھ جائے کہ وہ اس کے اصل فکر اور تصور پر اثر انداز ہونے لگیں۔ [1]

خفیہ دعوت

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین سال تک خفیہ دعوت دیتے رہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔ [2] علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے تین اور چار سال والی دونوں روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ [3] تاہم تین سال والی بات ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اکثر سیرت نگاروں نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔

ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ خفیہ دعوت دیتے رہے حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (الحجر 94:15)

''پس جو حکم آپ کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے، وہ (لوگوں کو) سنا دیں اور مشرکوں سے بے رخی برتیں۔''

تو اس کے بعد آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سرعام کھلم کھلا دعوت کا کام شروع کر دیا۔ [4]

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ابتدا میں پوشیدہ دعوت دیتے رہے۔ آپ بتوں سے یکسر بے گانہ اور قطعی لاتعلق تھے۔ چند نوجوانوں اور کمزور طبقوں کے بعض لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ آہستہ آہستہ آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اُس وقت تک کفار قریش آپ کی دعوت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اُن کی مجالس کے پاس سے گزرتے تو وہ کہا کرتے تھے: ''بنو عبدالمطلب کے اس جوان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔'' یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اُن کے معبودانِ باطلہ کے عیب بتانے شروع کیے۔ آپ نے اُنھیں بتایا کہ اُن کے آباء و اجداد کفر اور گمراہی پر تھے۔ یہ بات سُن کر وہ طیش میں آگئے اور آپ سے بغض رکھنے لگے اور ایذا رسانی پر اُتر آئے۔ [5] اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

---

[1] فقه السيرة للبوطي، ص :107,106. [2] السيرة لابن إسحاق:188/1، السيرة لابن هشام:262/1، الطبقات لابن سعد: 199/1. [3] أنساب الأشراف:132,131/1. [4] تفسير ابن كثير، تفسير الدرالمنثور، الحجر 94:15. البتہ امام طبری رحمہ اللہ نے اسے موسیٰ بن عبیدہ اور انھوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ (تفسير الطبري، الحجر 49:15). [5] أنساب الأشراف: 131/1، الطبقات لابن سعد:199/1.

اولین مسلمان

اچھے کام کرنے کے لیے سب سے آگے بڑھنا بہت بڑی فضیلت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو اسے جلد از جلد قبول کرنے والے حضرات یقیناً بہت عظیم اور برگزیدہ انسان تھے۔ دعوتِ حق کی قبولیت میں اولیت کی فضیلت کس نے پائی اور سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، بعض کہتے ہیں: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگ کہتے ہیں: سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔ بہر حال اس حقیقت میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی مسلمان ہوئی تھیں۔ صحیح بخاری، سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام وغیرہ کی روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوطالب کے ڈر کی وجہ سے اپنے ایمان کو چھپاتے رہے جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی سے اپنا ایمان چھپانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ [1]

امام ابوحنیفہ، اسحاق بن راہویہ، ابن صلاح، نووی رحمہ اللہ اور دیگر کئی محققین کی محتاط رائے یہ ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ [2]

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، پھر بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مردوں میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مختصر نسب کے ساتھ اسمائے گرامی درج کیے ہیں جنھیں سابقون الاولون میں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [3]

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 163/2. [2] فتح المغيث للسخاوي: 142/4، التقييد و الإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، ص: 261، تدريب الراوي: 228/2. [3] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 45-51.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

عورتوں میں سب سے پہلے، بلکہ مطلقاً سب سے پہلے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں۔ وہی اولین خاتون تھیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے وحی کی سرگزشت سنی۔ سب سے پہلے قرآن سننے کی سعادت بھی انھی کو حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے انھی نے نماز سیکھی اور نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں ادا کی۔ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت ایک ہمدرد وزیر کی سی تھی۔ جب لوگ آپ کو جھٹلاتے، ایذا پہنچاتے، آپ کی بات سننے سے انکار کرتے اور آپ غمگین ہو کر واپس گھر تشریف لاتے تو یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو آپ کی دلجوئی کرتی اور آپ کو تسلی دیتی تھیں۔ آپ کا غم ہلکا کرتی، آپ کی ہمت بندھاتی اور حوصلہ بڑھاتی تھیں۔[1]

بنات النبی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی چاروں بیٹیوں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن نے بھی فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان عظیم المرتبت صاحبزادیوں کے سامنے اپنے عالی قدر باپ ﷺ کی زندگی پوری طرح روشن تھی۔ وہ بعثت سے پہلے ہی آپ ﷺ کا عظیم الشان کردار، آپ کی مبارک عادات، بت پرستی سے نفرت اور جاہلیت کی خرافات سے کامل اجتناب کی حالت اچھی طرح دیکھ چکی تھیں۔ پھر انھوں نے یہ ایمان افروز منظر بھی دیکھا کہ ان کی عظیم ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے والد گرامی ﷺ کے پیغام حق پر کس طرح بلا تأمل ایمان لے آئی ہیں۔ ان دستیاب حالات میں یہ جلیل القدر بیٹیاں اپنے بے مثل والدین کے نظریات و عقائد سے کیسے بیگانہ رہ سکتی تھیں؟ چنانچہ انھوں نے بلا تاخیر اسلام کی دعوت قبول کر لی۔ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے اسلام قبول کرنے کا صراحت سے ذکر کیا ہے۔[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور لقب صدیق اور عتیق تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی، والدہ کا نام سلمٰی

[1] ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مزید تفصیل جاننے کے لیے دیکھیے: جلد 2، باب: 5 میں زیرِ عنوان ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح۔''

[2] السيرة لابن إسحاق: 130/1، دلائل النبوة للبيهقي: 69/2.

اور کنیت ام الخیر تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے گھر والوں ہی نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ پہلی بات زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتی ہے۔ انھیں عتیق بھی کہا جاتا تھا۔ عتیق کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انھیں یہ نام دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نسب کے بے عیب ہونے کی وجہ سے انھیں عتیق کا لقب دیا گیا۔ راجح بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں فرمایا تھا: «أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ» ''آپ اللہ کی طرف سے آگ سے آزاد ہیں۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک شاخ تیم سے تھا۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن غالب۔[2] یوں آپ کا نسب ساتویں پشت پر نبی ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن غالب۔

آپ نبیِ اکرم ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کا لقب صدیق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام سے کہا: ''میری قوم (واقعہ اسراء و معراج کے بارے میں) میری تصدیق نہیں کرے گی۔'' انھوں نے کہا: ''ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔''[3] اسی تصدیق کی وجہ سے آپ کو دنیا اور آخرت میں ہمیشہ صدیق کے لقب سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

مسجد نبوی کے پاس مسجد ابوبکر صدیق

عروہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام باقر) رحمہ اللہ سے تلوار کو زیور سے آراستہ کرنے کے بارے

[1] جامع الترمذي: 3679، أسد الغابة: 21،20/3. [2] تاريخ الخلفاء، ص: 28. [3] الطبقات لابن سعد: 170،169/3.

میں مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار زیور سے آراستہ کی تھی۔'' عروہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ آپ بھی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو صدیق کہتے ہیں؟ یہ سن کر وہ یکلخت اٹھ بیٹھے اور قبلہ رخ ہو کر فرمانے لگے:

نَعَمْ، اَلصِّدِّيقُ، نَعَمْ، اَلصِّدِّيقُ، فَمَنْ لَّمْ يَقُلِ الصِّدِّيقَ، فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ لَهُ قَوْلًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

''ہاں، وہ صدیق ہیں، ہاں، وہ صدیق ہیں۔ جو انھیں صدیق نہ مانے، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی بات کو کبھی سچا نہ کرے۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی، اسی بنا پر دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ دیرینہ تعلقات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں۔[2] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پاکدامن تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ بھی دعوتِ اسلام سے پہلے شراب اور بت پرستی سے کنارہ کش رہتے تھے۔[3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتہائی ملنسار، بلند اخلاق اور کامیاب تاجر تھے۔ لوگ ان کی اچھی عادتوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے۔ علم الأنساب عربوں کے ہاں بڑا وقیع اور قابلِ قدر علم تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس علم کے ماہر تھے۔ لوگ آپ کے وسیع علم، حسن اخلاق، تجربے اور ذہانت کی وجہ سے آپ کی محفل میں حاضری کے آرزومند رہتے تھے۔[4]

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار میں اس قدر مماثلت تھی کہ دو مختلف شخصیات نے مختلف مواقع پر دونوں صاحبان کے کردار کے بارے میں ایک ہی جیسے الفاظ کہے۔ وحی کی ابتدا کے موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی کہ اللہ رب العزت آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ سیدہ کے الفاظ یہ تھے:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

''بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان

[1] البداية والنهاية : 323/9. [2] صحيح البخاري : 476. [3] السيرة لابن إسحاق : 183/1، تاريخ الخلفاء، ص: 32.
[4] السيرة لابن هشام : 250/1.

مسجد ابوبکر، البرک (برک الغماد)

کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے راستے میں آنے والے مصائب میں (اہلِ حق کی) اعانت کرتے ہیں۔" [1]

اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اہلِ مکہ کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر مکہ سے جانے لگے تو بنو قارہ کے سردار ابن الدَّغِنَہ نے انھیں برک الغماد پر روک لیا اور کہا: اے ابوبکر! تمھارے جیسا عظیم انسان نہ خود جا سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے، پھر اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

أَتُخْرِجُونَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ، وَيَحْمِلُ الْكَلَّ، وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ؟

"کیا تم ایک ایسے شخص کو نکالنا چاہتے ہو جو تہی دستوں کا بندوبست کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمانوں کی میزبانی کرتا ہے اور حق کی راہ میں آنے والے مصائب میں (اہلِ حق کی) اعانت کرتا ہے؟" [2]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوبکر! بے شک میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں اس کا پیغام پہنچاؤں۔ میں تمھیں حق کے ساتھ ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ کی قسم! یقیناً یہ حق ہے۔ ابوبکر! میں تمھیں ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پڑھا تو وہ قرآن کی سچائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اسلام قبول کرلیا اور اپنے سابقہ دین کو خیر باد کہنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی۔ [3] آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ [4]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں، حلیفوں، دوستوں اور قابلِ اعتماد لوگوں کے گھر جا کر ان پر خوب محنت کی۔ انھیں اسلام کی حقانیت سے روشناس کرایا اور دین حنیف کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس کے نتیجے میں معززین کی

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح البخاري: 3905. [3] السيرة لابن إسحاق: 183/1. [4] البداية والنهاية: 27/3.

ایک جماعت دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔ زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی دعوت پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

ابتدا میں پیغمبر اسلام کی دعوت پر جن لوگوں نے لبیک کہا، ان میں اچھی خاصی تعداد غلاموں کی بھی تھی۔ ان میں سیدنا بلال، عامر بن فہیرہ، ابوفکیہہ، لبینہ، زِنّیرہ، نہدیہ اور ام عبیس رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قریش نے ان پاکباز لوگوں پر خوفناک مظالم ڈھائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یوں انھیں قریش کے ظلم وستم سے نجات ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

«أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ»

"میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں۔"[2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ ممتاز ومحترم تھے جو اپنی تعریف کے کبھی آرزو مند نہیں ہوئے۔ وہ دنیاوی جاہ وجلال سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ اُن کی تمنا صرف یہ تھی کہ رب ذوالجلال اُن سے راضی ہوجائے۔ ایک دن ان کے باپ نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! تو کمزور لوگوں کو آزادی دلاتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ تو ایسے مضبوط اور طاقتور افراد کو آزادی دلا جو تیرے مددگار بن سکیں اور تیرے دفاع کے کام آسکیں۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: پدر محترم! میں تو یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد پیش نظر نہیں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ ﴾ (الّیل 92:5-21)

"پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا۔ اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی۔ تو یقیناً عنقریب ہم اسے آسان (راہ) کی توفیق دیں گے۔ اور لیکن جس نے کنجوسی کی اور پروا نہ کی۔ اور اس نے نیک بات کو جھٹلایا۔ تو عنقریب ہم اسے تنگی کی (راہ کے لیے) ڈھیل دیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے۔ اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔ اس میں بڑا بدبخت ہی داخل

[1] السيرة لابن إسحاق: 184/1. [2] جامع الترمذي: 3790، 3791، السلسلة الصحيحة: 1224.

ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور بڑا متقی ضرور اس سے دور رکھا جائے گا۔ جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)۔ اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہوگا۔‘‘ [1]

اسلام کے راستے میں آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ہجرت میں بھی آپ کے شانہ بشانہ رہے۔ [2] تمام غزوات میں شرکت کی۔ 9ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مسلمانوں کا پہلا امیرِ حج مقرر کیا۔ [3] ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہی میں آپ کے مصلے کے وارث قرار پائے۔ [4] آپ ہی مسلمانوں کے پہلے خلیفہ ہیں۔ [5]

12 ربیع الاول 11ھ بمطابق 28 مئی 632ء بروز پیر مسجد نبوی میں آپ کی بیعت کی گئی۔ [6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قبائل مرتد ہوگئے تو آپ نے بڑی استقامت اور پامردی سے اس فتنے کی سرکوبی کی۔ [7]

ابوبکر رضی اللہ عنہ 7 جمادی الآخرہ 13ھ/634ء کو بیمار ہوئے۔ آپ نے مسند خلافت پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فائز کرنے کی وصیت فرمائی اور 22 جمادی الآخرہ 13ھ/634ء بروز پیر مغرب اور عشاء کے درمیان 63 سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے 2 سال، 3 ماہ اور 10 دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا حق خوب ادا کیا۔ [8] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔

سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ

آپ کا نام علی، کنیت ابوتراب اور ابوالحسن تھی۔ آپ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زیرِ پرورش رہے۔ آپ بعثت نبوی سے دس برس پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: علی بن ابوطالب (عبدمناف) بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف مسلمان ہوگئی

مسجد علی بن ابی طالب (مدینہ منورہ)

[1] المستدرك للحاكم: 526,525/2، الروض الأنف: 86/2. [2] الطبقات لابن سعد: 172/3، 173. [3] صحيح البخاري: 4363، الطبقات لابن سعد: 177/3. [4] صحيح البخاري: 678. [5] الطبقات لابن سعد: 183/3. [6] الطبقات لابن سعد: 186/3. [7] تاريخ الخلفاء، ص: 62. [8] الطبقات لابن سعد: 202/3-209.

تھیں۔ انھوں نے نبی ﷺ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ [1]

آپ کا رنگ گندمی تھا۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، قد قدرے چھوٹا اور پیٹ بڑا تھا، سر کے اگلے حصے پر بال نہیں تھے، بقیہ حصے پر گھنے بال تھے، ڈاڑھی چوڑی تھی، ڈاڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔ [2]

بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن آپ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے محمد! یہ کیا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے بتایا: "یہ اللہ کا منتخب کردہ دین ہے۔ یہی دین دے کر اس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ میں تمھیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور لات اور عزیٰ کا انکار کردو۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ نے یہ ایسی بات فرمائی ہے جو میں نے اب سے پہلے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک اپنے ابا جان سے مشورہ نہ کرلوں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ کا منصب اور دینِ اسلام کی دعوت سرعام واضح ہونے سے پہلے ہی آپ کا راز فاش نہ ہو، چنانچہ آپ نے تاکید فرمائی: "اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس بات کو پوشیدہ ہی رکھو۔" علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی حقانیت روشن کردی، وہ اگلے روز ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ [3]

جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اُس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن راجح قول یہی ہے کہ اُس وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ [4]

آپ چوتھے خلیفۂ راشد تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سبائیوں (خوارج) نے شہید کردیا۔ یہ نہایت بدطینت اور بدقماش لوگ تھے۔ مختلف علاقوں سے آئے تھے۔ ان کی آمد نے دین اسلام کے اُجلے دامن کو خون کے چھینٹوں سے رنگین کردیا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بغاوت اور ظلم و زیادتی کے انتہائی سفاکانہ حربے بروئے کار لاکر شہید کردیا۔ یوں تیسرے خلیفۂ برحق کی شہادت سے مسند خلافت خالی ہوگئی۔ اس موقعے پر مدینہ میں جتنے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، انھوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر 25 ذوالحجہ 35ھ/655ء کو بیعت کرلی۔ بیعت میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں پیش پیش تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے چنداں خواہش مند نہیں تھے اور خلافت کی پیش کش کو بار بار مسترد کررہے تھے لیکن عالی قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ

[1] تاریخ الخلفاء، ص: 128، فتح الباري: 91/7. [2] تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: 111. [3] السیرة لابن إسحاق: 181/1.
[4] فتح الباري: 92,91/7، السیرة لابن هشام: 245/1.

یہ عظیم ذمہ داری قبول کرنے پر راضی ہو گئے۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انتہائی دردناک شہادت کی وجہ سے مدینہ کی فضا بے حد سوگوار، بہت کشیدہ اور پُرآشوب تھی۔ جوں جوں دن گزرتے گئے، شورش میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کی خلافت کے دوران جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے المناک معرکے برپا ہوئے۔ ان میں ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے۔ آپ کے دور میں فرقۂ خوارج کا ظہور ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہم) نے ملت اسلامیہ کا امن تباہ کر دیا ہے، لہٰذا انھوں نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ ان تینوں حضرات کو ختم کر دیا جائے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو، بُرَک بن عبداللہ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اور عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ 17 رمضان المبارک کو ان تینوں حضرات پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بوجوہ بچ گئے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو عبدالرحمٰن بن ملجم آپ کی گھات میں چُھپا بیٹھا تھا۔ اس بدبخت نے آپ پر زہر آلود خنجر کے پے در پے کئی وار کیے جن سے آپ محفوظ نہ رہ سکے۔ زخم کاری تھا، خنجر بھی زہر آلود تھا، جانبر ہونے کی امید کم تھی۔ زہر لحظہ بہ لحظہ اثر دکھا رہا تھا، چنانچہ آپ تین روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر 20 رمضان المبارک 40ھ/661ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی مدت خلافت 4 سال 9 ماہ تھی۔[2]

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرؤ القیس کلبی رضی اللہ عنہ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے، آپ کے آزاد کردہ غلام اور ابتدائے اسلام میں منہ بولے بیٹے تھے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد، چچا اور اہل قبیلہ پر ترجیح دے کر آپ ہی کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ دنیا و آخرت میں آپ کی کامیابی اور سرخروئی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ تیسرے شخص تھے۔[3]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عثمان، والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروٰی تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب

[1] سيرة علي بن أبي طالب للصلابي، ص :235. [2] تاريخ الطبري : 110/4، البداية والنهاية: 339/7. [3] المستدرك للحاكم:214,213/3، السيرة لابن هشام:248,247/1، أسدالغابة:238/2. سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جلد 2، باب:5 بعنوان ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح''

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا تو آپ نے ابوعبداللہ کی کنیت اختیار کر لی۔ [1] نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں، لہٰذا ان کا لقب ذوالنورین (دونوروں والا) پڑ گیا۔

والد کی طرف سے آپ کا نسب اس طرح ہے: عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب قرشی اموی رضی اللہ عنہ۔ [2] گویا آپ کا نسب پانچویں پشت میں نبیِ اکرم ﷺ کے جدامجد عبدمناف سے جا ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف۔ یوں ماں کی طرف سے آپ کا نسب چھٹی پشت میں نبی ﷺ کے جدامجد عبدمناف سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ [3]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نانی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب رسول اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ [4] آپ واقعۂ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ سرخی مائل سفید رنگ، نرم جلد، خوبصورت چہرہ، مضبوط جوڑوں والے کندھے، چوڑا سینہ، گھنے بال، لمبی ڈاڑھی اور قد درمیانہ تھا۔ [5] آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ آپ کا بہت بڑا شرف اور امتیاز یہ ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں۔ اہلِ علم فرماتے ہیں: ”عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا خوش نصیب فرد نہیں جس کے عقد میں کسی نبی کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں آئی ہوں۔“ [6]

عثمان رضی اللہ عنہ کا مرقد (البقیع)

[1] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص : 109. [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص : 115. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص : 109. [4] أسد الغابة : 215/3. [5] صفة الصفوة لابن الجوزي : 295/1، تاريخ الخلفاء، ص : 116. [6] تاريخ الخلفاء، ص : 115.

عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجۂ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ»

"بلاشبہ تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے آدمی کے برابر اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ ہے۔"

بیعتِ رضوان بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کفارِ قریش کی طرف بطورِ سفیر مکہ روانہ کیا، انھیں واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں، چنانچہ آپ کفار قریش سے انتقام لینے کے لیے تیار ہوگئے۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: «هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ» "یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔" پھر آپ نے اس پر اپنا بایاں ہاتھ مارا اور فرمایا: «هٰذِهِ لِعُثْمَانَ» "یہ (بیعت) عثمان کی طرف سے ہے۔" پھر باقی مسلمانوں نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنی قوم کی انتہائی ممتاز شخصیت تھے۔ وہ بے حد صاحبِ حیا، فصیح اللسان، شیریں مقال اور مالدار فرد تھے۔ عام لوگ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔[2]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے آپ کو دینِ اسلام کی دعوت دی۔

ایک دن سیدنا عثمان اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا، اسلام کے حقوق بتلائے اور اللہ کی طرف سے کیے گئے وعدے بتائے تو ان دونوں بزرگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن ابوالعاص کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے آپ کو باندھ دیا اور کہا: "اللہ کی قسم! میں تمھیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس نئے دین کو نہیں چھوڑو گے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اسلام سے ہرگز دستبردار نہیں ہوسکتا۔" حکم بن ابوالعاص نے آپ کی اسلام پر یہ استقامت دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا۔ وہ خود فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔[3] قبولِ اسلام کے وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی عمر 34 سال تھی۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ بنوامیہ اور بنوہاشم کے درمیان پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔ وہ بنوامیہ

[1] صحيح البخاري: 3699، فتح الباري: 76/7. [2] عثمان بن عفان للصلابي، ص: 19,18، موسوعة التاريخ الإسلامي: 618/1. [3] الطبقات لابن سعد: 55/3. [4] عثمان بن عفان للصلابي، ص: 19.

کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوب عزت افزائی کی۔ آپ نے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے کر دی، اس طرح بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین صدیوں سے جو عداوت چلی آ رہی تھی، وہ قریبی رشتہ داری میں بدل گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی زمانۂ جاہلیت میں کسی بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا، نہ کبھی شراب پی۔ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں خود بتاتے ہیں:

مَا زَنَيْتُ وَلَا سَرَقْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا إِسْلَامٍ، وَلَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا مَسِسْتُ فَرْجِي بِيَمِينِي مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ.

''میں نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں کبھی زنا کیا نہ چوری کی۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، میں نے کبھی کوئی گیت نہیں گایا، نہ میں نے کبھی کوئی بری تمنا کی۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، میں نے اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے نہیں چھوا۔''[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفۂ راشد ہیں۔ اسلام کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے کی وجہ سے آپ کا ایک لقب غنی بھی ہے۔ آپ 23ھ/644ء میں ذوالحجہ کی آخری شب بروز پیر خلیفہ منتخب ہوئے اور یکم محرم الحرام 24ھ/644ء کو باقاعدہ مسندِ خلافت سنبھالی۔ آپ کی خلافت 12 سال تک جاری رہی۔[2]

35ھ/655ء میں باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز آپ بے یار و مددگار گھر میں بند رہے حتی کہ بلوائیوں نے آپ کے گھر کا پانی بھی بند کر دیا۔ آپ نماز کے لیے مسجد میں بھی نہ جا سکتے تھے۔ آپ کو 13 ذوالحجہ اور ایک قول کے مطابق 18 ذوالحجہ 35ھ/655ء کو بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ جب بلوائیوں نے آپ پر حملہ کیا تو آپ روزے کی حالت میں تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ کے خون کے چھینٹے سورۂ بقرہ کی اِس آیت ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ .....﴾ (البقرة 2:137) ''پس عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں ان سے کافی ہو جائے گا......'' پر پڑے، آپ نے مصحف بند کر دیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب قرآنی ورق

[1] تاريخ دمشق الكبير: 20/41، حلية الأولياء: 99/1. [2] الطبقات لابن سعد: 63/3، صفة الصفوة لابن الجوزي: 304/1.

آپ کو ہفتے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع غرقد میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ایک قول کے مطابق حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ [1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن ابی وقاص (مالک) بن اہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ رضی اللہ عنہ۔ [2] ان کا نسب پانچویں پشت پر نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ رشتے میں نبی کریم ﷺ کے ماموں لگتے تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہیب بنوزہرہ سے تھیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی بنوزہرہ سے تھے۔ [3] نبی ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

«هٰذَا خَالِي، فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ»

”یہ میرے ماموں ہیں، کوئی آدمی مجھے (ان جیسا) اپنا ماموں تو دکھائے۔“ [4]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن دس خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں جنھیں اللہ کے نبی ﷺ نے اس دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی۔ یہ اُن چھ افراد میں بھی شامل تھے جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لیے نامزد کیا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوتے وقت اُن سے راضی تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ چار یا چھ افراد کے بعد مسلمان ہوئے۔ [5]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ”جس دن میں مسلمان ہوا، اُس دن کوئی اور فرد مسلمان نہیں ہوا۔ سات دن تک میں ہی تیسرا مسلمان تھا۔“ [6] یہ بیان سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اپنی معلومات کے مطابق ہے کیونکہ ابتدا میں لوگ اپنے اسلام کو خفیہ رکھتے تھے۔ یقیناً سعد رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت خدیجہ، ابوبکر صدیق، علی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اسلام قبول کر چکے تھے۔ [7]

[1] الطبقات لابن سعد: 31/3 و 64-75، تاريخ الخلفاء، ص: 121-125، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 125. [2] الطبقات لابن سعد: 137/3، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 107. [3] فتح الباري: 107/7. [4] جامع الترمذي: 3752. [5] أسد الغابة: 307/2، سير أعلام النبلاء: 93/1. [6] صحيح البخاري: 3727. [7] فتح الباري: 107/7.

مسجد ابی وقاص (چین)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نماز کے فرض ہونے سے پہلے مسلمان ہوا تھا۔[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک انتہائی تاریک جگہ پر ہوں، کچھ نظر نہیں آرہا، اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا، میں اس کے پیچھے چل پڑا، میں نے دیکھا زید بن حارثہ، علی اور ابوبکر رضی اللہ عنہم پہلے ہی اُس کے نور تک پہنچ چکے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''آپ لوگ کب آئے؟'' انھوں نے بتایا: ''تھوڑی دیر پہلے۔'' پھر مجھے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ پوشیدہ طور پر اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ میں آپ سے اجیاد کی گھاٹیوں میں ملا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔'' میں نے فوراً گواہی دے دی۔[2]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا، اس وقت اُن کی عمر 17 سال تھی۔[3]

اللہ کے رستے میں سب سے پہلے تیر چلانے والے شخص سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیر آپ کے سامنے بکھیر دیے اور فرمایا:

«اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ نثار۔''[4]

نبی ﷺ کا یہ مقدس تاریخی جملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑا اعزاز تھا۔ اسی لیے انھیں بھی اپنی

[1] أسد الغابة: 307/2. [2] الخصائص الكبرٰى للسيوطي: 205/1، تاريخ دمشق الكبير: 205/22. [3] أسد الغابة: 307/2.
[4] صحيح البخاري: 4055.

اس خوبیٔ قسمت پر بڑا ناز تھا۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا:

جَمَعَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ أَبَوَيْهِ كِلَيْهِمَا.

''رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن اپنے ماں باپ دونوں ہی کی ذاتِ گرامی کو میرے لیے جمع فرما دیا تھا۔''

راوی کہتے ہیں: آپ کا اشارہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی طرف تھا:

«فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''تم پر میرے ماں باپ نثار۔''

آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ الفاظ اس وقت استعمال فرمائے جب انھیں (شجاعت و بسالت کے ساتھ) لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

جب انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی قرار دیا۔[1] سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ»

''اے اللہ! سعد جب بھی تجھے پکارے، اس کی دعا قبول فرما۔''[3]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ہی نے فتح ایران (قادسیہ) کے بعد 638ء میں آباد کیا تھا۔ اہل کوفہ کے شکوے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا۔[4] یاد رہے کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ امیرالمؤمنین! آپ وصیت فرما دیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس امر کا میں ان لوگوں سے زیادہ اور کسی کو مستحق نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہ ﷺ تاحیات خوش تھے، پھر آپ نے اس سلسلے میں سیدنا علی، سیدنا عثمان، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر سعد کو امارت مل جائے تو وہ اس کے حق دار ہیں ورنہ جو بھی امیر بن جائے، وہ

[1] الطبقات لابن سعد: 140/3. [2] الطبقات لابن سعد: 142/3. [3] جامع الترمذي: 3751. [4] صحيح البخاري: 755، صحيح مسلم: 453.

دریائے دجلہ، بغداد (عراق)

ان سے مدد ضرور لے۔ میں نے انھیں ان کے عجز و ناتوانی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا (بلکہ ان کی معزولی مصلحت کی وجہ سے تھی)۔ [1]

جنگ قادسیہ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ایرانیوں سے یہ جنگ شعبان 15 ھ بمطابق ستمبر 636ء کو ہوئی۔ اس میں لشکر اسلام کی قیادت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی نے کی۔ مادی اور عسکری قوت کے لحاظ سے ایرانی سپاہ لشکر اسلام سے بہت آگے تھی۔ ایرانی سپاہ دو لاکھ نفر پر مبنی تھی۔ ان میں 60 ہزار فوجی گھڑ سوار اور 60 ہزار پیادہ پا تھے۔ یہ بھاری اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کی کل تعداد 33 ہزار نفر تھی۔ ان کے پاس اسلحہ بھی تھوڑا تھا، کھانے پینے کا سامان بھی کم تھا، تاہم ان کے سینوں میں اللہ رب العزت پر ایمان اور حسنِ عمل کا ناقابلِ تسخیر جذبہ موجزن تھا اور ان کی جنگی تربیت بے مثال تھی۔

معرکہ قادسیہ میں چار دن تک گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر ایرانی سپاہ مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ مسلمان اس دلیری سے لڑے کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اُنھوں نے کلمۂ فرار پڑھا اور میدان جنگ سے نکل بھاگے۔ اس طرح قادسیہ فتح ہوگیا۔ معرکۂ جلولا کے دوران دجلہ کی موجوں میں بے خطر گھوڑے دوڑانے والے اسلام کے بطل جلیل حضرت سعد بن ابی وقاص 55 ہجری میں مدینہ منورہ سے سات میل دور عقیق کے علاقے میں رحلت فرما گئے۔ ان کی نماز جنازہ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے پڑھائی۔ [2]

[1] صحیح البخاري: 3700. [2] سیر أعلام النبلاء: 115/1، الطبقات لابن سعد: 149،148/3.

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے والد ابوارقم کا نام عبدمناف بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی مخزومی تھا۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ بھی دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مسلمان ہوجانے والے جلیل القدر افراد میں شامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے یہ بارھویں شخص تھے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ نے بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں حصہ لیا۔

حضرت ارقم بن ابوارقم رضی اللہ عنہ 55ھ/675ء میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔ ان دنوں مروان بن حکم، معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کا گورنر تھا۔ جب سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے سات کلومیٹر دور وادی عقیق میں تھے۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھانی چاہی اور کہا کہ ہم ایک غائب آدمی کی وجہ سے صحابیِ رسول کو روک نہیں سکتے۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبیداللہ نے مروان کو منع کر دیا جس سے ان کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔[2]

وادی عقیق (مدینہ منورہ)

ابتدائی مسلمانوں کی درسگاہ دارارقم

مکان کا اصلی شرف اس کے مکین سے ہوتا ہے۔ یہ مکین ہی کی نسبت ہوتی ہے جو مکان کو معظم اور گراں مایہ بنا دیتی ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت نہ ہو تو کوہِ طور کیا ہے؟ محض مٹی کا تودہ ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ رب العزت سے کلام کیا تھا، اس لیے اُسے ایسی عزت نصیب ہوئی جو قیامت تک ماند نہیں پڑے گی۔ یہی معاملہ دارارقم کا ہے۔ اِسے عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ اِسی لیے تاریخ اسلام میں دارارقم کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے دین حق کی تعلیم اور تبلیغ کا

[1] أسدالغابة:1/70. [2] الطبقات لابن سعد:3/244.

اولین مرکز بنایا اور یہیں وہ تاریخی واقعہ پیش آیا کہ جناب عمر یہاں ندامت سے سر جھکا کر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے تحریک دعوت و اسلام کے نئے باب کے آغاز کا موجب بن گئے۔ یہاں صحابہ اکٹھے ہوتے تھے اور نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیمات و اخلاقیات سیکھتے تھے۔ یہ مرکز بیک وقت مسلمانوں کی درسگاہ اور عبادت گاہ ہونے کے علاوہ ان کا کمیونٹی سنٹر بھی تھا۔ بعد میں دار ارقم کو ''دارالاسلام'' کہا جانے لگا۔ یہ گھر کوہ صفا کے پاس تھا۔[1]

کوہ صفا (مکہ مکرمہ)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ایک گھر عطا فرمایا۔[2] ہوسکتا ہے آپ ﷺ کا یہ عطیہ مکہ میں ان کے گھر کو بطور مرکز برتنے کا صلہ ہو۔[3]

دار ارقم کو مرکز بنانے کے اسباب

1. سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا کسی کافر یا مشرک کو کوئی علم ہی نہیں تھا، اس لیے یہ بات لوگوں کے گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھی باہم ملاقات کے لیے ان کے گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔
2. ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا جو بنو ہاشم کا مخالف قبیلہ تھا۔ مشرکین مکہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دشمن قبیلے کے فرد کے گھر کو دین حنیف کی تعلیم کا مرکز بنالیں گے۔
3. ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کی عمر اُس وقت بمشکل سولہ سال تھی۔ قریش مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ اور کبار صحابہ کے گھروں میں ڈھونڈتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان بنو ہاشم کے کسی گھر یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے گھر میں اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ دار ارقم کو مرکز بنانا نہایت سوچا سمجھا حکیمانہ اقدام تھا۔ اسی حکمت کے باعث کسی مشرک کو اس مرکز کی ہوا بھی نہ لگنے پائی اور یہاں قریش کے اچانک جا دھمکنے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔[4]

دار ارقم بعد کے ادوار میں

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ نے دار ارقم کو اپنی اولاد کے لیے وقف کرتے وقت یہ شرط لازم ٹھہرائی کہ اسے نہ بیچا جا سکتا ہے نہ وراثت کے طور پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ورثا نسل در نسل اس میں رہائش پذیر رہے۔ وہ جب چاہتے

[1] الطبقات لابن سعد:3/243,242، أسدالغابة:1/70. [2] الطبقات لابن سعد:3/244. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 1/289. [4] المنهاج الحركي لغضبان:1/49، السيرة النبوية للصلابي:1/138,137.

تھے، اسے کرائے پر دے دیتے تھے۔ یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہی حتی کہ ابوجعفر منصور کی خلافت کا زمانہ آ گیا۔

محمد بن عمران بن ہند بیان کرتے ہیں کہ مجھے اُس دن کا پتا ہے جس دن عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے دل میں یہ گھر خریدنے کا خیال پیدا ہوا۔ ایک مرتبہ ابوجعفر حج کے لیے آیا۔ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا۔ ہم اپنے گھر کی چھت پر ایک خیمے میں بیٹھے تھے۔ ابوجعفر عین ہمارے نیچے سے گزرتا تھا۔ اس کی پگڑی اس حد تک میری دسترس میں تھی کہ اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر اس کی پگڑی بھی پکڑ سکتا تھا۔ جب وہ وادی میں اُترتا تو صفا پر چڑھنے تک اُس کی نظریں ہماری طرف ہی لگی رہتیں۔ جب مدینہ میں محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن نے ابوجعفر کے خلاف بغاوت کی تو عبداللہ بن عثمان بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی اُن کے پیروکاروں میں شامل تھے لیکن انھوں نے خروج میں حصہ نہیں لیا۔ ابوجعفر کے دل میں اُن کے خلاف کدورت بھر گئی۔ اُس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ انھیں قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ پھر اُس نے کوفہ کے ایک شخص شہاب بن عبدرب کو بھیجا اور ساتھ ہی مدینہ کے گورنر کے نام ایک حکم نامہ بھی ارسال کیا کہ یہ شخص جو کچھ کرنا چاہے، اسے کرنے دیا جائے۔

شہاب کوفی، عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قید خانے میں گیا۔ اُن کی عمر اُس وقت اسی (80) سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہ اس قید و بند سے تنگ آ چکے تھے۔ شہاب نے اُن سے کہا: اگر آپ دار ارقم بیچنے کے لیے تیار ہو جائیں تو میں آپ کو اس قید سے نجات دلا سکتا ہوں۔ امیر المؤمنین ابوجعفر اسے خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہ گھر ان کے ہاتھ فروخت کرنے پر رضامند ہو جائیں تو میں اُن سے آپ کی معافی کے بارے میں بات چیت کروں گا۔ عبداللہ بن عثمان نے کہا کہ یہ گھر تو وقف ہے، اس میں میرے ساتھ اور بھی بہت سے ورثاء شریک ہیں۔ شہاب بولا: آپ اپنے حصے کا سودا کر کے بریٔ الذمہ ہو جائیں، باقی لوگوں سے ہم خود بات کر لیں گے، چنانچہ عبداللہ بن عثمان بن ارقم کو اُن کے حصے کی رقم 17 ہزار دینار طے کر کے اُن کا حساب بے باق کر دیا گیا۔

پھر شہاب کوفی اُن کے بھائیوں کے پاس پہنچا اور انھیں زیادہ قیمت کا لالچ دے کر یہ مکان خرید لیا۔ یوں یہ گھر ابوجعفر اور اُس کے اقرباء کی ملکیت میں آ گیا، پھر خلیفہ مہدی نے یہ گھر اپنی بیوی خیزران کو دے دیا۔ اُس نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرایا تو یہ اُسی کے نام سے منسوب اور معروف ہو گیا۔ بعد ازاں یہ موسیٰ ہادی بن محمد مہدی کے بیٹے جعفر کی ملکیت میں آ گیا۔[1] آج کل دارِارقم مسجد الحرام کی توسیع کے بعد مسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ) میں شامل ہو گیا ہے۔

جدید مسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ)، مکہ مکرمہ

[1] الطبقات لابن سعد: 3/244,243.

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

طلحہ بن عبیداللہ، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الفیاض کے نام سے معروف تھے۔ الخیر کے معنی ہیں کہ اُن میں بھلائی ہی بھلائی تھی۔ الفیاض کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے حد سخی تھے۔ موسیٰ بن طلحہ اپنے باپ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد والے دن مجھے ''الخیر''، غزوۂ تبوک کے موقع پر ''الفیاض'' اور حنین والے دن ''الجود'' کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔ [1] الجود کے معنی ہیں: انتہائی سخی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابومحمد طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ رضی اللہ عنہ۔ [2] طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پُشت پر سیدالبشر رحمۃللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اور تیسری پشت پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ وہ اپنے ایک سفر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میں ایک روز بُصریٰ کے بازار میں تھا۔ ایک راہب اپنے صومعہ (Church) میں کہہ رہا تھا کہ حرم میں رہنے والے کسی آدمی کا پتا کرو۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اُسے بتایا کہ میں اہلِ حرم میں سے ہوں۔'' میری بات سن کر راہب نے پوچھا: ''کیا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو چکا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون احمد؟'' اُس نے کہا: ''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اُن کا ظہور اسی مہینے میں ہوگا۔ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ وہ حرم سے ظاہر ہوں گے اور ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ اگر اُن کا ظہور ہو چکا ہے تو اُن پر بلا تاخیر ایمان لے آؤ۔''

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں جلدی سے مکہ واپس پہنچا۔ آتے ہی لوگوں

[1] المستدرك للحاكم :374/3، أسد الغابة : 491,490/2. [2] المستدرك للحاكم :368/3، السيرة لمحمود شاكر، ص: 103.

پہاڑ کے دامن میں کھجوروں کا باغ (مدینہ منورہ)

سے پوچھا: ''کیا میری عدم موجودگی میں کوئی نئی بات ہوئی ہے؟'' لوگوں نے بتایا: ''محمد (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اُن کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔'' میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اُن سے پوچھا: ''کیا آپ نے اس شخص (محمد ﷺ) کی پیروی اختیار کر لی ہے؟'' اُنھوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا: ''آپ بھی میرے ساتھ چلیں اور اُن کی پیروی اختیار کر لیں، وہ حق کی دعوت دیتے ہیں۔'' اسی دوران طلحہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو راہب والا قصہ سنایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بلاتردد اُسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے قبولِ اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا۔[1]

جنگ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام سے واپس آنے والے قریشی قافلے کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس لیے سیدنا طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے بدر سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت سے ان کا حصہ دیا تھا اور انھیں بدر میں شرکت کے اجر کی نوید بھی سنائی تھی۔

غزوۂ احد میں انھوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ جب بعض مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے تو یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں ثابت قدم رہے۔ اس دن مالک بن زہیر جشمی نے نبیِ اکرم ﷺ کو تیر مارا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اس وار کو روکا تھا جس سے آپ کی انگلی شل ہوگئی۔ آپ ان دس خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں اس دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی اور ان چھ افراد میں سے ہیں جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شایانِ خلافت قرار دیا تھا۔[2]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ابن سعد رحمہ اللہ بسر بن سعید رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ
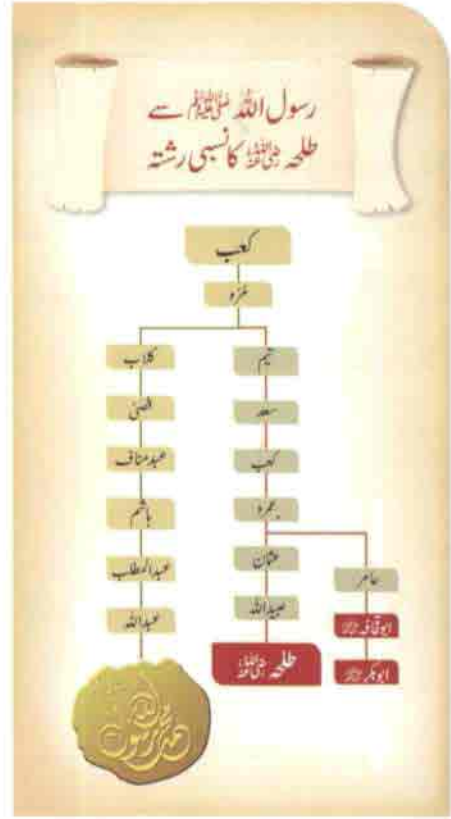
[1] الطبقات لابن سعد: 215,214/3. [2] أسد الغابة :491/2.

سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں کاتب وحی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔ [1] ابن اثیر رحمہ اللہ نے آپ کے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کا ذکر کیا ہے۔ [2]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل میں مروان بن حکم نے تیر مارا تھا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ بوقتِ وفات آپ کی عمر 62 برس تھی۔ [3] ابن سعد رحمہ اللہ نے آپ کی عمر 64 برس لکھی ہے۔ [4]

آپ نے ترکے میں 22 لاکھ درہم اور 2 لاکھ دینار نقدی اور تین کروڑ درہم مالیت کی جائیداد چھوڑی۔ [5]

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ ان کے والد عوام بن خویلد ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

زبیر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی قرشی اسدی رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ [6] آپ کا نسب پانچویں پشت پر پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ نے صحابہ کو (دشمن کی خبر لانے کے لیے) کہا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔

آپ نے تین مرتبہ صحابہ سے کہا۔ تینوں مرتبہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہی تیار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''ہر نبی کا حواری (مددگار) ہوتا ہے۔ میرے حواری زبیر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' [7]

بنوقریظہ کے محاصرے کے دن رسول اللہ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «بِأَبِي وَ أُمِّي» ''آپ پر میرے ماں باپ قربان۔'' [8]

جب آپ نے اسلام قبول کیا، اس وقت آپ کی عمر 16 برس تھی۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت میں

[1] الطبقات لابن سعد: 216/3. [2] أسد الغابة: 490/2. [3] المستدرك للحاكم: 370,369/3. [4] الطبقات لابن سعد: 224/3. [5] الطبقات لابن سعد: 222/3. [6] أسد الغابة: 209/2. [7] صحيح البخاري: 7261، صحيح مسلم: 2415. [8] صحيح البخاري: 3720.

شرکت کی اور پھر مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جب مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر اور شاعر اسلام کعب بن مالک سلمی خزرجی رضی اللہ عنہما کو رشتۂ مواخات میں منسلک فرما دیا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور فتح مکہ سمیت تمام معرکوں میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے تھے جنھیں نبی ﷺ نے جنت کی بشارت دی اور ان چھ خوش نصیب افراد کی شوریٰ میں شامل تھے جنھیں عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت کے وقت خلافت کے لیے نامزد کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ وفات تک ان سے راضی رہے۔

جنگ جمل میں آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نکلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیثِ رسول سنائی تو آپ جنگ سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ بصرہ کے جنوب مغربی جانب وادی سباع میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابن جرموز نے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا، پھر وہ اپنی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ میں نے زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ بات سُن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ صفیہ کے بیٹے (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دینا۔'' شہادت کے وقت آپ کی عمر 66 یا 67 برس تھی۔[1]

سیدنا سعید بن زید اور سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہما

سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو اعور تھی۔ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی کلمۂ توحید سنا۔ بت پرستی سے بیزاری انھیں ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل پکے موحد اور دین ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ انھوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں بت پرستی ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کر لیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«أَنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أُمَّةً وَّاحِدَةً»

''انھیں روز قیامت ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔''[2]

زید بن عمرو بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے، جب اہل مکہ خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے، فوت ہوئے۔ اُن کے بیٹے سعید بن زید پر اُن کی جستجوئے حق کے گہرے اثرات تھے، اس لیے وہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دنوں ہی میں مسلمان

[1] مسند أحمد: 89/1، المستدرك للحاكم: 367/3، الطبقات لابن سعد: 100/3-112، أسد الغابة: 209/2-212.
[2] [ضعيف] مسند أحمد: 190/1.
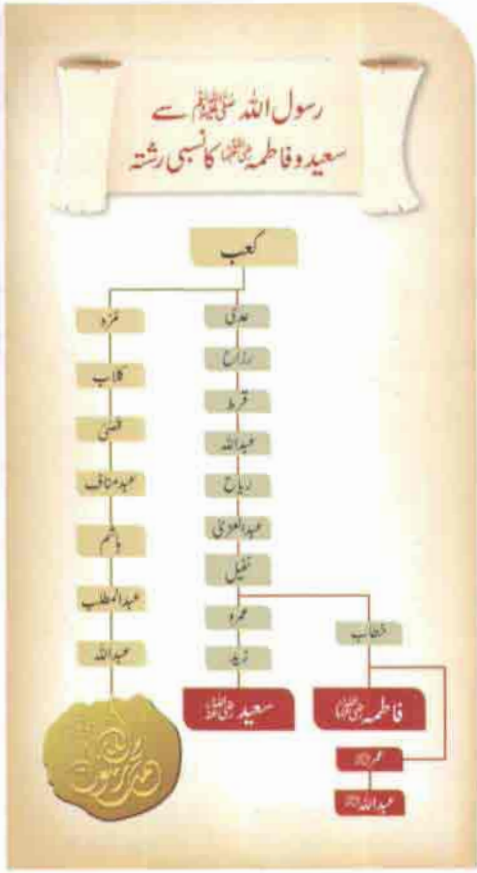
ہو گئے۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، وہ بھی ان سے پیچھے نہ رہیں، انھوں نے بھی ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں ان میاں بیوی کا بڑا اہم کردار تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سعید بن زید کی کئی حوالوں سے رشتے داری تھی۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد تھے اور اُن کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے شوہر بھی تھے۔ ان کی بہن عاتکہ بنت زید سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا قد لمبا، رنگ گندمی اور بال بہت گھنے تھے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے بنوخزرج میں سے اولین مسلمان رافع بن مالک رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے لیکن رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت میں انھیں حصہ دیا اور اجر کی خوشخبری بھی دی کیونکہ نبیِ کریم ﷺ نے انھیں اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف گئے ہوئے قریش کے قافلے کی اطلاع لانے کے لیے بھیجا تھا۔

آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے ہیں جنھیں اس دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ آپ احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبیِ اکرم ﷺ کے ہمراہ رہے۔ آپ نے 51ھ/671ء میں عقیق نامی جگہ پر وفات پائی۔ آپ کو وہاں سے مدینہ منورہ لایا گیا اور مدینہ منورہ ہی میں دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 70 برس سے زیادہ تھی۔[1] آپ اڑتالیس (48) احادیث مبارکہ کے راوی ہیں۔[2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام زمانۂ جاہلیت میں عبد عمرو یا عبدالکعبہ تھا۔ نبیِ کریم ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن

[1] أسد الغابة: 326,325/2، الطبقات لابن سعد: 379/3-385. [2] أسماء الصحابة الرواة لابن حزم: 279.

رکھا۔ [1] یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ناموں میں سے ایک ہے۔ [2]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی زہری رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نسب چھٹی پشت پر نبیِ کریم ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ [3]

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اُن دس سعادت مند افراد میں شامل ہیں جنھیں نبیِ کریم ﷺ نے اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ افراد پر مشتمل جو کمیٹی بنائی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اُس کے اہم رُکن تھے بلکہ انھیں متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کے لیے حَکَم (ثالث) مقرر کیا گیا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ترغیب کے نتیجے میں مسلمان ہوئے۔ یہ نبیِ کریم ﷺ کے دار ارقم میں تشریف لانے اور اسے دعوتِ دین کا اولین مرکز بنانے سے پہلے کی بات ہے۔ [4]

آپ وہ بے حد خوش نصیب شخصیت ہیں جن کی امامت میں رسولِ کریم ﷺ نے نماز ادا کی۔ [5] نبیِ اکرم ﷺ نے انھیں بنوکلب کی جانب دومۃ الجندل بھیجا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا، پھر فرمایا: ''اگر

[1] المستدرك للحاكم: 306/3. [2] جامع الترمذي: 2833. [3] أسد الغابة: 141/3. [4] أسدالغابة: 141/3. [5] مسند أحمد: 192/1.

قلعہ مارد، دومۃ الجندل (سعودی عرب)
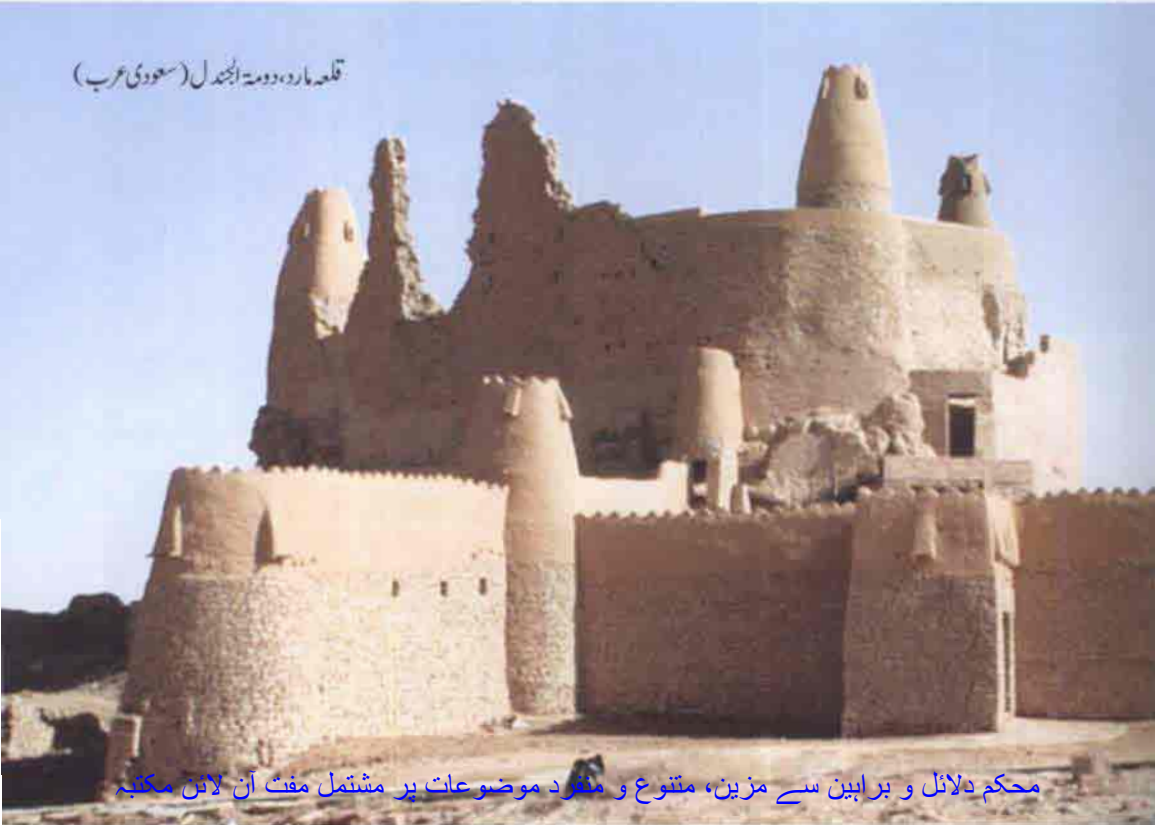
تمھیں فتح نصیب ہو جائے تو وہاں کے حکمران کی بیٹی سے شادی کر لینا۔‘‘ [1]

سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قریش کے نہایت مالدار فرد تھے۔ آپ نے ایک ہی دن میں تیس غلام آزاد کیے۔ [2] آپ اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اخراجات کی ذمہ داری آپ نے سنبھال رکھی تھی۔ جب آپ فوت ہوئے تو اپنا ایک باغ امہات المومنین کے لیے وقف کر گئے تھے جس کی مالیت چالیس ہزار دینار تھی۔ [3]

آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ احد کے دن آپ کو اکیس زخم آئے تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی بھی سعادت حاصل کی۔ جب رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو سیدنا سعد بن ربیع اور آپ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’میں آپ کو اپنے مال کا آدھا حصہ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں، میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں۔‘‘ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ آپ مجھے بازار کا پتہ بتلا دیں۔ اگلے روز حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور گھی، پنیر اور چمڑا خرید کر فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکت دی اور آپ شام کو کچھ گھی اور پنیر لے کر گھر آئے۔ [4]

جبیہہ، عمان (اردن) میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مرقد

آپ نے 32ھ/652ء میں 75 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ [5] جب آپ فوت ہوئے تو اس وقت آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو آٹھویں حصے سے 80،80 ہزار دینار آئے۔ اس کے علاوہ آپ کا ترکہ ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے تھے۔ [6]

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نسب یوں ہے: ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبّہ بن حارث بن

[1] الطبقات لابن سعد: 129/3. [2] أسد الغابة: 141/3. [3] المستدرك للحاكم: 312/3. [4] الطبقات لابن سعد: 126،125/3. [5] المستدرك للحاكم: 308/3. [6] الطبقات لابن سعد: 136/3.

رسول اللہ ﷺ سے
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نسبی رشتہ

فہر (قریش)

حارث	غالب
ضبہ	لؤی
	کعب
اہیب	مرہ
	کلاب
ہلال	قصی
جراح	عبد مناف
	ہاشم
عبداللہ	عبدالمطلب
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	عبداللہ

فہر۔[1] ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پشت پر نبی کریم ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔ یہ اپنی کنیت اور دادا کی طرف نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دراز قد اور دُبلے پتلے تھے۔ ان کی ڈاڑھی کے بال بھی بہت کم تھے۔[2] آپ انتہائی با اخلاق اور نرم مزاج تھے۔[3]

ان کی امتیازی شان یہ تھی کہ وہ ''امین الامت'' تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا تھا: ''میں تمھاری طرف ایسا شخص بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کر دے گا۔'' آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑا تجسس پیدا ہوا کہ دیکھیں یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَ إِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ! أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ»

''بے شک ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اے اُمت! ہمارے امین ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''[4]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف کی جانے والی دوسری ہجرت میں حصہ لیا، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو اور ایک قول کے مطابق سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کو آپ کا بھائی بنایا تھا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے
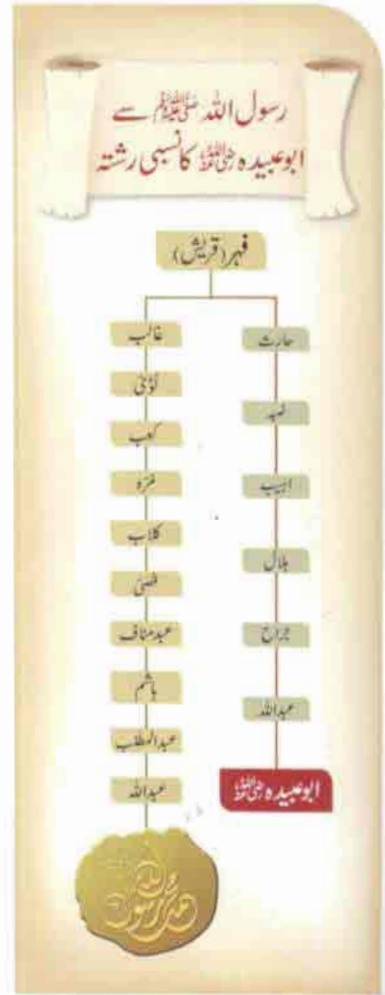
مسجد ابوعبیدہ بن الجراح (ینبع)

[1] الطبقات لابن سعد :409/3، السيرة لمحمود شاكر، ص: 106. [2] الطبقات لابن سعد:414/3. [3] سير أعلام النبلاء :9/1. [4] صحيح البخاري: 3745,3744.

ساتھ رہے۔[1] عمر رضی اللہ عنہ کو جب خنجر لگا تھا تو اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''اگر ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ بناتا۔''[2] آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے ہیں جنھیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔[3] آپ خلافت عمر میں 18ھ/639ء کو طاعون کی وبا میں اللہ کو پیارے ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر 58 برس تھی۔[4]

سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ

ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ کا نام مہشم، ہشیم یا ہاشم بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں دعوتِ دین کے لیے مقیم نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ پہلے آپ نے حبشہ ہجرت کی، پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ بعدازاں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو ہجرت حبشہ میں آپ کے ساتھ تھیں۔ وہاں آپ کا بیٹا محمد بن ابوحذیفہ پیدا ہوا۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بڑے خوبرو اور طویل قد و قامت والے تھے۔ آنکھ قدرے ترچھی تھی۔ آپ کا ایک دانت دوہرا تھا، یعنی ایک دانت کی جڑ ہی سے دوسرا دانت نکل کر پہلے دانت پر چڑھ آیا تھا۔ آپ نے بدر، احد، خندق اور حدیبیہ سمیت تمام معرکوں میں شرکت کی۔ جنگ یمامہ 12ھ/633ء میں، 53 یا 54 سال کی عمر میں شہادت پائی۔[5]

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی رضی اللہ عنہ[6] کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد قصی پر جا ملتا ہے۔ نوجوانانِ مکہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جوانی و رعنائی، خوش پوشی اور ناز و نعم کی آغوش میں پرورش کے اعتبار سے مشہور تھے۔ ماں باپ کے لاڈلے تھے۔ ماں کو ہمیشہ یہ دُھن لگی رہتی تھی کہ مکہ بھر میں ان کے بیٹے (مصعب) کا

[1] الطبقات لابن سعد: 410/3. [2] الكشاف للزمخشري، النحل 16:120، تاريخ دمشق: 297/61، الكامل لابن الأثير: 459/2.
[3] أسد الغابة: 518/2. [4] الطبقات لابن سعد: 414/3، 415. [5] الطبقات لابن سعد: 85/3. [6] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 126.

لباس سب سے زیادہ قیمتی اور عطر سب سے زیادہ مہکنے والا ہو۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''میں نے مکہ میں کوئی ایسا نوجوان نہیں دیکھا جو لمبے بالوں، عمدہ اور باریک لباس اور ناز و نعم میں مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر ہو۔'' [1]

یہ دارِ ارقم میں مسلمان ہوئے تھے۔ ماں باپ کے خوف سے قبولِ اسلام کا اظہار نہ کیا۔ ایک روز عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انھیں نماز پڑھتے دیکھ لیا تو قوم کو ان کے اسلام کی خبر دے دی۔ ماں باپ اور قوم سب ان سے ناراض ہو گئے۔ انھیں قید کر دیا گیا۔ جونہی موقع ملا، قید سے نکل بھاگے اور حبشہ کی طرف جانے والے مہاجرین کے پہلے قافلے میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد مکہ تشریف لائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ کا یہ شہزادہ انتہائی زہد کی زندگی بسر کرنے لگا۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک دفعہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کے بدن پر چمڑے کے پیوند لگی ایک چادر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کی ناز و نعم والی سابقہ زندگی اور موجودہ حالت کا احساس فرما کر آبدیدہ ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے کوئی صبح ایک جوڑے میں کرے گا اور شام دوسرے کپڑوں میں کرے گا اور اس کے آگے ایک برتن رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردے آویزاں کرو گے جس طرح کعبے کو غلاف پہنایا جاتا ہے!'' صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! اس دن تو ہم بہت اچھی حالت میں ہوں گے۔ محنت و مشقت سے فارغ اور عبادت ہی کے لیے وقف ہوں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اُن دنوں سے تم آج کے دن بہتر ہو۔'' [3]

بیعت اولیٰ کے بعد نبی ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ جا کر تعلیمِ قرآن اور تدریسِ دین کا فرض انجام دو، چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی ذمے داری خوب نبھائی۔ آپ لوگوں کے گھروں پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ کی دعوت پر مشرکوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ پھر سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ ستر صحابہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کے

[1] المستدرك للحاكم: 3/200. [2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 1/390. [3] جامع الترمذي: 2476.

اذخر گھاس

ہاتھ پر بیعت کی۔ مکہ میں آپ تھوڑا عرصہ ٹھہرے۔ [1] پھر نبی اکرم ﷺ سے 12 دن پہلے ربیع الاول میں مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ [2] آپ نے غزوۂ احد 3ھ/625ء میں شہادت پائی۔

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم نے نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ صرف اللہ کے لیے ہجرت کی۔ اب ہمیں اللہ کی طرف سے اجر ملنا ہی تھا۔ ہمارے بعض ساتھی تو انتقال کر گئے اور (اس دنیا میں) انھوں نے اپنے اعمالِ حسنہ کا کوئی پھل نہیں چکھا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے تھے۔ تاہم ہمارے بعض ساتھیوں کا میوہ پک گیا اور وہ چن چن کر پھل کھاتے تھے۔ وہ (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ) اُحد کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ انھیں کفن دینے کے لیے ایک چادر کے سوا کوئی چیز نہ ملی، وہ بھی ایسی کہ اگر ہم اس سے ان کا سر چھپاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا، چنانچہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سر ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔'' [3]

سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ۔ [4]

ان کے والد کا تعلق بنومخزوم سے تھا جبکہ ان کی والدہ برّہ سردار عبدالمطلب کی بیٹی اور نبیِ کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ [5] ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پُشت پر نبیِ کریم ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

ابن اسحٰق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن حارث، ابوسلمہ، ارقم بن ابی ارقم اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو ان چاروں نے اسلام قبول کر لیا اور گواہی دی کہ آپ ہدایت اور روشن دین پر ہیں۔ [6]

سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔ بعدازاں آپ نے

[1] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 126. [2] الطبقات لابن سعد: 119/3. [3] صحيح البخاري: 1276، صحيح مسلم: 940.
[4] الطبقات لابن سعد: 239/3، السيرة لمحمود شاكر، ص: 108. [5] أسد الغابة: 475/4. [6] السيرة لابن إسحاق: 186/1.

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے سعد بن خیثمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بدر اور احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر رہے۔ غزوۂ احد میں ابواسامہ جُشمی نے آپ کا بازو زخمی کر دیا۔ ایک ماہ بعد زخم مندمل ہوگیا۔ محرم 4 ھ/625ء میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ڈیڑھ سو آدمیوں کے دستے کی قیادت سونپ کر بنو اسد کی طرف بھیجا۔ واپسی پر آپ کا وہ زخم دوبارہ پھوٹ پڑا جو غزوۂ احد میں لگا تھا۔ کچھ دنوں بعد آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی۔[1]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہیب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی۔ آپ کی کنیت ابوسائب تھی۔ ابھی رسول اللہ ﷺ نے دارارقم کو اپنا مرکز نہیں بنایا تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اُن پاک طینت افراد میں سے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب کے قریب نہیں پھٹکتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شراب آگ ہے۔ اس میں انسان کی عقل کوئلہ ہوجاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری حالت ایسی ہو کہ کوئی ادنیٰ آدمی بھی مجھ پر ہنسے۔ جب شراب کی حرمت کے بارے میں سورۂ مائدہ کی آیات نازل ہوئیں تو ایک شخص ان کے پاس سے گزرا، اُس نے انھیں بتایا کہ شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے، پھر اس بارے میں انھیں سورۂ مائدہ کی آیات سنائیں تو یہ کہنے لگے: ''شراب کا ستیاناس ہو، میں تو اس کی خرابیوں سے پہلے ہی آگاہ ہوں۔''

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گندمی رنگ اور درمیانے قد کے تھے۔ ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی۔ وہ انتہائی حیادار اور پرہیز گار تھے۔ کبھی کبھی تو ان کی پرہیزگاری جائز نفسانی خواہشات سے بھی کنارہ کش ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے بالکل کنارہ کشی کا ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تمھارے لیے میری ذات میں اُسوہ حسنہ نہیں؟ میری بیویاں بھی ہیں۔ میں گوشت بھی کھاتا ہوں۔ (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ اگر عورتوں کے ساتھ تعلق کو محدود کرنا چاہتے ہو تو نفلی روزے رکھو۔''

ایک مرتبہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں پہنچی، اُنھوں نے دیکھا کہ یہ خاتون انتہائی خستہ حالت میں ہے۔ ازواج النبی نے فرمایا: ''تمھارا خاوند تو قریش کے مالدار ترین لوگوں میں سے ہے (پھر تمھاری یہ حالت کیوں ہے؟)'' وہ بولی: ''میرے شوہر کو تو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ وہ رات کو قیام کرتا

[1] الطبقات لابن سعد: 3/239-242، زاد المعاد: 3/243.

ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔'' نبی ﷺ تشریف لائے تو اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے یہ داستان آپ ﷺ کے گوش گزار کردی۔

رسول اللہ ﷺ کی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمھارے لیے میری ذات اُسوہ حسنہ نہیں؟'' سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم دن کے وقت روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے ہو؟'' عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جی ہاں! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو۔ تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمھارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمھارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ نماز بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔ نفلی روزے رکھو بھی اور چھوڑو بھی۔'' اس کے بعد سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ پھر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے پاس گئیں تو ان کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی۔ امہات المؤمنین نے پوچھا: ''یہ کیسی تبدیلی ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''اب مجھے بھی وہی احوال نصیب ہوگئے ہیں جو دیگر عورتوں کو میسر ہیں۔''

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر (البقیع)

عثمان بن مظعون ؓ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ بعدازاں آپ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان اور سیدنا ابوالہیثم بن تیہان ؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

آپ بدر میں شریکِ معرکہ رہے۔ ہجرت کے 30 ماہ بعد شعبان میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ سیدنا عثمان ؓ مہاجرین میں سے پہلے شخص تھے جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے آپ ہی کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ [1] حافظ ابن حزم ؒ نے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام ؓ میں کیا ہے جن سے چار چار احادیث مروی ہیں۔ [2]

سیدنا قُدامہ بن مظعون ؓ

ابوعمرو قدامہ بن مظعون ؓ بھی سیدنا عثمان بن مظعون ؓ کے علاّتی بھائی تھے۔ ان کی والدہ غزیہ بنت حویرث بن عنبس بن وہبان بن وہب تھیں۔ [3]

چاروں بھائی عثمان، سائب، عبداللہ اور قدامہ ؓ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ چاروں نے ہجرت حبشہ، پھر ہجرت مدینہ میں شرکت کی۔ یہ ام المؤمنین حفصہ اور عبداللہ بن عمر ؓ کے ماموں بھی ہیں کیونکہ ان کی والدہ بنوجمح سے تھیں۔ بدر، احد اور جملہ معرکوں میں حاضر رہے۔ حضرت عمر ؓ کی بہن صفیہ بنت خطاب ؓ سیدنا قدامہ ؓ کے عقد میں تھیں۔

سیدنا عمر ؓ نے قدامہ ؓ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ بعد ازاں انھیں معزول کر کے عثمان بن ابوالعاص ؓ کو ان کا جانشین بنایا۔ قدامہ ؓ نے 36ھ/656ء میں 68 سال کی عمر میں وفات پائی۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن مظعون ؓ

آپ سیدنا عثمان بن مظعون ؓ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ سُخیلہ بنت عنبس بن وہبان بن وہب بن حذافہ بن جمح تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن مظعون ؓ کی کنیت ابومحمد تھی۔ عبداللہ بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ بن مظعون ؓ رسول اللہ ﷺ کی دارِارقم میں تشریف آوری سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ میں حصہ لیا۔

سلسلۂ مؤاخات میں نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مظعون اور سہل [5] بن عبیداللہ بن معلّٰی انصاری ؓ کے مابین

---

[1] الطبقات لابن سعد :3/393-401. [2] أسماء الصحابة الرواة : 290. [3] الطبقات لابن سعد: 3/401. [4] الاستيعاب، ص: 609،610. [5] سہل بن عبیداللہ : ابن سعد نے سہل بن عبید اللہ بن معلّٰی انصاری ؓ کے نام کا تذکرہ کیا ہے۔ معاجم صحابہ میں سہل بن عبیداللہ ؓ کا نام نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر ؒ نے سہل بن عبید بن قیس کا تذکرہ کیا ہے۔ (الطبقات لابن سعد:3/400، الإصابة :3/168)

بھائی چارہ قائم کیا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام معرکوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ 30ھ/650ء میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 60 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔[1]

سیدنا سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ

سائب بن مظعون بن حبیب قرشی جمحی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ اولین مہاجرین میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلے حبشہ، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر میں بھی شامل ہوئے۔ ربیع الآخر 2ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بواط کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔[2] آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔[3]

سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دنوں ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب مسلمان دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا سائب بن عثمان اپنے والد اور چچاؤں کے ساتھ ہجرت کر گئے، پھر انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید بدر حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنا دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں حاضر ہوئے۔ 12ھ/633ء میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔[4]

سیدنا عامر بن ربیعہ عنزی عدوی رضی اللہ عنہ

عدنانی قبیلہ بنو اسد بن ربیعہ بن نزار سے تعلق رکھنے والے سیدنا عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ کے سلسلۂ نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کا نسب نزار بن معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔ عدوی انھیں اس

---
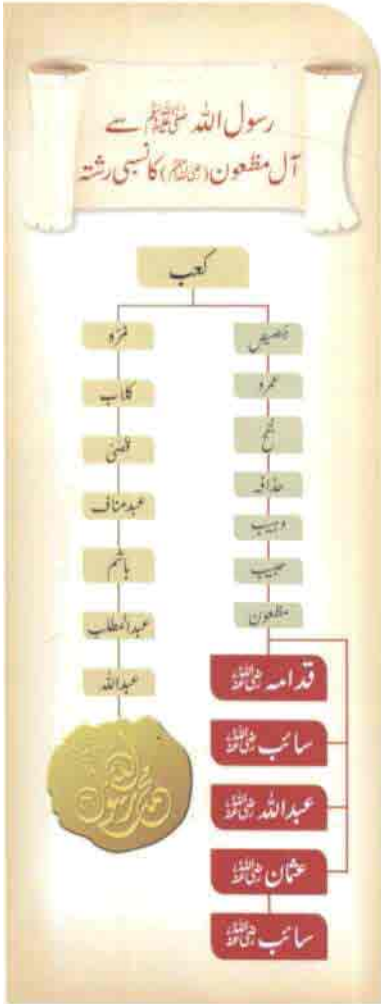
[1] الطبقات لابن سعد: 400/3. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 102. [3] أسد الغابة: 272/2. [4] الطبقات لابن سعد: 401/3، 402، أسد الغابة: 270/2.
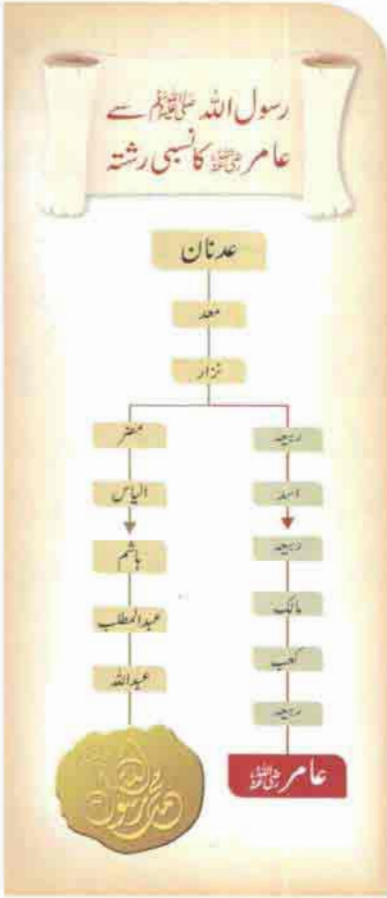
لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے والد خطاب بن نفیل عدوی نے انھیں اپنا لے پالک بنا لیا تھا۔ یہ بھی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کی بیوی لیلیٰ بنت ابوحثمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ عامر رضی اللہ عنہ بدر، احد اور دیگر تمام معرکوں میں شامل رہے۔

ان کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس رات باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تھا، اس شب یہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران میں انھیں نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اس فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو جس سے اس نے اپنے نیک بندوں کو بچایا۔ وہ کھڑے ہوئے، پھر نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ گھر گئے تو بیمار ہو گئے۔ اس کے بعد ان کا جنازہ ہی گھر سے نکلا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے چند روز بعد ہوئی۔ [1]

سیدنا ابوسبرہ بن ابورُہم رضی اللہ عنہ

ابوسبرہ بن ابورہم بن عبدالعزّٰی بن ابوقیس بن عبدوُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ ماجدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب ہیں۔

ابوسبرہ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ دوسری مرتبہ آپ کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر و احد اور جملہ معرکوں میں آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ابوسبرہ اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ [2]

سیدنا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

سیدنا حاطب بن عمرو بن عبدشمس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان

[1] الاستیعاب، ص: 397، أسد الغابة: 2/513، 514. [2] الطبقات لابن سعد: 3/403.

کی والدہ اسماء بنت حارث بن نوفل بنو اشجع سے تھیں۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ نے سرزمین حبش کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔ پھر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ غزوۂ بدر اور احد میں شامل ہوئے۔ [1]

سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت جعفر بن ابوطالب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہ بھی قافلۂ اسلام میں ابتدائی دنوں ہی میں شامل ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوطالب نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی دائیں جانب نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابوطالب نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم بھی جاؤ اور ان کے ساتھ دوسری جانب کھڑے ہو جاؤ۔'' [2] وہ شکل و شباہت اور اخلاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي»

''تم شکل و شباہت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔'' [3]

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں سے بڑی محبت کرتے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی کنیت ابوالمساکین رکھی تھی۔ [4]

آپ نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت فرمائی، پھر خیبر والے سال مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ مجھے جعفر سے ملنے کی زیادہ خوشی ہے یا فتحِ خیبر کی۔'' بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مؤتہ کی طرف لشکر کے نائب سپہ سالار کی حیثیت سے روانہ کیا۔ آپ نے جمادی اولیٰ 8ھ/629ء میں شہادت پائی۔ [5] اس وقت آپ کی عمر 41 برس تھی۔ [6]

سیدنا عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے بعثت نبوی کے بعد پہلے تین برسوں کے دوران اسلام قبول کیا۔ یہ جلیل القدر صحابی خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، البتہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف

[1] الطبقات لابن سعد: 405/3. [2] أسدالغابة: 328,327/1. [3] جامع الترمذي: 3765. [4] جامع الترمذي: 3766.
[5] المستدرك للحاكم: 209,208/3، أسد الغابة: 329,328/1. [6] أسد الغابة: 330/1.

دونوں دفعہ ہجرت کی۔

ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ میرے والد کے تھوڑے عرصے کے بعد سرزمین حبش تشریف لائے، پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے حتی کہ 7ھ/628ء میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔

عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے معرکوں میں شرکت کی۔ جب مسلمانوں نے شام کا رخ کیا تو آپ بھی لشکر کے ساتھ نکلے۔ آپ 13ھ/634ء میں معرکۂ اجنادین میں شہید ہو گئے۔[1]

سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

آپ کا نسب پانچویں پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ میں آگ کی ایک نہایت وسیع اور گہری خندق کے کنارے کھڑا ہوں۔ میرا باپ سعید بن عاص مجھے اس میں دھکیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچانک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کمر سے پکڑ لیا اور مجھے آگ میں گرنے سے بچا لیا۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا: ''اللہ کی قسم! یہ سچا خواب ہے۔'' میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انھیں اپنے خواب کا حال سنایا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تم اُن کی پیروی اختیار کر لو۔ اُن کی پیروی کرو گے تو جہنم میں گرنے سے بچ جاؤ گے۔ تمھارا باپ خود اُس میں گرنے والا ہے۔''

[1] الاستیعاب، ص: 568.

اجیاد (مکہ مکرمہ)
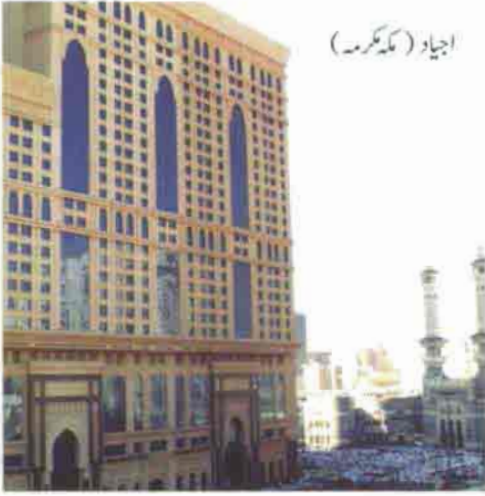
خالد بن سعید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے صفا کے قریب اجیاد نامی جگہ پر ملے اور پوچھا: اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَتَخْلَعُ مَا أَنْتَ عَلَيْهِ مِنْ عِبَادَةِ حَجَرٍ لَّا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ، لَا يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ، وَلَا يَدْرِي مَنْ عَبَدَهُ مِمَّنْ لَّمْ يَعْبُدْهُ»

''میں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جن پتھروں کی تم پوجا کرتے ہو، ان کی پوجا چھوڑ دو جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انھیں تو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کون اُن کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔''

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے فوراً اقرار کیا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام قبول کرنے کی بہت خوشی ہوئی۔[1]

جب مسلمان دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ ہجرت کی، پھر 7ھ/628ء میں خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ بعدازاں نبی ﷺ کی معیت ہی میں مدینہ منورہ آئے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ محرم 13ھ/634ء میں خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں رومیوں کے خلاف معرکۂ مرج الصُّفّر میں شہید ہوگئے۔[2] حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا ہے جن سے صرف تین تین احادیث مروی ہیں۔[3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یَعْمُر بن صبرہ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابومحمد اسدی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

[1] المستدرك للحاكم: 248/3، الطبقات لابن سعد: 94/4. [2] أسد الغابة: 88/2. [3] أسماء الصحابة الرواة: 293.

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ ارقم میں دینِ حنیف کی خفیہ طور پر تعلیم کا آغاز کیا تو یہ اس سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی ابواحمد عبد، عبیداللہ اور ان کی بہنیں زینب بنت جحش زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ام حبیبہ بنت جحش اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم سبھی اسلام قبول کر کے ہجرت حبشہ میں دونوں مرتبہ شریک ہوئے۔ ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش حبشہ پہنچ کر عیسائی ہوگیا اور عیسائیت ہی کی حالت میں مرا۔ عبیداللہ جب عیسائیت قبول کر کے مُرتد ہوگیا تو اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بعد ازاں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی، پھر عبداللہ اور ان کے بھائی ابواحمد عبد بن جحش اپنے اہل و عیال سمیت مدینہ ہجرت کر گئے۔ وہاں جا کر عاصم بن ثابت بن ابی اقلح رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بدر اولی سے واپسی کے بعد ماہِ رجب میں ایک سریّے کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ پہلے فرد تھے جنھیں امیر بنا کر کسی دستے کی قیادت سونپی گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحش کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ دستہ جس کی قیادت آپ کے سپرد کی گئی، درج ذیل آٹھ جلیل القدر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا:

1 ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ
2 عکاشہ بن محصن
3 عتبہ بن غزوان
4 سعد بن ابی وقاص
5 عامر بن ربیعہ
6 واقد بن عبداللہ
7 خالد بن ابوبکیر
8 سہیل بن بیضاء [1]

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا لشکر مالِ غنیمت لے کر آیا تھا، یہ پہلی غنیمت تھی، اس میں سے خُمس نکالا گیا اور باقی مال تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھیں امیر المؤمنین کا لقب ملا۔ آپ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ احد میں شہادت کے بعد آپ کی میت کا مُثلہ کیا گیا۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ کیا ہم اللہ سے دعا نہ کریں، پھر انھوں نے ایک طرف ہو کر تنہائی میں دعا کی: ''اے اللہ! کل میں دشمن سے ملوں تو اس عالم میں ملوں کہ میرا واسطہ سخت اور غضبناک جنگجو سے پڑے۔ میں تیرے راستے میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر وہ مجھے پکڑے، میری ناک اور کان کاٹ دے۔ جب میں تیری بارگاہ میں پیش کیا جاؤں تو اے میرے

---

[1] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 104، السيرة لابن هشام: 252/2، الطبقات لابن سعد: 2/1-5، تاريخ الخميس: 365/1، البداية والنهاية: 248/3. [2] المعجم الوسيط، مادة: خمس، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة: خُمس، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔

پروردگار! تو دریافت فرمائے: ”عبداللہ! تیری ناک اور کان کس نے کاٹے؟“ تو میں عرض کروں: یہ تیرے راستے میں کٹے۔ پھر تو فرمائے: صَدَقْتَ ”تو نے سچ کہا۔“ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ عبداللہ کی ناک اور کان ایک دھاگے میں لٹک رہے تھے۔“

واقدی کہتے ہیں: عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید کر دیے گئے۔ آپ کو ابوالحکم بن اخنس بن شریق نے شہید کیا تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[1]

سیدنا مُطَّلِب بن ازہر اور سیدنا طُلیب بن ازہر رضی اللہ عنہما

ان کے والد ازہر بن عبدعوف بن عبد حارث بن زہرہ بن کلاب رضی اللہ عنہ تھے اور والدہ نکیرہ بنت عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف بن قصی تھیں۔

مطلب رضی اللہ عنہ بھی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابی ہیں۔ انھوں نے اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف بن ضُبیرہ سہمیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔[2] ان کے بھائی طلیب بن ازہر رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔ دونوں بھائی حبشہ ہی میں فوت ہوئے۔[3] جب مطلب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو طلیب رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی رملہ سے شادی کر لی جن سے ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔[5] آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہذیل قبیلے سے تھا۔ یہ ابن ام عبد کے نام سے معروف تھے۔ ام عبد ان کی والدہ کا نام تھا۔ یہ بڑے نحیف اور دبلے پتلے تھے۔ ایک مرتبہ درخت پر چڑھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھیں تو ہنسنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا تَضْحَكُونَ؟ لَرِجْلُ عَبْدِ اللّٰهِ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أُحُدٍ»

”آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں؟ قیامت کے دن عبداللہ بن مسعود کے پاؤں میزان میں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گے۔“[6]

ابتدا میں یہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

[1] صفة الصفوة لابن الجوزي: 386/1. [2] الطبقات لابن سعد: 124/4. [3] الاستيعاب، ص: 670. [4] الطبقات لابن سعد: 125/4. [5] الطبقات لابن سعد: 150/3، أسد الغابة: 74/3. [6] مسند أحمد: 114/1.
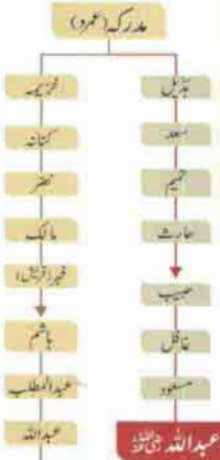
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مشرکین سے بچتے ہوئے اُس طرف آ نکلے جدھر میں بکریاں چرا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اے نوجوان! تمھارے پاس دودھ ہے تو ہمیں پلاؤ؟'' میں نے عرض کی: ''میں تو محض ایک چرواہا ہوں، مجھے دودھ دوہنے کا اختیار نہیں، یہ میرے پاس امانت ہے، اس لیے میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا۔'' نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو ابھی دودھ کی عمر کو نہ پہنچی ہو؟'' میں نے ریوڑ میں سے ایک بکری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردی۔ آپ نے اسے باندھا اور اس کے تھن چھو کر کوئی دعا پڑھی۔ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک گہرا پتھر لے آئے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اس میں دودھ دوہا۔ پہلے آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''پیو۔'' انھوں نے پیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے پینے کے لیے دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے خود نوش فرمایا، پھر تھنوں سے کہا: ''سکڑ جاؤ۔'' تو وہ تھن واپس پہلی حالت میں آ گئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''مجھے بھی یہ کلام سکھایئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایک باصلاحیت نوجوان ہو۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (بعد میں) بتایا: میں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآنِ کریم کی ستر سورتیں سیکھیں۔ اس میں کوئی مجھ سے آگے نہ بڑھ سکا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے علی الاعلان قرآن مجید پڑھنے کی سعادت بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوئی۔ اس کی پاداش میں قریش نے آپ پر بڑے ظلم وستم کیے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''تمھارے لیے (میرے گھر میں آنے کی) یہی اجازت ہے کہ پردہ اٹھا ہوا ہو اور تم میری گفتگو سنو حتی کہ میں تمھیں منع کر دوں۔''[2]

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی خدمت میں حاضر رہتے۔ آپ کو جوتے

[1] الطبقات لابن سعد: 151,150/3، أسد الغابة: 74/3. [2] صحیح مسلم: 2169.

پہناتے، جب آپ چلتے تو آپ کے آگے آگے چلتے۔ جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو آپ کے لیے پردے کا اہتمام کرتے۔ جب نبی اکرم ﷺ سو جاتے تو آپ کو بیدار کرتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ صاحب السّواد والسّواک، یعنی رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور صاحبِ مسواک کے لقب سے معروف تھے۔ [1] نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تلاوت بھی سنی تھی۔ [2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِقْرَأْ عَلَيَّ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! آقْرَأُ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «نَعَمْ! فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي» فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى أَتَيْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ۝﴾ (النسآء 41:4) قَالَ: «حَسْبُكَ الْآنَ» فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

”مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بھلا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں، حالانکہ قرآن تو آپ پر نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، میں پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے بھی قرآن سنوں۔“ چنانچہ میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب اس آیت تک پہنچا: ”پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔“ تو آپ نے فرمایا: ”اب بس کرو۔“ میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہیں۔“ [3]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے نہ صرف بہت اچھے قاری تھے بلکہ بہت بڑے مفسر بھی تھے۔ مسروق رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر آیت کی نسبت یہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اگر مجھے یہ علم ہو کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں اس کی خدمت میں ضرور پہنچوں گا، چاہے مجھے سواریاں بدل بدل کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شامل تھے، پھر مدینہ منورہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق

[1] أسد الغابة: 75,74/3. [2] مسند أحمد: 374/1. [3] صحيح البخاري: 4582 و 5050. [4] صحيح البخاري: 5002، صحيح مسلم: 2463,2462.

سمیت تمام معرکوں میں نبیِ اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ جنگ بدر میں جب معاذ اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو گرایا تھا تو ابوجہل کی گردن تن سے جدا کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے۔[1] آپ نے 32ھ/653ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، ایک قول کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کی تاریکی ہی میں بقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

سیدنا عیاش بن ابوربیعہ اور سیدہ اسماء بنت سلامہ رضی اللہ عنہما

سیدنا عیاش بن ابوربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر مخزومی رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء بنت مخربہ بن جندل بن اُبیر بنوتمیم سے تھیں۔ سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ کی شادی ان کی ماموں زاد اسماء بنت سلامہ بن مخربہ بن جندل تمیمیہ دارمیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسماء بنت سلامہ کے بجائے اسماء بنت سلمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی کنیت ام الجلاس تھی۔

دونوں میاں بیوی رسول اللہ ﷺ کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء بنت سلامہ (سلمہ) کے ساتھ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی، پھر آپ مکہ تشریف لے آئے۔ جب نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہجرت کے لیے نکلے تو عیاش رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شریک ہوگئے۔ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اختیار کی۔ ان کے پیچھے ان کے اخیافی بھائی ابوجہل اور حارث بن ہشام مدینہ آئے۔ وہ دونوں آپ کی واپسی کے درپے رہے حتی کہ انھیں مکہ واپس لے گئے، پھر انھیں باندھ کر قید کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ نے چھٹکارا پایا تو وہ دوبارہ مدینہ منورہ چلے آئے، پھر نبی ﷺ کی وفات تک مدینہ ہی میں رہے۔ اس کے بعد شام گئے اور جہاد کیا، واپس آئے تو تادمِ زیست مکہ ہی

[1] الطبقات لابن سعد: 151/3 و 152. [2] الطبقات لابن سعد: 160/3، أسد الغابة: 78/3.

میں رہے۔[1] ایک قول کے مطابق آپ جنگ یرموک 15ھ/636ء میں شہید ہوئے۔[2]

سیدنا خُنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

خُنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد (سُعَید[3]) بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی قرشی سہمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسرائے ایران کے پاس لے کر گئے تھے۔

سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ سابقون الاولون مسلمانوں میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینہ آگئے۔ بدر اور احد کے معرکوں میں بڑی جوانمردی سے لڑے۔ غزوۂ احد میں زخمی ہوگئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے شوہر آپ ہی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں اور ام المؤمنین بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔[4]

سیدنا حاطب بن حارث اور سیدہ فاطمہ بنت مُجَلّل رضی اللہ عنہما

حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جُمح قرشی جمحی[5] اور ان کی بیوی سیدہ فاطمہ بنت مجلل بن عبداللہ بن قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی رضی اللہ عنہما[6] کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جو بعثت کے بعد ابتدائی تین برسوں میں مسلمان ہوگئے تھے۔ کفار مکہ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بہت ستایا تو انھوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ اس سفر ہجرت میں ان کے بیٹے محمد بن حاطب اور حارث بن حاطب رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ تھے۔[7]

[1] الطبقات لابن سعد: 129/4 و 301/8، أسد الغابة: 211,210/5. [2] أسد الغابة: 434/3. [3] جوامع السیرة لابن حزم، ص: 48. [4] أسد الغابة: 130/2. [5] الإصابة: 6/2. [6] أسد الغابة: 372/5. [7] الطبقات لابن سعد: 272/8.

حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ حبشہ ہی میں فوت ہوگئے۔ ان کی بیوی اور بچے 7ھ/628ء میں دیگر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے۔[1] محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب (میرے باپ) حاطب رضی اللہ عنہ حبشہ میں وفات پا گئے تو میری والدہ مجھے واپس لے آئیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ میرا ایک ہاتھ آگ سے جل گیا تھا، میری والدہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہ محمد بن حاطب ہے۔ اس کا ہاتھ آگ سے جل گیا ہے۔''

محمد بن حاطب فرماتے ہیں: ''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ معلوم نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل کیا۔ مجھ پر دم کیا یا میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ آپ نے میرے اور میری اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔''[2] حضرت فاطمہ بنت مجلل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نہیں اٹھی جب تک محمد بن حاطب کا ہاتھ ٹھیک نہ ہوگیا۔''[3]

سیدنا حطاب بن حارث اور سیدہ فُکَیْہَہ بنت یسار رضی اللہ عنہما

حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ کے بھائی حطاب بن حارث قرشی جمحی[4] اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا کا شمار بھی سابقون الاولون صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ دونوں میاں بیوی نے کفار کی سفاکیوں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ میں شرکت کی[5] اور حبشہ کو اپنا وطن بنا لیا۔ ایک روایت کے مطابق حطاب رضی اللہ عنہ حبشہ کے راستے ہی میں وفات پا گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انھوں نے وہاں سے واپسی پر دورانِ سفر میں وفات پائی۔[6] سیدہ فکیہہ رضی اللہ عنہا بیوگی کی حالت میں غزوۂ خیبر کے سال دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ پہنچی تھیں۔

سیدنا معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب اور حطاب رضی اللہ عنہما کے بھائی معمر بن حارث رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔[7] انھوں نے بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن عفراء اور معمر بن حارث رضی اللہ عنہم میں بھائی چارہ قائم کیا۔[8] حضرت معمر، حاطب اور حطاب رضی اللہ عنہم کی والدہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن قُتَیلہ بنت مظعون تھیں۔[9]

---

[1] السيرة لابن إسحاق :256/1. [2] المعجم الكبير للطبراني :239/19. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم :467/2. [4] الإصابة: 84/2. [5] الطبقات لابن سعد :246/8. [6] الاستيعاب، ص :211. [7] السيرة لابن هشام :285/1. [8] الاستيعاب، ص : 687. [9] أسد الغابة :172/4.

سیدنا سَلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

حضرت سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبد وُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی رضی اللہ عنہ کا شمار انتہائی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی والدہ خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بنو عبس سے تھیں۔ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب لؤی پر پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے نسب نامے میں شامل ہو جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کے سفیر حضرت سہیل بن عمرو (رضی اللہ عنہ) ان کے بھائی تھے۔

سلیط رضی اللہ عنہ سابقون الاولون صحابۂ کرام اور اولین مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت علقمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ ہجرت کر گئے۔[1]

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آپ کو ہوذہ بن علی حنفی اور ثمامہ بن اثال حنفی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔[2] آپ معرکۂ بدر و احد میں شامل ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔[3] ایک روایت میں ہے کہ آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔[4]

سیدنا سَکران بن عمرو رضی اللہ عنہ

سکران بن عمرو بن عبد شمس رضی اللہ عنہ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ حُبّی بنت قیس بن ضُبیس بن ثعلبہ بنو خزاعہ سے تھیں۔ یہ ابتدائی عہد کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ انھوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ اس سفر ہجرت میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

[1] الطبقات لابن سعد: 203/4. [2] السيرة لابن هشام: 193/4. [3] الطبقات لابن سعد: 203/4. [4] الاستيعاب، ص: 333.
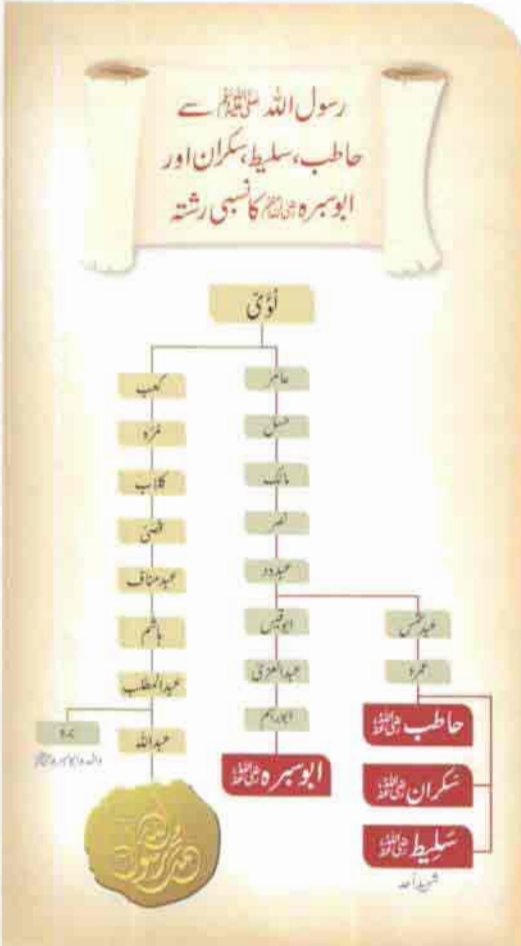
موسیٰ بن عقبہ اور ابومعشر نجیح سندھی فرماتے ہیں کہ سکران رضی اللہ عنہ سرزمین حبش ہی میں وفات پا گئے تھے جبکہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کے بقول سکران مکہ واپس آ گئے تھے اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ ہی میں فوت ہوئے تھے۔

سکران رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [1]

سیدنا عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، ان کی کنیت ابوحارث یا ابومعاویہ تھی۔ ان کا نسب تیسری پشت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ یہ میانہ قد اور گندمی رنگ کے انتہائی خوبصورت شخص تھے۔

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی ان خوش بخت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں اُس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارارقم کو مرکزِ تعلیم نہیں بنایا تھا۔ [2] آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور انھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ نے مدینہ کے راستے میں 63 برس کی عمر پا کر شہادت پائی۔ [3]

سیدنا مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ

سیدنا مسعود بن ربیع (ربیعہ) بن عمرو بن سعد بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمیر تھی۔ یہ بنوعبد مناف کے حلیف تھے۔ انھیں القاری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنوقارہ سے ہے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے دارارقم کو مرکز نہیں بنایا تھا کہ یہ اسلام لے آئے۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن ربیع اور عبید بن تیہان رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم فرمایا۔
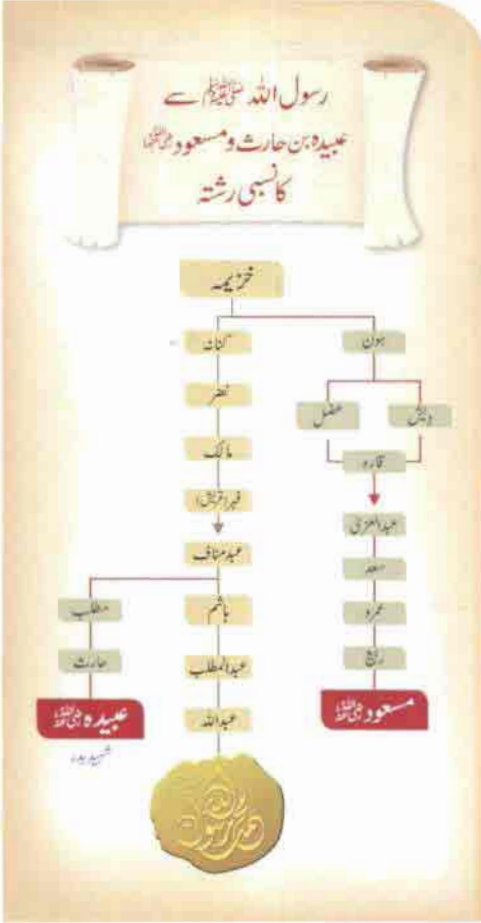
1 الطبقات لابن سعد: 204/4. 2 أسد الغابة: 193/3، الطبقات لابن سعد: 51/3. 3 الطبقات لابن سعد: 51/3، 52.

مسعود رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکہ ہائے کارزار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ 30ھ/650ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔[1]

سیدنا واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ

سیدنا واقد بن عبداللہ بن عبد مناۃ بن عزیز بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم رضی اللہ عنہ خطاب بن نفیل کے حلیف تھے۔ ان کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جو اولین فرزندانِ اسلام تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دعوت دین کے لیے دارِ ارقم کا انتخاب نہیں کیا تھا کہ یہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جب سیدنا واقد رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ سلسلۂ مواخات میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی قرار پائے۔ واقد رضی اللہ عنہ اس سریے میں بھی شریک تھے جس کی قیادت سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ نخلہ کی طرف بھیجا تھا۔ عمرو بن حضرمی کو انھی نے قتل کیا تھا اور یہود نے اس قتل پر بڑا شور مچایا تھا۔

واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں شریک رہے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوائل میں وفات پائی۔ ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔[2]

سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

ابتدائی مسلمانوں میں سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا نام بھی نمایاں ہے۔ ان کی والدہ کا نام حمامہ رضی اللہ عنہا تھا جو کہ

[1] الطبقات لابن سعد: 169,168/3، [2] الطبقات لابن سعد: 390/3.

البیضاء (لیبیا) کی مسجد بلال

بنوجمح میں سے کسی کی لونڈی تھیں۔ مشہور ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ نوبی تھے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جن سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔[2]

بلال رضی اللہ عنہ اُمیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ اُس نے ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ ہی میں پیدا ہوئے اور پیدائشی طور پر غلام تھے۔ یہ عبداللہ بن جدعان کے اُن سو غلاموں میں سے ایک تھے جو اُسی کی غلامی میں پیدا ہوئے۔ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو ان غلاموں کو اس ڈر سے شہر سے باہر منتقل کر دیا گیا مبادا یہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں، تاہم بلال رضی اللہ عنہ کو بکریاں چرانے کے لیے مکہ ہی میں روک لیا گیا، پھر وہی ہوا جس کا اُنھیں ڈر تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پہلے تو انھوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا لیکن بعد ازاں وہ اپنے جوش ایمانی کے آگے زیادہ دیر تک ضبط کا بند نہ باندھ سکے۔ ایک مرتبہ بلال رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کے پاس نصب شدہ ایک بت پر گندگی پھینک دی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اُس پر تھوک دیا اور کہا: ''تمھاری عبادت کرنے والا ناکام و نامراد ہو۔'' قریش کو اس بات کی خبر مل گئی۔ وہ فوراً عبداللہ بن جدعان کے پاس گئے، کہنے لگے: ''کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟'' وہ بولا: ''تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' اُنھوں نے بتایا: ''تمھارے سیاہ غلام نے اس طرح کی حرکت کی ہے۔'' عبداللہ بن جدعان نے اُنھیں سو اونٹ دیے کہ انھیں بتوں کے نام پر ذبح کر دو۔ اس کے علاوہ ابن جدعان نے انھیں بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد کرنے کا بھی اختیار دے دیا۔ ممکن ہے ابن جدعان نے بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کی ملکیت میں دے دیا ہو۔[3]

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ بنوجمح بن عمرو کی ایک لڑکی کے غلام تھے۔[4]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف جمحی سے 280 درہم کے عوض خرید کر آزاد کیا تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا۔ آپ دراز قد اور دبلے پتلے تھے۔ آپ کے گالوں پر گوشت بہت کم تھا اور بال انتہائی گھنے تھے۔[5]

---

[1] فتح الباري : 126/7، جوامع السيرة لابن حزم، ص : 45. [2] مسند أحمد: 404/1، المستدرك للحاكم: 349/3، حديث: 5487، صحيح ابن حبان: 558/15، حديث: 7083، دلائل النبوة للبيهقي: 170/2. [3] أنساب الأشراف: 209/1، الكامل لابن الأثير: 589,588، السيرة الحلبية: 479,478/1، السيرة لابن هشام: 318/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 128. [4] المنتظم: 373/2. [5] الطبقات لابن سعد: 232/3، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 118.

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بڑے خوش الحان اور فصیح البیان شخص تھے۔ یہ بات غلط اور بے بنیاد ہے کہ وہ ''شین'' کا لفظ ادا کرنے سے معذور تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بلال کی ''سین'' اللہ کے ہاں ''شین'' ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ روایت بالکل غلط، بے بنیاد (اور من گھڑت) ہے۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابورُویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔[2]

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ آپ نے 20ھ/641ء میں دمشق میں وفات پائی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دمشق کے قبرستان کے چھوٹے دروازے کے پاس دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 60 برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے مؤذن اور بیت المال کے خزانچی تھے۔[3]

سیدنا عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ یہ طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ کے غلام تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ابتدائی ایام ہی میں انھیں دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر دیگر کمزور مسلمانوں کی طرح انھیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا اور انھیں بطور منیحہ (تحفہ) کچھ بکریاں بھی دیں۔

منیحہ یا منحہ ایسے عطیے کو کہتے ہیں جس میں عطیہ لینے والا عطیے سے پوری طرح مستفید تو ہوسکتا ہے لیکن اس کا مالک نہیں ہوتا۔ امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِنْحَةُ اللَّبَنِ: أَنْ يُّعْطِيَهُ نَاقَةً أَوْ شَاةً، يَنْتَفِعُ بِلَبَنِهَا وَ يُعِيدُهَا

''دودھ کے عطیے سے مراد یہ ہے کہ کسی کو اونٹنی یا بکری دے دی جائے تا کہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائے اور پھر اسے واپس کر دے۔''[4]

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ

[1] البداية والنهاية :289/5، المقاصد الحسنة للسخاوي، ص :294. [2] السيرة لابن هشام :507,506/2، الطبقات لابن سعد:234,233/3. [3] الطبقات لابن سعد:234/3-239، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص : 118. [4] تفسير غريب ما في الصحيحين : 181/7.

اور آپ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے بدر اور احد میں شرکت کی اور چالیس برس کی عمر میں 4ھ/625ء میں بئر معونہ کے معرکے میں شہادت پائی۔[1]

سیدنا عاقل، خالد، ایاس اور عامر رضی اللہ عنہم

سیدنا عاقل، سیدنا عامر، سیدنا ایاس اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہم ابوبکیر بن عبدیالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبدمنات بن کنانہ کے بیٹے تھے۔ یہ چاروں بھائی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دارِ ارقم میں پوشیدہ طور پر دین حنیف کی تعلیم دینی شروع کی تو سب سے پہلے ان چاروں بھائیوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم ﷺ کی بیعت کی۔

ان کے والد ابوبکیر نے زمانۂ جاہلیت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے جد امجد نفیل بن عبدالعزیٰ کے ساتھ حلف اٹھایا تھا۔ اس معاہدے کی بنا پر ابوبکیر اپنی اولاد سمیت بنو نفیل کے حلیف تھے۔ عاقل، خالد، عامر اور ایاس رضی اللہ عنہم نے اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ عاقل رضی اللہ عنہ کا نام اسلام لانے سے پہلے غافل تھا۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے آپ کا نام تبدیل کر کے عاقل رکھ دیا۔

سلسلۂ مواخات میں رسول اکرم ﷺ نے عاقل اور سیدنا مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم فرمایا۔ بعد ازاں یہ دونوں جلیل القدر صحابہ بدر کے میدان میں شہید ہوگئے۔ ایک قول کے مطابق بھائی چارہ عاقل بن ابوبکیر اور مجذر بن زیاد کے مابین قائم ہوا تھا۔ عاقل رضی اللہ عنہ بدر کے معرکے میں 34 سال کی عمر میں
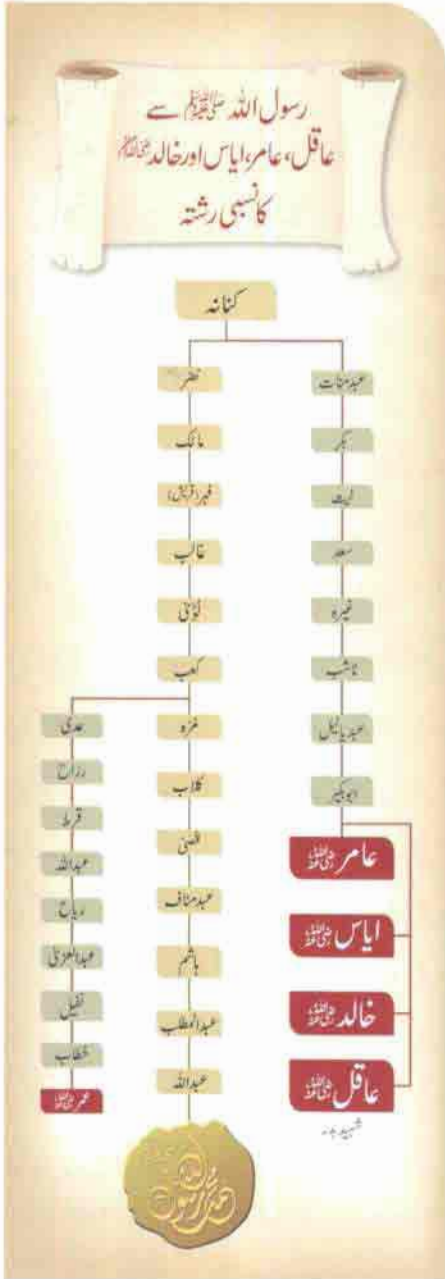
[1] الطبقات لابن سعد: 3/230-234.

شہید ہوئے۔[1]

نبی ﷺ نے خالد بن ابوبکیر اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ وہ صفر 4 ھ/625ء میں 34 سال کی عمر پا کر سریۃ الرجیع میں شہید ہوئے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ دردناک اشعار انھی کے لیے کہے تھے:

أَلَا لَيْتَنِي فِيهَا شَهِدْتُ ابْنَ طَارِقٍ وَزَيْدًا، وَمَا تُغْنِي الْأَمَانِي، وَمَرْثَدَا

فَدَافَعْتُ عَنْ حِبِّي خُبَيْبٍ وَّ عَاصِمٍ وَكَانَ شِفَاءً لَوْ تَدَارَكْتُ خَالِدَا

''کاش! میں بھی اس معرکے میں ابن طارق، زید اور مرثد کے ساتھ ہوتا، لیکن محض خواہشات کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ (اگر ایسا ہوسکتا) تو میں اپنے پیاروں خبیب اور عاصم کا دفاع کرتا اور اگر میں خالد (بن ابوبکیر) کو پالیتا تو میرے غموں کا مداوا ہو جاتا۔''[2]

سیدنا ایاس بن ابوبکیر کو حارث بن خزمہ (خزیمہ) رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا گیا۔ ایاس رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔[3]

سیدنا عامر بن ابوبکیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ عامر رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت ہر میدانِ کارزار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔[4]

سیدنا یاسر بن عامر اور سیدہ سُمَیّہ بنت خُبّاط رضی اللہ عنہما

حضرت یاسر بن عامر عَنسی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر اکبر بن یام بن عنس بن مالک بن ادد بن زید بن یشجب۔[5] آپ بنو مخزوم کے حلیف تھے۔ آپ یمن سے آئے اور ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بن گئے۔ ابوحذیفہ نے اپنی لونڈی سُمَیّہ سے ان کی شادی کر دی۔ جب ان کے بیٹے عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے سمیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔

یہ دونوں میاں بیوی بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔[6] یاسر رضی اللہ عنہ کے مکہ آنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ آ نکلے۔ باقی دو بھائی تو واپس چلے گئے لیکن یاسر مکہ ہی میں رہ گئے۔[7]

[1] الطبقات لابن سعد: 388/3. [2] الطبقات لابن سعد: 389/3. [3] الطبقات لابن سعد: 389/3. [4] الطبقات لابن سعد: 390,389/3. [5] الطبقات لابن سعد: 136/4، أسد الغابة: 308/3. [6] أسد الغابة: 325/4. [7] الطبقات لابن سعد: 136/4، أسد الغابة: 309/3.

حضرت سمیہ بنت خباط (خیاط) رضی اللہ عنہا کو ہجرت سے پہلے ہی ابوجہل نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔ آپ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون تھیں۔ [1]

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دار ارقم پہنچ کر مسلمان ہوئے۔ صہیب رومی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم دونوں نے بیک وقت اسلام قبول کیا۔ عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے دار ارقم کے دروازے پر ملا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا: ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ بولے: ''پہلے آپ بتائیں کہ آپ کیوں آئے ہیں؟'' میں نے بتا دیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ کا کلام سننے آیا ہوں۔ صہیب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میں بھی اسی مقصد کے لیے آیا ہوں۔'' ہم دونوں اندر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، ہم اُسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اُس وقت تک تقریباً تیس افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ [2]

معروف تابعی مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ان سات حضرات نے اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، بلال، خباب، صہیب، عمار اور اُن کی والدہ محترمہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عمار بن یاسر کے درمیان کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ میں نے اُنھیں خاصی سخت باتیں کہہ دیں۔ عمار شکایت لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی اپنی تلخ کلامی جاری رکھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ عمار نے رونا شروع کر دیا اور کہا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ خالد کیسا طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا:

«مَنْ عَادٰی عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ، وَمَنْ أَبْغَضَ عَمَّارًا أَبْغَضَهُ اللّٰهُ»

''جس نے عمار سے دشمنی رکھی، اللہ تعالیٰ اُس سے دشمنی رکھے۔ جس نے عمار سے بغض رکھا، اللہ تعالیٰ اُس سے بغض رکھے۔''

سیدنا خالد کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر آیا تو مجھے عمار کی رضامندی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی، پھر میں عمار رضی اللہ عنہ سے ملا تو وہ راضی ہو گئے۔ [4]

---

1 المصنف لابن أبي شيبة: 30/9، أسد الغابة: 315/5، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 54. 2 أسد الغابة: 309/3.
3 المصنف لابن أبي شيبة: 337/7، أسد الغابة: 309/3. 4 مسند أحمد: 89/4.

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[1] علامہ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

«اِئْذَنُوا لَهُ، مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ»

''انھیں اجازت دے دو۔ خوش آمدید اے پاکیزہ، مہکتے ہوئے انسان!''[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَرْشَدَهُمَا»

''عمار کو جب بھی دو معاملوں میں اختیار دیا گیا، اُنھوں نے دونوں میں سے زیادہ ہدایت والا معاملہ ہی اختیار کیا۔''[3]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا تھا۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بدر اور احد سمیت تمام معرکوں میں شریک رہے۔ آپ 37ھ/657ء میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 94 برس تھی۔[4]

سیدنا صُہیب رومی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ عربی الاصل تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: صہیب

1 صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 557,556/15، حديث: 7081. 2 جامع الترمذي: 3798. 3 جامع الترمذي: 3799.
4 الطبقات لابن سعد: 3/250-264.

دریائے دجلہ اور شہر موصل

صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا اغوا اور مکہ آمد
شام سے اغوا
روم سے مکہ تک سفر
اناطولیہ
(الروم)
بحیرۂ روم
(البحر المتوسط)
قبرص
حلب
شام
دمشق
اردن
القدس
(یروشلم)
صحرائے شام
صحرائے نفود
حران
رقہ
نصیبین
نینوی
موصل
الجزیرہ
عراق
دریائے فرات
دریائے دجلہ
دریائے کارون
بابل
سواد
اُور
اُبلہ
ایران (فارس)
طبرستان
بحیرۂ قزوین (خزر یا کیسپین)
جھیل وان
جھیل اُرمیہ
خلیج عربی (خلیج فارس)
الاحساء (بحرین)
جزیرہ نمائے عرب
نجد
حجاز
مدینہ منورہ
(یثرب)
مکہ مکرمہ
جدہ
عقبہ
اَیلہ
سیناء
مدین
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
ممفس (منف)
فیوم
مصر
مغربی صحرا
مشرقی صحرا
صحرائے اعظم
(الصحارٰی)
جھیل ناصر
صحرائے نوبیہ
براعظم افریقہ
سوڈان
1000 800 600 400 200 0
کلومیٹر

بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس منات بن نمر بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دُعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔ ان کا خاندان دجلہ کے کنارے موصل کے پاس رہتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الجزیرہ کے علاقے میں فرات کے کنارے رہتے تھے۔

صہیب رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ رومیوں نے ان کے علاقے پر حملہ کر دیا اور انھیں پکڑ کر لے گئے۔ یوں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ انھی کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ اسی لیے انھیں عربی بولنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ بنوکلب انھیں خرید کر مکہ لے آئے۔

عبداللہ بن جُدعان نے انھیں بنوکلب سے خرید کر آزاد کر دیا، تاہم سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جُدعان کی زندگی میں اُسی کے ساتھ مقیم رہے۔[1] سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کا رنگ انتہائی سرخ اور قد درمیانہ تھا۔ ان کے بال انتہائی گھنے تھے، وہ بالوں کو مہندی لگایا کرتے تھے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ”آپ نے اپنی کنیت ابویحییٰ کیوں رکھی ہے، حالانکہ آپ کی تو کوئی اولاد ہی نہیں۔“ صہیب رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”مجھے یہ کنیت رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔“

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو سلسلۂ مواخات میں نبی ﷺ نے حارث بن صِمہ رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے شوال 38ھ/659ء میں 70 برس کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

یہ سعد بن ابی وقاص مالک بن اہیب رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن

[1] الطبقات لابن سعد: 226/3، أسد الغابة: 461/2. [2] الطبقات لابن سعد: 3/226-230.

عبد شمس تھیں۔ [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے معرکے میں جانے سے پہلے میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ نہ لیں اور مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس نہ بھیج دیں جبکہ میں اس لشکر میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دے۔

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے کم سن سمجھتے ہوئے فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ۔ عمیر رونے لگا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی، پھر وہ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے اور اسی غزوے میں عین عنفوانِ شباب، یعنی 16 سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ [2]

سیدنا خباب بن اَرَت رضی اللہ عنہ

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خباب بن ارت بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ عربی الاصل تھے اور بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ انھیں بعض افراد نے اغوا کر کے مکہ میں فروخت کر دیا۔ ام انمار خزاعیہ نے انھیں خرید لیا اور آہن گری کے کام پر لگا دیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نسب کے لحاظ سے تمیمی اور ولاء [3] کے اعتبار سے خزاعی ہیں۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں سے ہیں۔ آپ ان سات عظیم افراد میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں سیدنا جبیر بن عتیک رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔

[1] أسد الغابة: 420/3. [2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 394/1. [3] ولاء: آزاد کرنے والے مالک اور آزاد کیے جانے والے غلام کے درمیان نسبی تعلق اور حکمی قرابت کو ولاء کہا جاتا ہے۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 509)
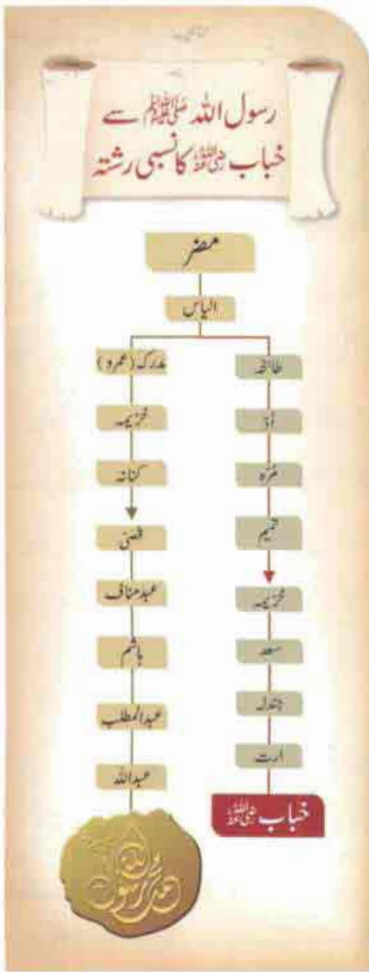
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ 37ھ/657ء میں جنگ صفین کے لیے نکلے تو اس وقت حضرت خباب رضی اللہ عنہ کوفہ ہی میں تھے۔ وہ اسی دوران شدید بیماری کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہوگئے اور انھیں ان کی وصیت کے مطابق کوفہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے پہلے شخص تھے جنھیں سرزمین کوفہ میں دفن کیا گیا۔[1] آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتیس (32) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔[2]

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عمرو بن عبسہ بن خالد بن حذیفہ بن عمرو بن خلف بن مازن بن مالک بن ثعلبہ بن بُہثہ بن سلیم سلمی۔ آپ کی کنیت ابونجیح تھی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا نسبی رشتہ

مضر
عیلان ← قیس ← خصفہ ← عکرمہ ← حذیفہ ← خالد ← عبسہ ← عمرو رضی اللہ عنہ
الیاس ← مدرکہ (عمرو) ← خزیمہ ← عبد مناف ← ہاشم ← عبدالمطلب ← عبداللہ ← محمد رسول اللہ
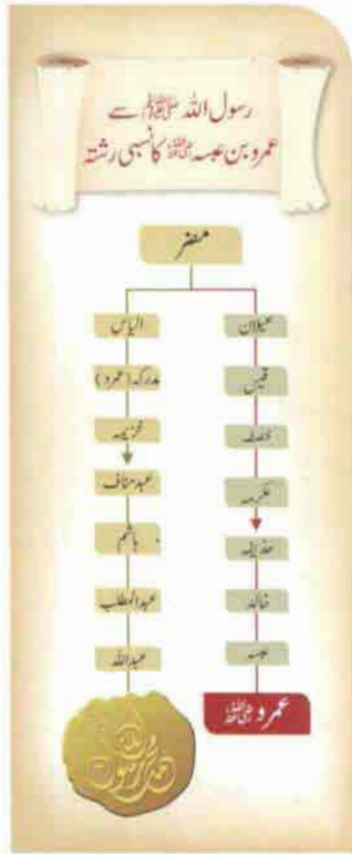
عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: زمانۂ جاہلیت ہی میں میرا خیال تھا کہ لوگ گمراہی پر ہیں کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اچانک ایک دن میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص آسمان کی خبریں دیتا ہے۔ میں فوراً اپنی سواری پر بیٹھا اور مکہ جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ انداز میں تبلیغ کر رہے تھے۔ اُن کی قوم کا تشدد جاری تھا۔ میں نے بڑی حکمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کیا ہیں؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نبی۔'' میں نے پوچھا: ''نبی کیا ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کس امر کے لیے بھیجا ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ وَأَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ»

''اللہ نے مجھے صلہ رحمی کرنے، بتوں کو توڑنے اور اس پیغام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔''

---

[1] الطبقات لابن سعد: 3/164-167، أسد الغابة: 2/102- 105. [2] أسماء الصحابة الرواة وما لكل واحد من العدد لابن حزم: 281. [3] الطبقات لابن سعد: 4/214.

میں نے پوچھا: ''اس معاملے میں آپ کے ساتھ اور کون کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''آزاد بھی ہیں اور غلام بھی۔'' اُس وقت ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے عرض کی: ''میں آپ کی پیروی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موجودہ حالات میں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ اپنے لوگوں کے پاس (واپس) جاؤ۔ جب ہمارے غلبے کی اطلاع ملے تو پھر چلے آنا۔'' [1]

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمانِ نبوی

یہاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''ان حالات میں تم ایسے نہیں کر سکتے''...... الخ۔ یہ ارشاد گرامی وضاحت طلب ہے۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بَابُ إِسْلَامِ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ أسد الغابة میں یہ تصریحی الفاظ موجود ہیں: میں نے کہا: ''ہاتھ آگے بڑھائیے، میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھایا تو میں نے اسلام کی بیعت کر لی۔ [2]

مزید برآں مسند احمد میں اس کی تفصیل اس طرح ہے: میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ قیام کرنا چاہتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اس وقت ہمارے ساتھ آپ کا قیام مناسب) نہیں، آپ اپنی قوم ہی کے ساتھ رہیں۔ جب ہمارے غلبے کی خبر سنیں تو پھر آجائیں۔'' میں اپنی قوم کے پاس چلا گیا اور عرصۂ دراز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی خبر کا منتظر رہا یہاں تک کہ یثرب کے کچھ لوگ آئے۔ میں نے اُن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ میں نے رختِ سفر باندھا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، تم مکہ میں ہمارے پاس آئے تھے۔'' [3]

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ آنے سے پہلے بدر، اُحد اور خندق کی جنگیں ہو چکی تھیں۔ انھوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بعد ازاں شام منتقل ہو گئے۔ [4] آپ اڑتالیس (48) احادیث کے راوی ہیں۔ [5]

سیدنا نُعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: نعیم بن عبداللہ

[1] صحيح مسلم: 832. [2] أسد الغابة: 389/3. [3] مسند أحمد: 112/4. [4] أسد الغابة: 389/3. [5] أسماء الصحابة الرواة: 281.

بن اسید بن عبدعوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ آپ کی والدہ ابوحرب بن خلف بن صداد بن عبداللہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ابتدائی عہد کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ یہ دس افراد کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ انھیں نحام (زیادہ کھانسنے والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے نعیم کے کھانسنے کی آواز سنی۔'' رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہی اُن کی عرفیت کا ذریعہ بن گیا۔ انھیں نحام کہا جانے لگا۔ ان کے مجد و شرف کی بنا پر مشرکین انھیں تکلیفیں دینے سے باز رہے۔ جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انھوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کر لیا لیکن ان کا قبیلہ آڑے آ گیا، انھوں نے کہا: ''آپ جو دین اپنانا چاہتے ہیں، اپنا لیجیے لیکن ہمارے پاس رہیے۔'' اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نہایت سخی تھے۔ آپ اپنی قوم بنوعدی کے فقراء، یتیموں اور بیواؤں کے اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔
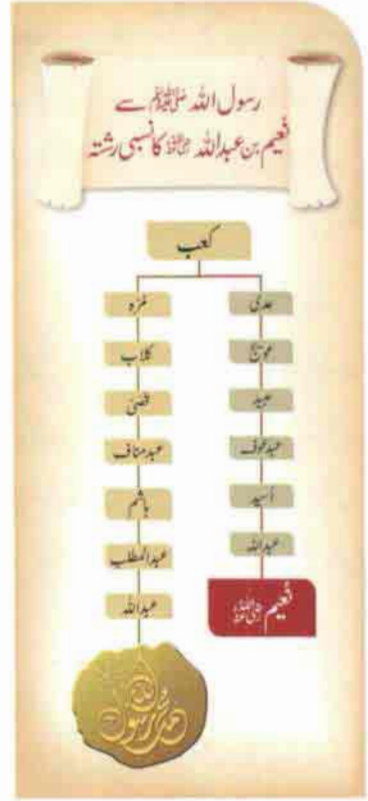
سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ والے سال ہجرت کی اور نبی ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے۔ بعدازاں آپ نے مشرکین و کفار کے خلاف تمام معرکوں میں شرکت کی۔ آپ جنگ یرموک 15ھ/636ء میں شہید ہوئے۔ [1]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت ابی بکر صدیق بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ آپ کی والدہ قُتَیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد تھیں۔ ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کا نام بھی شامل ہے۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ اسماء رضی اللہ عنہا سترہ افراد کے بعد مسلمان ہوئیں۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی شادی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدہ اسماء سے پیدا ہونے والے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مہاجرین مکہ کے پہلے مولود تھے۔ ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے

[1] الطبقات لابن سعد: 4/139,138.

نہایت مستعدی سے رسالت مآب ﷺ اور اپنے والد گرامی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زادِ سفر تیار کیا، پھر اپنے لباس کی ڈوری کے دو حصے کیے اور زادِراہ والے تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں ذات النطاقین کا خطاب دیا۔ آپ کو اٹھاون (58) احادیث مبارکہ روایت کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ [1]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کے چند دن بعد اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما 17 جمادی الاولیٰ 73ھ/18 ستمبر 692ء کو شہید کیے گئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ سے
اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کا نسبی رشتہ

عدنان
معد
نزار | انمار
مضر | خثعم
الیاس | تیم
ہاشم | حارث
عبدالمطلب | معد
عبداللہ | عمیس
محمد رسول اللہ | اسماء رضی اللہ عنہا

سیدہ اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا قبیلہ خثعم [3] سے تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت عُمیس بن مَعَد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قُحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشر بن وہب اللہ بن شہران بن عِفرس بن خلف بن اَفتل (خثعم)۔ آپ کی والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث کنانیہ تھا۔ [4] چونکہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہند بنت عوف کی بیٹیاں تھیں، اس لحاظ سے یہ دونوں اخیافی بہنیں تھیں۔ [5]

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئی تھیں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ ان کی شادی حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک وہیں مقیم رہیں۔ وہاں سیدنا جعفر کے تین بیٹے عبداللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ 7ھ/628ء میں خیبر والے سال آپ بھی مدینہ چلی آئیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ پوچھا:

[1] أسماء الصحابة الرواة لابن حزم: 279. [2] الطبقات لابن سعد: 8/249-255، أسد الغابة: 5/209. [3] یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو خثعمی کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق خثعم اس اونٹ کا نام تھا جسے لوگوں نے نحر کیا اور اپنے ہاتھ اس کے خون میں ڈال کر آپس میں عہد باندھا تو انھیں خثعم کہا جانے لگا۔ (معجم ما استعجم: 2/489) [4] أسد الغابة: 5/212,213.
[5] جامع المسانيد والسنن: 15/248.

''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: اسماء۔ بولے: اَلْحَبَشِيَّةُ هٰذِهٖ، اَلْبَحْرِيَّةُ هٰذِهٖ؟ ''وہی حبش والی، وہی سمندر والی؟'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''ہمیں آپ پر فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ ہم نے ہجرت میں آپ سے سبقت کی ہے۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے بھوکوں کو کھلاتے تھے، تمھارے جاہلوں کو پڑھاتے تھے، ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے بہت دور دراز مقام پر پڑے رہے۔ اللہ کی قسم! میں کھاؤں گی نہ پیوں گی حتی کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دوں۔'' وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا: ''لوگوں کے لیے ایک ہجرت ہے اور تمھارے لیے دو ہجرتیں ہیں۔'' [1]

8ھ/630ء میں غزوۂ مؤتہ میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ (تقریباً 6 مہینے بعد شوال 8ھ/630ء میں) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ [2] حجۃ الوداع کے موقع پر سیدہ اسماء کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ [3] 13ھ/634ء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ ان کے بطن سے حضرت علی کا بیٹا یحییٰ پیدا ہوا۔ [4] 40ھ/661ء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ بعدازاں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساٹھ (60) احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ [5]

سیدہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا

ان کا نام برکہ، کنیت ام ایمن اور ام الظباء ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان رضی اللہ عنہا۔

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق حبشہ سے تھا۔ یہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ گرامی جناب عبداللہ کی لونڈی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہیں۔ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد انھوں نے خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ فدویت و خدمت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ امِ ایمن ہی نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت کی۔

[1] صحيح البخاري: 4230، سير أعلام النبلاء: 283/2. [2] الإصابة: 15/8. [3] صحيح مسلم: 1209. [4] جامع المسانيد والسنن: 248/15. [5] أسماء الصحابة الرواة: 279.

نبی کریم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ام ایمن رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور بنو حارث بن خزرج سے تعلق رکھنے والے عبید بن یزید سے ان کی شادی کر دی۔ ان کے بطن سے ایمن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو غزوۂ حنین میں شہید ہو گئے۔ عبید بن یزید خزرجی کے بعد نبی ﷺ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما انھی کے صاحبزادے تھے۔ [1]

ام ایمن نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں سے واپس آئیں اور غزوۂ احد میں شرکت کی۔ اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ [2] حافظ ابن حزم نے ان کا شمار ان صحابیات میں کیا ہے جن سے پانچ پانچ احادیث مروی ہیں۔ [3]

سیدہ لُبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

سیدہ لبابہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: لبابہ بنت حارث بن حزن بن بُجَیر بن ہُرم بن رُویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ ان کی کنیت ام الفضل تھی۔ یہ اپنی کنیت ہی سے زیادہ معروف تھیں۔ ان کی شادی رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ گھریلو تعلق کی وجہ سے یہ دیگر خواتین کی نسبت نبی کریم ﷺ کو زیادہ جانتی تھیں۔ اسی لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون یہی تھیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہن میمونہ بنت حارث سے شادی کر لی۔

ان کی والدہ ہند بنت عوف بن حارث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جیسے عظیم داماد انھیں ملے ویسے عظیم داماد کسی اور خاتون کو میسر نہیں آئے۔ ان کے دامادوں میں نبی کریم ﷺ، عباس، جعفر، ابوبکر صدیق، علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ [4]

1 الطبقات لابن سعد: 223/8۔ 2 الطبقات لابن سعد: 8/223-226، الإصابة: 361/8، أسد الغابة: 424/5۔ 3 أسماء الصحابة الرواة: 289۔ 4 أسد الغابة: 389/5۔

سیدہ زِنّیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا قریش کے خاندان بنومخزوم کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے ہی میں اسلام کی دولت سے بہرہ یاب ہوئیں اور اسی پاداش میں مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئیں۔ ابوجہل ان پر نت نئے ظلم ڈھاتا تھا۔ یہ ان سات افراد میں سے ایک ہیں جنھیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔

سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں تو نابینا ہوگئیں۔ مشرکین نے اس واقعے کو بہت اُچھالا اور زنیرہ رضی اللہ عنہا کو طعنہ دیا کہ اُس نے لات وعزّیٰ سے کفر کیا ہے، اسی لیے انھوں نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''لات وعزیٰ کیا جانیں کہ انھیں کون پوج رہا ہے؟ یقیناً یہ مصیبت آسمان (اللہ ہی کی طرف) سے آئی ہے۔ میرا رب میری بینائی لوٹانے پر قادر ہے۔'' چنانچہ اگلے دن جب وہ بیدار ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی ٹھیک کر دی۔ اس پر مشرکین نے کہا: ''اس کی بینائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کی وجہ سے ٹھیک ہوئی ہے۔''[1]

سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا بنوعبدالدار کی ایک عورت کی لونڈی تھیں۔ یہ بھی بعثت کے ابتدائی ایام ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ ان کی مالکہ انھیں سخت تکلیفیں پہنچاتی اور کہتی: ''اللہ کی قسم! میں تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک تجھے وہ شخص آزاد نہ کرائے جو تیرے ساتھ بے دین ہوا ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ جس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں آزاد کیا، اس دن نہدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی مالکہ کا پِسا ہوا غلہ تھا، انھوں نے وہ غلہ اسے واپس کر دیا۔[2]

سیدہ اُمِّ عُبَیس رضی اللہ عنہا

آپ بھی دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں مکہ کا مشہور مشرک اسود بن عبدیغوث انھیں سخت سزائیں دیتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدہ ام عبیس رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''کیا مشرکین مسلمانوں کو اس قدر سزائیں دیتے تھے جو ان کے ترکِ دین کا عذر بن جاتی تھیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہاں! بلاشبہ وہ اسلام قبول کرنے والے کو شدید تکلیفیں دیتے تھے اور اس قدر پٹائی کرتے تھے کہ اس میں اُٹھنے بیٹھنے کی سکت بھی نہیں رہتی تھی۔ مجبوراً وہ مسلمان ان تکلیفوں

[1] أسد الغابة: 293,292/5. [2] أنساب الأشراف: 222/1.

کی تاب نہ لاتے ہوئے بادلِ ناخواستہ وہی بات کہہ دیتا تھا جو تشدد کرنے والے مشرکین کہلوانا چاہتے تھے۔" مشرک اس سے کہتے: "کیا لات اور عزیٰ اللہ کے سوا تیرے معبود ہیں؟" وہ کہتا: "ہاں!" پھر جب وہ ہوش میں آتا تو پھر توحید کی طرف پلٹ آتا تھا۔[1]

علامہ بلاذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام عبیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کی لونڈی تھیں مگر زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ام عبیس رضی اللہ عنہا بنو تیم بن مرہ کی لونڈی تھیں۔[2] ان کا شوہر کریز بن ربیعہ قرشی عبشمی تھا جس سے ان کا بیٹا عبیس پیدا ہوا۔ ام عبیس رضی اللہ عنہا کی کنیت اپنے اسی بیٹے کے نام پر ہے۔[3]

قریش کو تبلیغِ اسلام کی اجمالی خبر

مسلمانوں نے دینِ حنیف کی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ پوری طرح صیغۂ راز میں رکھا۔ قریش کو اس معاملے کی موہوم سی خبر تو تھی لیکن انھوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔

محمد غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے بارے میں اُڑتی اُڑتی خبریں قریش کو پہنچ چکی تھیں لیکن اُنھوں نے انھیں کوئی اہمیت نہ دی۔ غالباً انھوں نے محمد ﷺ کو بھی اسی طرح کی دینی شخصیت سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرتے تھے جیسا کہ اُمیہ بن صلت، قُس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نُفَیل سے اس نوع کی باتیں منقول ہیں، البتہ قریش نے آپ کی خبر اور اثر کا دائرہ پھیلتا دیکھ کر کچھ اندیشے ضرور محسوس کیے، پھر ان کی نگاہیں رفتارِ زمانہ کے ساتھ آپ کے انجام اور آپ کی تعلیمات پر رہنے لگیں۔[4]

جنوں کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جن اپنی اصل کے اعتبار سے انسان کی نظر سے پوشیدہ مخلوق ہیں۔ ہر چند انھیں مختلف شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونے کی قدرت بھی حاصل ہے۔ انسانوں کی طرح یہ بھی شرعی احکام کے مکلّف ہیں۔ جنات مختلف مواقع پر نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ قرآن مجید میں اُن کی آمد کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا

[1] أنساب الأشراف:223,222/1. [2] أنساب الأشراف:222/1، الاستيعاب، ص:935. [3] الإصابة:434/8. [4] فقه السيرة للغزالي، ص:103.

بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَا أَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءُ ۭ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○﴾

''اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''[1]

علقمہ بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو اسلام کی دعوت دینے گئے تھے، کیا صحابہ میں سے کوئی اُن کے ساتھ تھا؟''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائے بغیر چلے گئے۔ ہم نے اُنھیں وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہمیں خدشہ تھا کہیں کسی نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ فکر و اندیشے کی وجہ سے ہم نے انتہائی کرب میں رات گزاری۔ صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء کی جانب سے تشریف لاتے نظر آئے۔ ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ کہیں نہیں ملے۔ آپ کی نایابی کی وجہ سے ہم نے انتہائی کرب میں رات بسر کی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس جنوں کا ایک نمائندہ آیا تھا۔ میں اُس کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے انھیں قرآن سنایا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ چلو۔'' بعد ازاں آپ نے ہمیں جنات اور اُن کی آگ کے آثار دکھائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ جنوں نے مجھ سے اپنی غذا کے متعلق پوچھا۔ میں نے اُنھیں بتایا کہ ''تمھارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، تمھارے ہاتھ لگتے ہی اس پر پورا گوشت ہوگا اور ہر مینگنی (یا گوبر) تمھارے چوپاؤں کی خوراک ہے۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاکید فرمائی:

«فَلَا تَسْتَنْجُوا بِهِمَا فَإِنَّهُمَا طَعَامُ إِخْوَانِكُمْ»

''ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمھارے بھائیوں (جنات اور ان کے جانوروں) کی خوراک ہے۔''[2]

[1] الأحقاف 46:29-32. [2] صحيح مسلم :450.

ایک روایت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کا بھی ذکر ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: ''تم میں سے جو جنات کے معاملات کا مشاہدہ کرنا چاہے، وہ آج رات میرے ساتھ چلے۔'' میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ ہم چلتے چلتے جب مکہ کے بالائی علاقے میں پہنچے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے ایک خط کھینچا اور مجھے حکم دیا کہ تم یہیں بیٹھو، پھر آپ آگے چلتے گئے۔ ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ اُس وقت میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بے شمار پرچھائیاں حائل ہوگئیں حتی کہ مجھ تک آپ کی آواز بھی آنی بند ہوگئی۔ پھر وہ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح وہاں سے روانہ ہونے لگے یہاں تک کہ صرف ایک جماعت باقی رہ گئی۔ یہ سلسلہ صبح تک چلتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے چلے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو مجھ سے جنوں کی جماعت کے بارے میں دریافت فرمایا۔ میں نے بتایا کہ وہ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی اور گوبر کو اُن کے لیے خوراک قرار دیا، پھر ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمائی۔[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قضائے حاجت اور وضو کے واسطے پانی لے کر جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں اسی مقصد کے لیے آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ''ابوہریرہ۔'' آپ نے فرمایا: ''استنجے کے لیے پتھر لاؤ، ہڈی اور گوبر نہ لانا۔'' میں نے پتھر لا کر آپ کے پاس ایک جانب رکھ دیے، پھر میں وہاں سے ہٹ گیا۔ جب آپ فراغت پا کر تشریف لائے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے میں نے آپ سے پوچھا: ''ہڈی اور گوبر کا کیا معاملہ ہے؟'' نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ جنوں کی خوراک ہے۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا، یہ انتہائی اچھے جن تھے، اُنھوں نے مجھ سے زادِ راہ کا سوال کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس ہڈی یا گوبر کے پاس سے گزریں، اُس میں اُن کے لیے خوراک (کا سامان مہیا) ہو جائے۔''[2] ایک روایت میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہے تھے۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنات تم سے بہتر طریقے سے جواب دیتے تھے۔ جب میں پڑھتا تھا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 230/2. مگر سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔ ابو صالح عبداللہ بن صالح كاتب الليث كثير الغلط والخطا ہیں اور ابوعثمان بن سنہ خزاعی مجہول ہے۔ (المستدرك للحاكم: 503/2) [2] صحيح البخاري: 3860.

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝﴾

”تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟“

تو وہ جواب میں کہتے تھے:

«وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ آلَائِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ»

”اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلائیں گے۔“[1]

[1] جامع الترمذي: 3291، المستدرك للحاكم: 473/2، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 149/5، حديث: 2150، دلائل النبوة للبيهقي: 232/2.

باب 2

علانیہ دعوت و تبلیغ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام کا حکم، کوہ صفا، میلوں اور منڈیوں میں اشاعتِ دین۔ اللہ رب العزت، اس کے رسول، قرآن کریم اور آخرت کے بارے میں مشرکین کے اوہام و افکار

”اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع کریں،
ان کے لیے اپنے (شفیق) بازو جھکائے رکھیں۔“ (الشعراء 26:214،215)

اس باب میں

رسالت مآب ﷺ کو دینِ حنیف کی دعوت دینے کا حکم، بنو عبدالمطلب کو اسلام کی دعوت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت، ابولہب سے صفیہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کے مکالمے، سرعام دعوتِ حق دینے کے حکم کی تفصیلات کے علاوہ سورۂ لہب کے نزول اور دعوت اسلام پر مشرکوں کے ردعمل کی سرگزشت۔ اس دوران ابوطالب سے وفد قریش کے مذاکرات کے ساتھ ساتھ مشرکوں کا وہ تاثر اور موقف بھی بیان کیا گیا ہے جو وہ دینِ اسلام کے بارے میں بار بار ظاہر کرتے تھے۔ نیز مشرکوں کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر کیے گئے اعتراضات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں کیسا من گھڑت اور گمراہ کن عقیدہ رکھتے تھے۔

سرِعام دعوتِ اسلام

امتِ مسلمہ کی زندگی کا اصل مقصد ساری دنیا میں بے خبر اور بے طلب لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بندگی کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہایت بیش قیمت اصول اور حکیمانہ ہدایات بیان فرمائی ہیں اور ہمارے رہبر اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے یہ حقیقت اُجاگر کی کہ دعوتِ الی اللہ کا عظیم الشان کام اخلاص، صبر، شوق اور حکمت سے انجام دینا چاہیے۔ اِس طرح آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے تمام اسالیب پوری طرح اُجاگر کر دیے۔ ان اسالیب کے مطالعے سے دعوت و تبلیغ کے بالترتیب پانچ مدارج سامنے آتے ہیں جو اس طرح ہیں:

1. قریبی رشتہ داروں اور خاص دوستوں کو دعوت۔
2. قوم اور شہر کے لوگوں کو دعوت۔
3. ان قبیلوں کو دعوت جو اطرافِ مکہ میں آباد تھے۔
4. پھر عرب کے تمام قبیلوں اور گروہوں کو دعوت۔
5. دنیا کی تمام قوموں اور جماعتوں کو دعوت۔

آیئے! اب نگاہِ تصور سے وادی غیر ذی زرع میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ اسلام کے مناظر دیکھیے۔

نبی معظم ﷺ کو جب منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سب سے پہلے ان لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کا پیغام پہنچایا جن کا آپ سے قریبی تعلق اور رابطہ تھا۔ نبی ﷺ کو اپنے گھر والوں کی طرف سے حوصلہ افزا جواب ملا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ کے گھرانے کے تمام افراد مسلمان ہوئے۔ ان میں آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی صاحبزادیاں سرفہرست تھیں۔ غلاموں میں قبولِ اسلام میں سبقت لے جانے والے آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے زیر کفالت چچا زاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح آزاد آدمیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ﷺ کے جاں نثار ہمدم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

[1] صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 119، مزید دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي: 165/2.

پھر دینِ حنیف کی تبلیغ کا سلسلہ آپ کے گھرانے سے آگے بڑھ کر آپ کے رفقاء اور ان کے قریبی حلقوں تک پھیلنے لگا۔ نبوت کے ابتدائی تین برسوں میں رسول اللہ ﷺ دعوت و تبلیغ کا فریضہ پوشیدہ طور پر انجام دیتے رہے۔ [1]

نبیِ اکرم ﷺ کی کوششیں بار آور ہونے لگیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کی دعوتِ حق سے متاثر ہونے لگے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی مسلمان ہونے لگیں یہاں تک کہ اسلام مکہ میں مشہور ہوگیا اور لوگ جگہ جگہ اس دین کا تذکرہ کرنے لگے۔ [2]

یہ ایک عالم گیر رویہ ہے کہ بوڑھے لوگ اپنے فکر و اعتقاد میں پکے اور بے لچک ہوتے ہیں۔ کتنی ہی معقول بات ہو، ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو بڑی دیر میں۔ اس کے برعکس نوجوانوں کا ذہن فطرتاً انقلاب پسند ہوتا ہے۔ وہ معقول بات جلدی سمجھ لیتے ہیں اور فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ لوگوں کی اس ذہنی حالت سے رسول اللہ ﷺ کو بھی سابقہ پیش آیا۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ، صاحبزادیوں اور احباب کے بعد جن سعادت مند خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا، ان کی اکثریت جوان لوگوں کی تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے احکامِ الٰہی سیکھ کر اپنے شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور معرفت کے لیے مخصوص کر دیے۔ ان اولین مسلمانوں میں اکثریت کا تعلق قریش کے مختلف گھرانوں سے تھا۔ ان میں سے بہت سے افراد ایسے تھے جو قریش میں بڑا ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت نصیب ہوئی۔ [3]

نبیِ اکرم ﷺ کے پاس بے سر و سامان ارادوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کی سب سے بڑی متاع اللہ رب العزت پر غیر متزلزل بھروسا تھا۔ اسی بنیاد پر آپ نہایت خلوص اور استقلال سے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔ انھیں مسلسل اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ کی یہ دعوت خاص خاص افراد تک محدود تھی۔ آپ کی دعوت کا سلسلہ ابھی تک خفیہ ہی تھا۔ آپ نے اب تک سر عام دعوتِ اسلام کا اظہار و اعلان نہیں کیا تھا۔ قریش کے ہاں اسلام کا چرچا تو ہونے لگا تھا لیکن ان کی طرف سے کھلی مخالفت شروع نہیں ہوئی تھی، البتہ جب رسول اللہ ﷺ قریش کی مجلسوں سے گزرتے تو وہ لوگ کہتے تھے کہ بنو عبدالمطلب کے لڑکے سے آسمانوں سے بات کی جاتی ہے۔ [4]

قریبی عزیزوں کو تبلیغ کا حکم

بعثت کو تین سال گزر گئے۔ اس عرصے میں اسلام نے اولوالعزم ہستیوں کو اپنے پرچم تلے جمع کر لیا۔ اب اتنی تعداد

[1] السيرة لابن هشام: 262/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 187/1. [3] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 2/54-56.
[4] أنساب الأشراف: 131/1، المنتظم لابن الجوزي: 364/2.

جمع ہوگئی تھی اور ایسا ماحول پیدا ہوگیا تھا کہ اسلام کی دعوت باقاعدہ پھیلائی جا سکتی تھی، چنانچہ جبریل امین علیہ السلام اللہ عزوجل کا یہ فرمان لے کر نازل ہوئے:

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ ﴾

''اور آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ اور مومنوں میں سے جنھوں نے آپ کی پیروی اختیار کی ہے، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو، میں ان سے بریٔ الذمہ ہوں۔ اور اس پر توکل کیجیے جو زبردست (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' [1]

اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے غور وفکر

جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے اقرباء کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کا حکم ملا تو آپ ﷺ دیر تک فکر مند رہے اور اس حکم کی تعمیل سے اپنے آپ کو عاجز خیال فرماتے رہے۔ آپ نے بیرونی نقل وحرکت موقوف کر دی اور تقریباً ایک مہینہ اپنے گھر ہی میں گوشہ نشین رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیاں آپ کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ وہ سمجھنے لگیں کہ شاید آپ بیمار ہیں، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی عیادت کے لیے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بیمار نہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اس کے عذاب سے) ڈراؤں، لہٰذا میں نے بنوعبدالمطلب کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ میں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ کی پھوپھیوں نے کہا کہ آپ بنوعبدالمطلب کو ضرور بلائیے اور انھیں دعوت دیجیے لیکن ابولہب کو نہ بلائیے کیونکہ وہ آپ کی دعوت کبھی قبول نہیں کرے گا۔ [2]

بنوعبدالمطلب کو دعوتِ حق دینے کے لیے ضیافت کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ نے بنوعبدالمطلب کو دین اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے اپنے گھر مدعو کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بنوعبدالمطلب کے لیے کھانا تیار کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انھیں جمع کرنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے چالیس آدمیوں کو بلایا تھا۔'' [3]

ایک اور روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت: ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ ﴾ ''اور آپ اپنے

[1] الشعرآء 26:214-217۔ [2] سبل الهدى والرشاد: 2/322۔ [3] الطبقات لابن سعد: 1/187۔

قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''اے علی! بکری کی ایک ران اور ایک صاع غلے کا کھانا تیار کرو اور ایک بڑے پیالے میں دودھ تیار رکھو۔'' پھر فرمایا: ''بنوعبدالمطلب کو جمع کرو تاکہ میں ان سے بات کروں اور جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے، وہ اُنھیں پہنچا دوں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور بنوعبدالمطلب کو بُلایا۔ کم وبیش چالیس افراد جمع ہوگئے۔ ان لوگوں میں آپ ﷺ کے چچا ابوطالب، حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ ابولہب بھی موجود تھا۔ جب وہ اکٹھے ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہی کھانا لانے کا حکم دیا جو آپ کے حکم پر تیار کیا گیا تھا۔ ثرید کا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی ران کے گوشت کے کچھ حصے کو اپنے دانتوں سے الگ کیا اور پھر اسے برتن کے اطراف میں رکھ کر حاضرین کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: «كُلُوا بِسْمِ اللّٰهِ» ''اللہ کے نام سے کھائیے۔'' لوگوں نے کھانا تناول کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ تمام لوگ سیر ہوگئے اور مزید کھانے کی حاجت نہ رہی۔[1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! انھیں (دودھ) پلائیے۔'' میں دودھ کا بڑا پیالہ لایا۔ لوگوں نے اس سے پیا یہاں تک کہ تمام لوگ سیر ہوگئے۔ اللہ کی قسم! جتنا کھانا انھیں پیش کیا گیا تھا، اتنا کھانا ان میں سے ایک آدمی ہی کھا جاتا تھا، اسی طرح جو دودھ انھیں پیش کیا گیا، اتنا دودھ ایک آدمی ہی پی جاتا تھا۔ جب تمام افراد کھانے پینے سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے بات کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن ابولہب نے اچانک باتیں بنانی شروع کر دیں، وہ حاضرین سے کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) تم پر جادو کر دیا ہے۔'' پھر نبیِ معظم ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''یہ تمھارے چچے اور ان کی اولاد موجود ہے، تم جو بات کرنا چاہتے ہو، کرو، نماز (یا نئے دین کی باتیں) چھوڑ دو اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ تمھارا قبیلہ پورے عرب پر قدرت نہیں رکھتا۔'' پھر کہنے لگا: ''اگر تم اپنے معاملے پر قائم رہے تو تمھارا خاندان اور تمھارے آباء واجداد کی اولاد تمھیں روکنے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔ یہ ان کے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ قریش کی باقی شاخیں تم پر چڑھ دوڑیں اور عرب بھی ان کے حمایتی اور معاون بن جائیں۔ اے میرے بھتیجے! میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنی قوم کے پاس اس سے بڑا شر لایا ہو جو تم ان کے پاس لائے ہو۔''[2] لوگ مجلس سے چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ ابولہب کی بیہودہ باتوں کی وجہ سے گفتگو نہ فرما سکے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 187/1، المنتظم: 367,366/2. [2] أنساب الأشراف: 134/1، المنتظم: 367/2.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوسرا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص (ابولہب) نے بات کرنے میں پہل کی اور لوگ میری بات سننے سے پہلے ہی چلے گئے۔ آج دوبارہ اسی طرح کا کھانا تیار کرو جس طرح گزشتہ روز تیار کیا تھا اور لوگوں کو بھی دوبارہ جمع کرو۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح حاضرین کو ضیافت دی جس طرح گزشتہ روز دی تھی۔ لوگوں نے کھانا تناول کیا یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! اتنا کھانا تو ان میں سے ایک آدمی ہی کھا جاتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! انھیں دودھ پلاؤ۔'' لوگوں نے دودھ پیا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! اتنا دودھ تو ان میں سے ایک آدمی ہی پی جاتا تھا۔

جونہی رسول اللہ ﷺ نے بات کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب بات کرنے میں پھر پہل کر گیا اور حاضرین سے کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) تم پر جادو کر دیا ہے۔'' لوگ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ بات نہ کر سکے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''اے علی! گزشتہ روز کی طرح آج پھر کھانا تیار کرو اور لوگوں کو بھی جمع کرو۔ اس آدمی نے پھر مجھے بات نہیں کرنے دی جیسا کہ تم نے سنا ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حکم کی تعمیل کی اور لوگوں کو جمع کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو پھر اسی طرح کھانے کی دعوت دی جس طرح گزشتہ روز دی تھی۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور پیا۔ اللہ کی قسم! اس طرح کا کھانا اور دودھ ان میں سے ایک آدمی ہی کھا پی جاتا تھا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ أَحْمَدُهُ، وَأَسْتَعِينُهُ وَ أُؤْمِنُ بِهِ وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ، وَاللّٰهِ! لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَّا كَذَبْتُكُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَّا غَرَرْتُكُمْ، وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّإِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَاللّٰهِ! لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ، وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ، وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا وَّ بِالسُّوءِ سُوءًا، وَإِنَّهَا لَجَنَّةٌ أَبَدًا أَوْلَنَارٌ أَبَدًا. يَابَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ! إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا أَعْلَمُ شَابًّا فِي الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلَ مِمَّا قَدْ جِئْتُكُمْ بِهِ، إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَقَدْ أَمَرَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ أَدْعُوَكُمْ إِلَيْهِ، فَأَيُّكُمْ

يُؤَازِرُنِي عَلَى هٰذَا الْأَمْرِ عَلَى أَنْ يَكُونَ أَخِي؟»

''اللہ جل شانہ ہی کے لیے تمام تعریفات ہیں۔ میں اسی کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے مدد طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان لاتا ہوں اور اسی پر بھروسا رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلاشبہ رہنما اپنے کنبے سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم! اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں، تب بھی میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا اور اگر میں تمام لوگوں کو دھوکا دوں، تب بھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمھارے لیے خصوصی طور پر اور تمام انسانوں کے لیے عمومی طور پر اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جس طرح تم سوتے ہو، پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جس طرح تم جاگتے ہو۔ اس کے بعد تم سے تمھارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور تمھیں بھلائی کا بدلہ بھلائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا، پھر یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ۔ اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! میں عرب میں کسی نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس اس سے افضل چیز لایا ہو جو میں تمھارے پاس لایا ہوں۔ بلاشبہ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور بلاشبہ اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی دعوت دوں۔ اس کام پر تم میں سے کون میری حمایت اور مدد کرے گا کہ وہ میرا بھائی بن جائے؟''[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان تمام سامعین میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی مدد اور حمایت کروں گا۔ جب میں نے یہ کہا تو تمام لوگ ہنسنے لگے۔[2]

مسند احمد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے مختصراً یہ روایت منقول ہے۔ اس میں ہے کہ لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا۔ پھر بھی کھانا اور دودھ اس طرح بچ رہا گویا کسی نے اسے ہاتھ ہی نہیں لگایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنوعبدالمطلب! میں خاص تمھاری طرف اور تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس (کھانے اور دودھ) میں برکت کی نشانی تم دیکھ ہی چکے ہو۔ تم میں سے کون اس بات پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی اور دوست بن جائے؟'' علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''کوئی بھی آپ کی طرف نہ اٹھا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ ہر دفعہ میں ہی کھڑا ہو جاتا تھا تو آپ فرماتے: ''بیٹھ جاؤ۔'' تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔[3]

[1] المنتظم:367,366/2، الكامل لابن الأثير:586,585/1، دلائل النبوة للبيهقي:179/2، 180، البداية والنهاية:38,37/3، السيرة الحلبية:459/1، أنساب الأشراف:135,134/1. [2] البداية والنهاية:38/3. [3] مسند أحمد:159/1.

ابوطالب کی حوصلہ افزائی اور ابولہب کی ہرزہ سرائی

رسول اللہ ﷺ نے اپنی برادری کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم پیش کر دیا تو سردارِ قبیلہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

مَا أَحَبَّ إِلَيْنَا مُعَاوَنَتَكَ وَمُرَافَدَتَكَ، وَأَقْبَلَنَا لِنَصِيحَتِكَ، وَأَشَدَّ تَصْدِيقَنَا لِحَدِيثِكَ! وَهٰؤُلَاءِ بَنُو أَبِيكَ مُجْتَمِعُونَ وَإِنَّمَا أَنَا أَحَدُهُمْ، غَيْرَ أَنِّي وَاللّٰهِ! أَسْرَعُهُمْ إِلٰى مَا تُحِبُّ، فَامْضِ لِمَا أُمِرْتَ بِهِ، فَوَاللّٰهِ! لَا أَزَالُ أَحُوطُكَ وَأَمْنَعُكَ غَيْرَ أَنِّي لَا أَجِدُ نَفْسِي تَطُوعُ لِي فِرَاقَ دِينِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَتّٰى أَمُوتَ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.

''(اے محمد!) ہمارے نزدیک آپ سے تعاون اور آپ کی مدد کتنی پسندیدہ بات ہے! ہم آپ کی نصیحت کس قدر زیادہ قبول کرنے والے ہیں اور ہم آپ کی بات کی کس قدر بڑھ چڑھ کر تصدیق کرنے والے ہیں! یہ آپ کے خاندان والے جمع ہیں، میں بھی انھی میں سے ایک فرد ہوں، البتہ اللہ کی قسم! میں ان میں سے آپ کی پسندیدہ بات بہت جلد قبول کرنے والا ہوں۔ آپ جس ذمہ داری پر مامور کیے گئے ہیں، اسے جاری رکھیے۔ اللہ کی قسم! میں ہمیشہ آپ کی حفاظت اور دفاع کروں گا، البتہ میں دین عبدالمطلب کو چھوڑنے پر اپنے نفس کو راضی نہیں پاتا، میں اسی دین پر مرنا چاہتا ہوں جس پر وہ فوت ہوئے تھے۔''

ابوطالب کے علاوہ دیگر افرادِ برادری نے بھی بھلے طریقے سے گفتگو کی لیکن ابولہب آپ ﷺ کی مخالفت پر اتر آیا۔ وہ کہنے لگا: ''اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ بہت بری بات ہے۔ محمد (ﷺ) کو اپنے ہاتھوں خود ہی روک لو، اس سے پہلے کہ تمھارے سوا دوسرے لوگ انھیں روکیں۔ اگر اس وقت تم نے محمد (ﷺ) کو ان لوگوں کے حوالے کیا تو تم ذلیل وخوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے ان لوگوں کی مخالفت مول لے لی تو مارے جاؤ گے۔''

یہ سن کر ابوطالب نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا:

وَاللّٰهِ! لَنَمْنَعَنَّهُ مَا بَقِينَا.

''واللہ! جب تک ہم زندہ ہیں، محمد (ﷺ) کی لازماً حفاظت اور دفاع کریں گے۔''

ابولہب کی بہن، نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ابولہب سے فرمانے لگیں: ''اے میرے بھائی! کیا تمھیں اپنے بھتیجے کی رسوائی اچھی لگے گی؟ اللہ کی قسم! علماء ہمیشہ اس بات کی خبر دیتے آئے ہیں کہ عبدالمطلب کی اولاد سے

ایک نبی آئے گا اور وہ نبی محمد (ﷺ) ہی ہیں۔''

ابولہب بولا: ''یہ بات بالکل لغو اور خواہشات پر مبنی ہے۔ یہ بالکل عورتوں کی سی ہوائی بات ہے۔ جب قریش کی باقی شاخیں مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوں گی اور عرب بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے تو ہم مقابلے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اللہ کی قسم! ان کے مقابلے میں ہماری تعداد بہت کم ہے۔''[1]

یہاں دعوتِ دین کی راہ میں ہمیشہ پیش آنے والی اس تلخ حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی اور جہاں بھی صدائے حق بلند کی جاتی ہے، شیطان اور اس کے چیلے فوراً اس کی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور دعوتِ حق کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیتے ہیں۔ ابولہب نے شیطان کا یہی مذموم کردار ادا کیا۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ نے دین حق کے لیے صدائے دعوت بلند کی، ابولہب نے اس کی فوراً مخالفت کی لیکن پیکر حلم رسول اللہ ﷺ نے ابولہب کے مکروہ عمل کو کبھی شایانِ توجہ نہیں سمجھا۔ آپ پورے صبر اور استقامت سے حق وصداقت کے چراغ روشن کرتے رہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے سبق دیا کہ دعوتِ حق کی مخالفت کرنے والوں سے الجھ کر اپنا وقت ضائع اور اپنا مقصدِ عظیم فراموش نہ کیا جائے۔

دعوت عام کا حکم

رسول اللہ ﷺ جب بنوعبدالمطلب کو دعوت دے چکے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾

''جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے، اُسے کھول کر سنا دیجیے اور مشرکین سے بے رخی برتیے۔''[2]

اس آیت میں اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ دعوت وتبلیغ کا فرض سرِ عام انجام دیں اور لوگوں کو علانیہ اسلام کی ترغیب دیں تاکہ وہ مسلمان ہوجائیں۔[3] آپ ﷺ کو ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا کہ دعوتِ حق کی راہ میں صبر سے کام لیں اور جاہلوں، دشمنوں اور جھٹلانے والوں پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے چشم پوشی کریں۔[4]

کوہِ صفا پر اسلام کی طرف پکار

رسول اللہ ﷺ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل کے لیے کمربستہ ہوگئے اور دین اسلام کے اعلان واظہار کے لیے کوہ صفا

[1] أنساب الأشراف: 135/1، سبل الهدٰى والرشاد: 323/2. [2] الحجر 94:15. [3] السيرة لابن إسحاق: 188/1، السيرة لابن هشام: 262/1. [4] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 114.

پر تشریف لے گئے۔ آپ نے بآوازِ بلند لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا: «يَاصَبَاحَاهْ!» ''لوگو! صبح کی پکار سنو!'' [1] یہ پکار اس بات کی نشانی سمجھی جاتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اس مروجہ طریقے سے لوگوں کو پکارا، پھر قریش کے ذیلی قبیلوں کے نام لے لے کر انھیں صدا دی:

«يَابَنِي فِهْرٍ! يَابَنِي عَدِيٍّ! يَابَنِي فُلَانٍ! يَابَنِي فُلَانٍ! يَابَنِي عَبْدِمَنَافٍ! يَابَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ!»

''اے بنوفہر! اے بنوعدی! [2] اے بنوفلاں! اے بنوفلاں! اے بنوعبدمناف! اے بنوعبدالمطلب!''

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے بتایا: محمد (ﷺ) پکار رہے ہیں۔ [3] سب لوگ فوراً اکٹھے ہو گئے یہاں تک کہ جو شخص خود نہیں آ سکتا تھا، اس نے اپنا نمایندہ بھیج دیا کہ جاؤ محمد (ﷺ) کی بات سُن کر آؤ۔ ابولہب بھی آ گیا اور قریش بھی جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مجمع پر نگاہ ڈالی اور سب سے پہلے اپنی سچائی کی گواہی طلب فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَرَأَيْتَكُمْ! لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي، تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

''یہ بتاؤ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی میں گھڑ سواروں کا ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟''

لوگوں نے کہا: نَعَمْ! مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا ''جی ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔'' [4]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلٰى أَنْ تَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنِّي عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ»

''میں تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ میں اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (اگر تم اس بات کا اقرار کر لو تو) میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' [5]

پھر فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ»

---

[1] صحيح البخاري:4971، صحيح مسلم: 208. [2] صحيح البخاري: 3525. [3] صحيح مسلم: 208. [4] صحيح البخاري:4770. [5] أنساب الأشراف:136/1.

’’میں تمھیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔‘‘ [1]

نیز فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ: يَاصَبَاحَاهُ!»

’’میری اور تمھاری مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور فوراً دوڑ پڑا تاکہ گھر والوں کو خبردار کرے، پھر اسے خدشہ ہوا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن انھیں آ دبوچے گا، لہٰذا وہ چیخ چیخ کر پکارنے لگا: «يَا صَبَاحَاهُ» ’’لوگو! صبح کی پکار سنو!‘‘ [2]

دنیا و آخرت میں صرف دین اسلام ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ اپنے عزیز و اقارب کو اس حقیقتِ عظمٰی سے آگاہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُنْذِرَ عَشِيرَتِي الْأَقْرَبِينَ، وَ أَنْتُمْ هُمْ، وَ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ الدُّنْيَا مَنْفَعَةً وَّلَا مِنَ الْآخِرَةِ نَصِيبًا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

’’بلاشبہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں۔ اور وہ تم ہی ہو۔ یقیناً میں تم لوگوں کے لیے دنیاوی منفعت کا مالک ہوں نہ آخرت کے حصے کا مگر یہ کہ تم لوگ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلو۔‘‘ [3]

اس کے بعد آپ ﷺ نے مختلف قریشیوں کو نام بنام پکار کر اسلام کی دعوت دی اور بالکل صاف صاف لفظوں میں خبردار فرمایا:

«يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا»

[1] صحيح البخاري: 4770، صحيح مسلم: 208. [2] صحيح مسلم: 207. [3] أنساب الأشراف: 137/1، السيرة الحلبية: 459,458/1.

''اے کعب بن لؤی کے بیٹو! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچا لو۔ اے مرہ بن کعب کے بیٹو! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچالو۔ اے بنوعبدشمس! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے عبدمناف کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے عبدالمطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے فاطمہ! تم بھی اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچا لو کیونکہ میں تم سب کو اللہ (کے غضب) سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں، تم لوگوں سے میرا نسب وقرابت کا تعلق ضرور ہے، میں اسے (بہرحال) قائم رکھوں گا۔''[1]

«يَا مَعْشَرَ بَنِي قُصَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

''اے بنوقصی کی جماعت! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچالو کیونکہ میں تمھارے لیے نفع یا نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، یعنی تمھیں اللہ کے عذاب سے بچانے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتا۔''[2]

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے قریش کے لوگو! اللہ (کے عذاب) سے (نجات کے بدلے میں) اپنی جانوں کا سودا کرلو، میں تمھیں اللہ (کے غضب) سے بچانے کے لیے قطعاً تمھارے کام نہیں آ سکتا۔''

«يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمھیں اللہ (کے غضب) سے بچانے کے لیے ہرگز تمھارے کام نہیں آ سکتا۔''

«يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ! سَلِينِي مَا شِئْتِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تمھیں اللہ (کی پکڑ) سے بچانے کے لیے تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! مجھ سے (دنیا کا مال) جتنا چاہے مانگ لو مگر میں تمھیں بھی اللہ (کی پکڑ) سے بچا نہیں سکوں گا۔''[3]

ابولہب کے لیے وعید

جب رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو خبردار کرنے کے لیے دعوت وارشاد کی یہ پکار لگادی تو سامعین نے آپ ﷺ

[1] صحيح مسلم: 204. [2] جامع الترمذي: 3185. [3] صحيح البخاري: 4771، صحيح مسلم: 206، واللفظ له.

کی اس دعوت پر فوری طور پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، وہ خاموش رہے۔ بس ایک بد بخت ابولہب ہی تھا جو فوراً بول اُٹھا اور کہنے لگا: ''تو دن بھر غارت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟'' اس کے جواب میں اللہ عزوجل نے سورت ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ ﴾ نازل فرمائی اور خبردار کر دیا کہ ابولہب، اس کی بیوی اور اس کا مال و متاع سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔[1]

لات و عزّیٰ کے پرستار ابولہب کا مخالفانہ گھمنڈ

بُری بات کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی غلط کام کرے تو دل ہی دل میں شرمندہ رہے اور اپنے غلط کام کو بُرا جانے لیکن بُرائی کا مرتکب وہ بدترین شخص ہے جو بُرائی کر کے نہ صرف اُسے بُرا نہ جانے بلکہ اُس پر اترائے اور گھمنڈ بھی کرے۔ ابولہب اسی قبیل کا فرد تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت حق کی شدید مخالفت کرنے اور اس پر وعید ربانی کے نزول کے باوجود ابولہب اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سن کر اپنے انتہائی گستاخانہ ردعمل والے واقعے کے بعد ابولہب کی ملاقات عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی ہند سے ہوئی۔ ابولہب غرور سے تن کر بولا: ''اے بنت عتبہ! میں نے محمد (ﷺ) کی مخالفت کر دی ہے۔ جو دین (اسلام) وہ لایا ہے، میں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور لات و عزّیٰ کی طرف داری کی ہے اور انھی دونوں (بتوں) کی خاطر میں غضبناک ہوا۔'' ہند بنت عتبہ کہنے لگی: ''اے ابوعتبہ! (بہت خوب! تو نے بہت اچھا کیا) تجھے بہتر بدلہ ملے۔''[2]

دعوتِ اسلام پر مشرکینِ مکہ کا ردِعمل

دین اسلام کی برملا دعوت پر قریش کی مجلسوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے ہاں شام و سحر دین حنیف اور رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔ ابولہب نے جس طرح آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھ لی تھی، اُس سے دوسرے لوگوں کو بھی شہ ملی۔ یوں محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف جگہ جگہ باتیں ہونے لگیں۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوتِ اسلام کے خلاف طاغوتی قوتوں کا سب سے بڑا حربہ تقلیدِ آباء کا حوالہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس حقیقتِ عظمیٰ کا اعلان فرمایا تھا، وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت تھی، یہ انسانی فطرت کا بھی تقاضا تھا۔ اسی اہم ترین تقاضے کو تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی امتوں کے سامنے رکھا۔ توحید الٰہی کا لازمی نتیجہ لوگوں کے معبودانِ باطلہ کی کھلی نفی ہے۔ یہی چیز طاغوتی قوتوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ جب مکہ کو بسانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی تو

[1] صحيح البخاري: 4770، صحيح مسلم: 208. [2] أنساب الأشراف: 138/1.

انھوں نے یہ جواب دیا تھا:

﴿قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''انھوں نے کہا: (نہیں!) بلکہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔'' [1]

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرتے ہوئے صرف ایک معبود ''اللہ'' کی عبادت کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، اسی طرح قریش اور دیگر اہل مکہ نے بھی صدیاں گزر جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے بسائے ہوئے شہر اور انھی کے تعمیر کردہ اللہ کے گھر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا:

﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾

''انھوں نے کہا: (نہیں!) بلکہ ہم نے جس راستے پر اپنے باپ دادا کو پایا، ہم تو اسی کی پیروی کریں گے۔'' [2]

اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید نے ان کی عقل کو اس قدر ماؤف کر دیا کہ نہ صرف انھوں نے دین اسلام کی حقانیت کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ وہ تکبر میں مبتلا ہو کر اسلام کے پیش کردہ حقائق کو جھٹلانے اور آخرت کی وعیدوں کا مذاق اُڑانے لگے۔ وہ جب غریب مسلمانوں کو دیکھتے تو اُن کا مذاق اُڑاتے اور کہتے:

قَدْ جَاءَكُمْ مُلُوكُ الْأَرْضِ الَّذِينَ سَيَغْلِبُونَ غَدًا عَلٰى مُلْكِ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ.

[1] الشعرآء 74:26. [2] لقمٰن 21:31.

یزد (ایران) کے نزدیک خرانق کے آثار

''تمھارے پاس زمین کے بادشاہ آئے ہیں۔ وہ کل کسرائے ایران اور قیصر روم کے تخت پر قبضہ کریں گے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیہودہ باتوں کی کوئی پروا نہ کی۔ آپ ﷺ پوری استقامت کے ساتھ ڈٹ کر شام و سحر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے اور اہل مکہ کی اکثریت مخالفت پر ڈٹی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی تکذیب پر رسول اللہ ﷺ کی تالیفِ قلب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پس بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تسلی، تائید اور تحفظ کے لیے وقتاً فوقتاً اور بھی آیات نازل ہوئیں۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے لیے بالکل یکسو ہو جائیں اور شب و روز، خفیہ و برملا، سب لوگوں تک بے دریغ اللہ تعالیٰ کا دین پہنچائیں۔ کوئی سا موقع ہو، کیسے ہی حالات ہوں، کتنی ہی دُشواریاں ہوں، کیسی ہی ناساز کیفیات اور کٹھن مرحلے ہوں، ہر نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ہر طرح کے خاص و عام لوگوں کو ہر حال میں پوری بے باکی اور دلیری سے اسلام کا پیغام پہنچائیں اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں کسی کے ناپاک ارادے کو خاطر میں لائیں نہ

[1] أنساب الأشراف:1/149، الكامل لابن الأثير:1/595، فقه السيرة للغزالي، ص:113، واللفظ له. [2] الأنعام6:33.

روم میں رومی فورم کا منظر

کسی کے مذموم قول وفعل کی کوئی پروا کریں۔

میلوں اور منڈیوں میں تبلیغ و دعوت

دعوتِ اسلام کے اعلانِ عام کے بعد نبیِ مکرم ﷺ کا طریقۂ تبلیغ یہ تھا کہ جہاں بھی کچھ لوگ نظر آتے، آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں مخاطب کرتے، قرآن کی کچھ آیتیں پڑھتے اور دل آویز انداز سے اسلام کی دعوت دیتے۔ کچھ سعادت مند لوگ آپ ﷺ کی دعوت اسلام کو بڑے غور سے سنتے اور لبیک کہتے تھے لیکن کچھ نامراد لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، کفار کی دشمنی بھی بڑھتی چلی گئی اور آپ ﷺ کا چچا ابولہب دشمنی کی تمام حدود پار کر گیا۔

حضرت ربیعہ بن عباد دِیلی رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ذوالمجاز نامی بازار میں یہ اعلان فرما رہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، تُفْلِحُوا»

''اے لوگو! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔''

سوق ذوالمجاز کے آثار

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک گورے چہرے والا بھینگا شخص بھی چلا آ رہا تھا۔ اس کی دو چوٹیاں اور زلفیں تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا: ''لوگو! یہ بے دین ہے، جھوٹا ہے۔ اس کی بات نہ مانو، مبادا یہ تمھیں تمھارے آباء کے دین سے برگشتہ کر دے۔'' رسول اللہ ﷺ آگے آگے چل رہے تھے اور وہ مسلسل آپ ﷺ کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''یہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہیں۔ یہ اپنی نبوت کا اعلان و اظہار کر رہے ہیں۔'' پھر میں نے ابولہب کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا کہ یہ ان کی تکذیب کرنے والا کون ہے؟ انھوں نے کہا: ''یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔'' راوی پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اس وقت چھوٹے تھے؟ ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، میں اُس وقت کافی سمجھدار ہو چکا تھا۔[1]

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرتِ مدینہ سے پہلے منیٰ تشریف لے جاتے تھے۔ لوگوں کے ٹھکانوں پر پہنچتے تھے۔ اُن سے ملاقات کرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ ـ عَزَّ وَجَلَّ ـ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»

[1] مسند أحمد: 492/3، دلائل النبوة للبيهقي: 186,185/2.

منیٰ: خیموں کا شہر

''اے لوگو! بلاشبہ اللہ عزوجل تمھیں حکم دیتا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔''

ایک طرف تو آپ ﷺ یہ دعوت دیتے جاتے تھے اور دوسری طرف آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک آدمی یہ کہتا چلا آتا تھا: ''لوگو! یہ تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے آباء کا دین چھوڑ دو۔'' ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' تو بتایا گیا: ''یہ ابولہب ہے۔'' [1]

ابوطالب کا طرزِ عمل اور ابولہب کا کردار

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن ابوطالب کے سایۂ عاطفت میں بسر کیے تھے، اس لیے آپ کو ابوطالب سے گہرا لگاؤ اور بدرجۂ غایت محبت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے دوسرے چچاؤں کے مقابلے میں ابوطالب کی طرف زیادہ میلان ایک فطری تقاضا تھا جو اللہ عزوجل نے ہر انسان کے دل میں رکھا ہے۔ آپ ﷺ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے مگر ابوطالب سے آپ کا برتاؤ بڑی محبت سے لبریز تھا۔ آپ ان کی حمایت اور دفاع کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوگئی۔ ابولہب نے ابوطالب کو پچھاڑ دیا اور ان کے سینے پر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ ﷺ نے ابولہب کے بالوں کی لٹ پکڑ کر اسے نیچے دھکیل دیا۔ ابولہب کہنے لگا: ''اے محمد! میں بھی تمھارا چچا ہوں اور ابوطالب بھی تمھارا چچا ہے۔ تم نے میرے خلاف اُس کی مدد کیوں کی؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہیں۔'' یہ بات ابولہب نے دل میں بٹھالی اور وہ نبیِ اکرم ﷺ کا دشمن بن گیا۔ [2]

ابوطالب نے اپنے دین پر رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اعانت، دفاع اور حفاظت کی ذمہ داری خوب نبھائی۔ ابوطالب کا اپنے دین پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تحت تھا۔ وہ اپنے رشتے کی بنیاد پر، جسے رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ محاسن نے انتہائی مضبوط بنا دیا تھا، بڑی جرأت سے آپ ﷺ کی مدافعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ہوسکتا تھا کہ کفار قریش کے نزدیک ابوطالب کی کوئی اہمیت اور وقعت ہی باقی نہ رہتی جو قریش کے سردار کی حیثیت سے موجود تھی۔ اس طرح وہ اتنی دلیری سے رسول اللہ ﷺ کی حمایت نہ کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ کفار و مشرکین بے باک ہوکر آپ ﷺ پر چڑھ دوڑتے اور اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کر لیتے۔

دوسری طرف ابولہب اور اس کی بیوی تھی۔ یہ دونوں باقی تمام مشرکین سے کہیں بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت

[1] مسند أحمد: 492/3. [2] الخصائص الكبرىٰ للسيوطي: 147/1، فتح الباري: 942/8.

کرتے تھے۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے کئی موقعوں پر رسولِ اکرم ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور تبلیغِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔

ابوطالب اور ابولہب دونوں ہی آپ ﷺ کے چچا تھے اور دونوں ہی ایمان نہیں لائے لیکن ایک چچا نے ہر موقع پر اپنی شریفانہ صلاحیتیں بروئے کار لاکر رسول اللہ ﷺ کے دفاع کا حق ادا کیا اور دوسرے چچا نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی۔ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے دونوں جہنم میں جائیں گے، البتہ جہنم میں دونوں کے عذاب کے درجے الگ الگ ہیں۔ ابوطالب پر جہنم میں بہت ہلکا عذاب ہوگا۔ وہ دوزخ کی کم گہری جگہ میں رکھے جائیں گے لیکن ابولہب جہنم کے سب سے نچلے درجے کے بے حد خوفناک عذاب میں مبتلا ہوگا اور اُس کے بارے میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان قیامت تک مسلسل پڑھا جائے گا:

﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝﴾ (اللھب111:4,3)

''وہ (ابولہب) ضرور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔''[1]

بت پرستی کی مذمت

رسول اللہ ﷺ دن رات دینِ قیم کی اشاعت میں مصروف تھے۔ اسلام کا نور لوگوں کو روز بروز اپنی طرف مائل کرتا جارہا تھا۔ اسی دوران یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝﴾

''بلاشبہ تم اور وہ (بت) جن کی تم اللہ کے علاوہ پوجا کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن ہیں، تم (سب) اس پر وارد ہونے والے ہو۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کو وعید سنائی ہے۔ یہ وعید کفار و مشرکین پر بڑی گراں گزری، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور غریب، کمزور اور بے یار و مددگار مسلمانوں کو انتہائی سفاکی سے تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔[3]

ابوطالب کے پاس وفدِ قریش کی آمد

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو ذلیل کر دیا اور ان سب کا ٹھکانا جہنم بتایا تو کفار پر شدید

[1] البداية والنهاية: 39/3، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 142. [2] الأنبيآء 21:98. [3] الطبقات لابن سعد: 199/1، سیرت خیر الانام، ص: 100.

غیظ وغضب کا دورہ پڑا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو براہِ راست روکنے کے بجائے سردار قبیلہ ابوطالب سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ چند صاحبِ حیثیت لوگ ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل اور حجاج بن عامر کے دو بیٹے نُبیہ اور مُنبِّہ وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے کہا: ''اے ابوطالب! تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے، ہمارے دین کے عیوب گنواتا ہے، ہمارے داناؤں کو بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ اسے ہمارے سامنے سے ہٹا دو یا خود تم ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جاؤ کیونکہ آپ بھی ہماری طرح اس کے مخالف دین پر ہیں۔ ہم اسے آپ کی طرف سے کافی ہو جائیں گے۔''

ابوطالب نے ان سے خوش اسلوبی سے بات کی اور انھیں خوبصورت طریقے سے رخصت کر دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی مخالفت کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں کی۔ آپ ﷺ بدستور دین اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے اور لوگوں کو اللہ کی بندگی کی ترغیب دیتے رہے۔[1]

بارگاہِ الٰہی سے رسول اللہ ﷺ کو سلام

رسول اللہ ﷺ جس انہماک سے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دے رہے تھے، اس عظیم الشان دعوت کے نتیجے میں مسلمانوں کی دینی، سماجی اور اخلاقی اقدار بلند سے بلند تر ہو رہی تھیں۔ اسی دوران میں جبریل امین انتہائی خوبصورت شکل میں، خوشبو سے معطر ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے محمد! اللہ عزوجل آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کو جن و انس کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ انھیں ایک کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دیتے رہیے۔''[2]

آپ ﷺ نے اس حکم ربانی کی جس خلوص و استقامت سے تعمیل کی اور جس تندہی اور حکمت سے لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی، وہ دعوت و تبلیغ کا ایک معیاری اور مثالی طریقہ بن گیا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے، آپ ﷺ نے دعوت کے لیے سب سے پہلے اپنے محترم اہل خانہ کو شایان خطاب سمجھا۔ پھر آپ نے اپنے خصوصی احباب کو دعوتِ اسلام دی۔ بعد ازاں ہر خاص و عام کے لیے آپ ﷺ کی دعوت حق صدائے عام کی حیثیت اختیار کر گئی۔ غور کیا جائے تو پیام حق پہنچانے کا صحیح طریق کار یہی ہے جسے ہر داعی الی اللہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

1 السيرة لابن إسحاق: 191,190/1، السيرة لابن هشام: 265,264/1، الكامل لابن الأثير: 587,586/1. 2 السيرة الحلبية: 462/1.

اب رسول اللہ ﷺ کا اسلوب دعوت دیکھیے۔ آپ نے عقبہ بن ابی معیط کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کس طرح کوشش فرمائی۔

عقبہ بن ابی مُعَیط کو دعوت اسلام

عقبہ بن ابی معیط ایک دفعہ سفر سے لوٹا۔ اُس نے قریش کے چند اشراف کو کھانے کی دعوت دی۔ ان میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل تھے۔ مقررہ وقت پر جب تمام افراد اکٹھے ہوگئے اور کھانا چن دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو دعوت اسلام دی اور فرمایا:

«مَا أَنَا بِآكِلٍ طَعَامَكَ حَتّٰى تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''جب تک تم لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار و اعلان نہیں کرو گے، میں تمھارا کھانا تناول نہیں کروں گا۔''

عقبہ فوراً بول پڑا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ. ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس اقرار و اعلان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حسب ارشاد اس کی دعوت قبول فرمائی اور کھانا تناول فرمایا، پھر لوگ واپس چلے گئے۔ اس واقعے کی خبر عقبہ کے گہرے دوست اُبَیّ بن خلف جمحی کو ملی تو وہ لپک کر عقبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ''اے عقبہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو صابی ہوگیا ہے۔''

عقبہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں صابی نہیں ہوا۔ ہاں! میرے گھر میں ایک معزز شخص کی تشریف آوری ہوئی، اُس نے میرے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس بات پر بڑی ندامت محسوس ہوئی کہ گھر آیا معزز مہمان کھانا تناول کیے بغیر ہی لوٹ جائے، پس میں نے اُس کا کہنا مان لیا اور اس کی فرمائش پوری کر دی۔ اس طرح وہ معزز شخص میرا پیش کردہ کھانا کھا کر واپس چلا گیا۔ میں نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ضرور تھا لیکن یہ تو محض میری زبان کا بول تھا، میں نے اپنے دل سے اس کلمے کی تصدیق نہیں کی۔''

اُبَیّ کہنے لگا: ''بس! ہماری تمھاری دوستی ختم۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پائیں گے یہاں تک کہ تو محمد (ﷺ) کو نیچا دکھائے، ان کے چہرے پر تھوک دے اور تھپڑ مارے۔'' عقبہ کہنے لگا: ''اگر تو یہ کہتا ہے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔''

جب عقبہ رسول اللہ ﷺ سے ملا تو اس نے رسالت مآب ﷺ سے وہی گستاخانہ سلوک کیا جس کا اس نے اُبَیّ سے وعدہ کیا تھا لیکن چاند پر کون تھوک سکتا ہے؟

ضحاک کہتے ہیں: ''یہ تھوک رسول اللہ ﷺ تک پہنچ ہی نہیں پایا بلکہ یہ تھوک لوٹ کر عقبہ ہی کے چہرے پر اس طرح آپڑا جس طرح آگ کا شعلہ لپک پڑتا ہے۔ اس شعلے کی تمازت نے عقبہ کا چہرہ جلا ڈالا اور موت تک اس کے چہرے پر برص کی طرح کا نشان ثبت رہا۔''

اس موقع پر اللہ جل شانہ نے عقبہ کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ۝﴾

(الفرقان 25:27-29)

''اور جس دن (ہر) ظالم اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا: اے کاش! میں رسول کی راہ اختیار کرتا۔ ہائے میری کمبختی! کاش! میں فلاں (شخص) کو دوست نہ بناتا۔ بلاشبہ اس نے میرے پاس ذکر (قرآن) آجانے کے بعد مجھے (اس سے) بہکا دیا اور شیطان انسان کو (مصیبت میں) بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن خلف کو دعوت اسلام دی تھی اور اسی نے آپ علیہ السلام کو کھانے کی دعوت دی تھی اور عقبہ بن ابی معیط نے ابی بن خلف کو رسول اللہ ﷺ سے دشمنی پر اُکسایا تھا۔ [2]

ابوجہل کو اسلام کی دعوت

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور ابوجہل مکہ کی بعض گلیوں سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔ اسی موقع پر میری رسول اللہ ﷺ سے پہلی دفعہ جان پہچان ہوئی تھی۔ بس یونہی سرِراہ چلتے چلتے اچانک رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا: ''اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف چلے آؤ۔ میں تمھیں اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔''

ابوجہل کہنے لگا: ''اے محمد! کیا آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آئیں گے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم یہ گواہی دیں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے ہمیں دعوتِ اسلام پہنچا دی ہے؟ پس ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے جو بات کی ہے، وہ برحق ہے تو میں آپ کی بات مانتے ہوئے آپ کی پیروی کرتا۔''

یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ لوٹ گئے، پھر ابوجہل میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! مجھے اچھی

[1] السيرة الحلبية:1/509,508، الكامل لابن الأثير:1/593. [2] أنساب الأشراف:1/156.

طرح معلوم ہے کہ جو بات یہ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل برحق ہے۔ صرف ایک بات ہے جس نے مجھے ان کی اتباع سے روک رکھا ہے۔ بنوقصی نے دعویٰ کیا کہ بیت اللہ کی نگہبانی اور دربانی ہمارا حق ہے۔ ہم نے ان کی یہ بات مان لی، پھر کہنے لگے: حجاج کو پانی پلانا ہمارا حق ہے۔ ہم نے یہ بات بھی مان لی، پھر کہنے لگے: مجلس شوریٰ (دارالندوہ) کی سرپرستی ہمارا حق ہے۔ ہم نے ان کا یہ حق بھی مان لیا، پھر کہنے لگے: عسکری سربراہی کا جھنڈا ہمارے پاس ہوگا۔ ہم نے یہ بھی مان لیا، پھر وہ لوگوں کی ضیافتیں کرنے لگے۔ ہم نے بھی ضیافتیں شروع کیں حتی کہ جب ہم اور وہ برابر ہوگئے تو وہ کہنے لگے: ہم میں سے ایک شخص اللہ کا رسول ہے۔ اللہ کی قسم! اب میں یہ بات کبھی نہ مانوں گا۔" [1]

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ابوجہل کی حیرانی

ایک موقع پر ابوسفیان اور ابوجہل آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے قریب سے گزرے۔ ابوجہل نبی ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: "اے بنوعبدشمس! کیا یہی تم لوگوں میں نبی ہیں؟"

ابوسفیان نے تیزی سے کہا: "اگر ہم میں نبی ہوں تو تمھیں اس پر تعجب (کیوں) ہے؟ نبی تو ایسے ایسے لوگوں میں بھی آئے ہیں جو شرف و مجد کے اعتبار سے ہم سے کہیں کم تر تھے۔"

ابوجہل بولا: "مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ہم جیسے پختہ عمر اور سنجیدہ لوگوں کے ہوتے ہوئے اس نوجوان کو نبوت کس طرح مل گئی؟"

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لی۔ آپ ﷺ قریب آگئے۔ پہلے آپ ﷺ ابوسفیان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے طیش میں نہیں آئے بلکہ تم نے اپنے خاندان ہی کی حمایت کی ہے۔" پھر آپ ﷺ ابوجہل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اللہ کی قسم! تو کم ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔"

ابوجہل بولا: "اے بھتیجے! یہ بڑی بری بات ہے کہ تو اپنی نبوت کی بنا پر مجھے دھمکی دیتا ہے۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے ابوجہل لعین اور اس جیسے معاندین کا قول قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ ﴾

"اور (اے نبی!) جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہی ہے وہ جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بے شک وہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے ہی لگا تھا اگر

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 207/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 162، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 136,135.
[2] دلائل النبوة للبيهقي: 284/2، البداية والنهاية: 63/3.

ہم ان (معبودوں کی عقیدت) پر جمے نہ رہتے۔ اور جلد وہ جان لیں گے، جب عذاب دیکھیں گے، کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے؟'' [1]

اسلام کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا ردِ عمل

نبیِ اکرم ﷺ اسلام کی دعوت دینے کے لیے ہر فرد اور ہر قبیلے کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ مختلف محفلوں اور اجتماعات میں تشریف لے جاتے تھے۔ ہر موسم کے تہواروں کے مواقع پر دور ونزدیک کے علاقوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کا فرمان سناتے تھے۔ مالدار، طاقتور، امیر، فقیر، نوجوان، بچے اور بوڑھے، مرد و زن سب کو حسبِ حال مناسب طریقوں سے اسلام کی طرف مائل کرتے تھے۔ طریق کار یہ تھا کہ آپ ﷺ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت فرماتے۔ یہ آیات اللہ عزوجل پر ایمان، آخرت پر ایمان، رسولوں پر ایمان، شرک کی بیخ کنی، درسِ اخلاقیات اور تطہیر نفس کے مضامین پر مشتمل ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح بہت میٹھے اور آسان الفاظ میں فرماتے تھے، پھر مخاطبین کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

اس دعوت کے نتائج مختلف لوگوں پر مختلف مرتب ہوئے۔ کچھ لوگوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا۔ بعض لوگوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا نہ دعوتِ اسلام کی مخالفت کی، نہ مسلمانوں سے کوئی تعرض کیا۔ کچھ لوگ دعوتِ اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جبکہ با اثر مشرکین مسلمانوں کو شدید اذیتیں دے کر اسلام دشمنی کا سفاکانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

مسلمانوں کو ایذا رسانی کے باعث مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین اختلاف بڑھ گیا۔ چونکہ مسلمانوں کا تعلق کسی مخصوص گروہ یا قبیلے سے نہیں تھا، ہر قبیلے اور ہر طبقے سے طرح طرح کے لوگ دمبدم مسلمان ہو رہے تھے، اس لیے مشرکین کی مخالفت کا اسلام کو یہ فائدہ پہنچا کہ اسلام مکہ سے باہر کے علاقے میں دُور دُور تک مشہور ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔

اسلام کا نور پھیلنے سے مشرکین کی عداوت، ظلم وستم اور سختیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ انھوں نے اسلام پر اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ مشرکین کے بڑے بڑے اعتراضات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، آخرت پر ایمان، نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن کے نزول کے بارے میں تھے۔ ان میں سے چند اعتراضات اور ان کے جوابات یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

[1] تفسیر الخازن، الفرقان 25:41، 42۔

اللہ عزوجل کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ

مشرکین اللہ عزوجل کا انکار نہیں کرتے تھے۔ اسے خالق و مالک مانتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (لقمٰن 25:31)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے!''

لیکن ساتھ ہی وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ عقیدہ ان کے آباء و اجداد نے اپنے اردگرد کے علاقوں کے لوگوں سے متاثر ہو کر اختیار کیا تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اس عقیدے کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (الزمر 3:39)

''اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب تر کر دیں۔''

مشرکین مکہ کے نزدیک صرف ایک الٰہ کی عبادت بڑے تعجب کی بات تھی، چنانچہ ان کا یہ اعتراض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نقل فرمایا:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ ﴾ (صٓ 5:38)

''کیا اس (نبی) نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا؟ بے شک یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔''

اللہ عزوجل کے بارے میں ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جن اور فرشتے اس کے شریک کار ہیں۔ بعض گمراہ کہتے تھے کہ یہ اس کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان لغو اعتقادات کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:151، 152)

''خبردار! بلاشبہ یہ لوگ اپنی طرف سے من گھڑت بات کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔''

ان لوگوں کے بے بنیاد اور من گھڑت اعتقاد پر مبنی اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ﴾

(الأنعام 6:100)

''اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، حالانکہ اللہ ہی نے تو انھیں پیدا کیا ہے اور انھوں نے بغیر کسی علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بلند تر ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔''

﴿ اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ۝ ﴾

(بنيٓ إسرآءيل 17:40)

''کیا تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لیں؟ بلاشبہ تم ایک بڑی (نازیبا اور سنگین) بات کہتے ہو۔''

﴿ وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓـئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ۝ ﴾

(الزخرف 19:43)

''اور انھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں، (رحمٰن کی) بیٹیاں ٹھہرا دیا ہے۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی ضرور لکھی جائے گی اور ان سے (اس کی) پوچھ گچھ ہوگی۔''[1]

مشرکین مکہ کا اللہ عزوجل کے بارے میں یہ عقیدہ صریحاً شرک پر مبنی تھا جو ناقابل معافی جرم ہے لیکن وہ شرک چھوڑنے پر اس لیے تیار نہیں تھے کہ ان کے آباء و اجداد یہی کچھ کرتے آئے تھے، اس لیے وہ اپنے من گھڑت عقیدے ہی کو صحیح سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَـتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ...... ﴾

''اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اسی (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ......۔''[2]

ذوالمجاز نامی بازار میں ابولہب رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام پر یہی کہتا تھا کہ لوگو! ان کی باتیں نہ سنو ورنہ تم اپنے آباء و اجداد کے دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشرکین کا موقف

رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے بارے میں مشرکین کے خیالات آہستہ آہستہ سخت مخالفانہ ہوتے گئے۔ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کے چھینٹے پھینکنا مشرکین کا وتیرہ بن گیا۔ وہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے تھے۔ شاعر، کاہن، جادوگر اور مجنون جیسے گھٹیا القابات سے پکار کر آپ کو اذیت دیتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان لوگوں سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا حکم علی الاعلان سناتے اور بت پرستی کے گھناؤنے عمل اور اس کے سنگین نتائج و عواقب سرعام پوری وضاحت سے بیان فرماتے تھے۔[4]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 228,227/1. [2] لقمٰن 21:31. [3] مسند أحمد: 492/3. [4] السيرة لابن هشام: 289/1.

بشریت رسول ﷺ پر اعتراض

انبیاء ﷺ اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے دور میں ہمیشہ اپنی اپنی قوموں کو توحید ہی کی دعوت دیتے رہے اور اللہ عزوجل کا پیغام پہنچاتے رہے۔

جاہل افراد، قوموں اور قبیلوں نے انبیائے کرام ﷺ کی مخالفت میں نبیوں پر جو اعتراضات کیے، ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ رسالت کا دعویدار تو ہمارے جیسا ہی ایک بشر ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا پیغمبر ایک بشر ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس اعتراض کا ذکر فرمایا ہے۔

قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام پر یہی اعتراض کیا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾

”چنانچہ اس (نوح) کی قوم کے سردار، جنھوں نے کفر کیا، کہنے لگے: یہ تو بس تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہے، وہ تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتوں کو (رسول بنا کر) نازل کرتا۔“ [1]

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے انھیں کہا:

﴿وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

”اور تو ہماری طرح کا بشر ہی تو ہے اور ہم تجھے بلاشبہ جھوٹوں ہی میں سے سمجھتے ہیں۔“ [2]

حضرت موسیٰ و ہارون ﷺ کی قوم نے بھی انھیں یہی کہا:

﴿فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝﴾

”چنانچہ وہ کہنے لگے: کیا ہم اپنی ہی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں جبکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے غلام (ماتحت) ہیں۔“ [3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کی قوموں کے اپنے اپنے نبیوں پر اعتراض کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا

[1] المؤمنون 24:23. [2] الشعراء 186:26. [3] المؤمنون 47:23.

تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝﴾

''چنانچہ ہم نے ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا (اس نے انھیں اس بات کی دعوت دی) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں؟ اور اس کی قوم کے سرداروں نے جنھوں نے کفر کیا اور (ہم سے) آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحالی دی تھی، کہا کہ یہ تو بس تم جیسا ہی ایک بشر ہے، وہ اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو اور وہ اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم اس وقت خسارہ پانے والے ہو گے۔'' [1]

ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسولوں سے مخاصمت کا حوالہ دے کر ان کے اعتراض کا اس طرح تذکرہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾

''یہ اس لیے کہ بے شک ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لاتے تو وہ کہتے: کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے؟ پھر انھوں نے کفر کیا اور (حق سے) منہ موڑا تو اللہ (ان سے) بے پروا ہو گیا اور اللہ بے پروا (اور) بے حد قابل تعریف ہے۔'' [2]

پہلے انبیاء علیہم السلام کی نافرمان قوموں کی طرح مشرکین مکہ کا بھی یہ خیال تھا کہ رسول ان کی طرح انسان نہیں ہو سکتا، یہ بات قرآن نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾

''اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد انھیں ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول (بنا کر) بھیجا ہے؟'' [3]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کا جواب اس سے بعد والی آیت میں اس طرح دیا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝﴾

''کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے۔'' [4]

[1] المؤمنون 23:32-34. [2] التغابن 64:6. [3] بنيٓ إسرآءيل 17:94. [4] بنيٓ إسرآءيل 17:95.

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں معترضین کا اعتراض ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾

''(اے نبی!) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے، وہ سب مرد ہی تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ پہلے جتنے انبیاء گزرے ہیں، وہ سب کے سب بشر تھے، ان میں کوئی فرشتہ نہیں تھا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ نبی اکرم ﷺ کی بشریت ہی کے حوالے سے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟''[3]

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کہلوایا اور اسے قرآن کی زینت بنا دیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے۔''[4]

محمد ﷺ کی رسالت پر دیگر اعتراضات

مشرکینِ مکہ کا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر انسان ہی رسول ہو تو اس کے ساتھ ایک فرشتہ بھی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝﴾

''اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ (آگے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا) اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم

1 الأنبیآء 7:21. 2 تفسیر ابن کثیر، الأنبیآء 7:21. 3 الأنبیآء 34:21. 4 حٰم السجدة 6:41.

اس نبی کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تب بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور ہم انھیں اس شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔" [1]

ان مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ کوئی انسان جو کھاتا پیتا ہو اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝﴾

"اور انھوں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ اس پر فرشتہ کیوں نہ نازل ہوا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا! یا اس پر کوئی خزانہ اتارا جاتا، یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ (پھل) کھاتا۔ اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا: تم تو بس ایک جادو کے مارے شخص کے پیچھے چل رہے ہو۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا بڑا مسکت جواب دیا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝﴾

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، بلاشبہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے اور ہم نے تمھیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا تو کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب (سب کچھ) خوب دیکھ رہا ہے۔" [3]

نبی ﷺ اپنی ذات بابرکات پر کفار و مشرکین کی افترا پردازی کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ خود اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں ان کی افترا پردازی کا ذکر کیا، اس کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی عصمت وفضیلت اُجاگر کی۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہایت غلط اور جاہلانہ باتیں کہتے تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝﴾

"اور انھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کافروں نے

[1] الأنعام 6:8، 9۔ [2] الفرقان 25:7، 8۔ [3] الفرقان 25:20۔

کہا: یہ تو ایک جادوگر (اور) بڑا جھوٹا ہے۔" [1]

ان کے علاوہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کو براہِ راست، کاہن اور مجنون جیسے برے القابات سے پکار کر اذیت دیتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○﴾

"اور انھوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے! یقیناً تو ایک خبطی ہے۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ○﴾

"(اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں۔ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ہیں۔" [3]

مشرکین جب بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی غلط بات کرتے اور انھیں تکلیف دینے کی کوشش کرتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کا خود دفاع کرتا اور انھیں جواب دیتا۔ یوں اس نصرتِ ربانی کی برکت سے نبی ﷺ کی ہمت اور حوصلے کو توانائی ملتی رہی۔ آپ ﷺ نے دعوتِ حق کی راہ میں کٹھن مشکلات کی ذرہ بھر پروا نہیں کی بلکہ نصرتِ ربانی سے آپ کی دعوت و تبلیغ میں مزید قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

کفار رسول اللہ ﷺ کو اس وجہ سے نہیں جھٹلاتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ میں کوئی عیب تھا بلکہ وہ خوب جانتے تھے اور پورا یقین رکھتے تھے کہ یہ نبی اور رسولِ برحق ہیں۔ اس یقین کے باوجود اُن کا محمد ﷺ کو نبی نہ ماننا محض عصبیت اور جہالت کی بنا پر تھا جیسا کہ ابوجہل نے خود تسلیم کیا ہے کہ اللہ کی قسم! بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل برحق ہے لیکن بنوقصی کا معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے بہت سی باتوں کا دعویٰ کیا، ہم نے وہ سب مان لیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک نبی ہے۔ اللہ کی قسم! میں ان کی یہ بات کبھی نہیں مانوں گا۔ [4]

رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ابوجہل اور اس کے ٹولے کے پاس سے گزرے۔ (جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعوت دی تو) ابوجہل کہنے لگا:

يَا مُحَمَّدُ! وَاللّٰهِ! مَا نُكَذِّبُكَ، وَإِنَّكَ عِنْدَنَا لَصَادِقٌ، وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ مَا جِئْتَ بِهِ.

"اے محمد! اللہ کی قسم! ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلا شک و شبہ آپ ہمارے نزدیک نہایت سچے ہیں لیکن

[1] صٓ 4:38. [2] الحجر 6:15. [3] الطور 29:52. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 207/2.

آپ جو دعوت ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، ہم اسے جھٹلاتے ہیں۔"[1]

اس جیسے واقعات سے آپ ﷺ بڑے غمگین ہوتے کیونکہ اس سے وحیِ الٰہی کی تکذیب ہوتی تھی۔ اللہ عزوجل نے مشرکین کے طعن و تشنیع پر ان الفاظ میں گرفت فرمائی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾

"(اے نبی!) ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"[2]

آخرت کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ

مشرکین موت کے بعد آخرت کی زندگی کے منکر تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے، بس یہی سب کچھ ہے۔ آخرت میں دوبارہ زندہ ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ عزوجل نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح مسترد فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"اور انھوں نے کہا: بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو بس گمان کرتے ہیں۔ اور جب انھیں ہماری آیات کی تلاوت سُنائی جاتی ہے جو بالکل واضح اور روشن ہوتی ہیں تو ان کی حجت بس یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے آباء و اجداد کو (زندہ کر کے ہمارے پاس) لاؤ۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمھیں مارتا ہے، پھر وہی تمھیں روز قیامت جمع کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔"[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے بطحاء کے ایک مقام سے ایک بوسیدہ ہڈی اُٹھائی اور اپنے ہاتھ میں مسل مسل کر اسے چورا چورا کرنے لگا، پھر اُس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "کیا اللہ تعالیٰ

[1] تفسير القرطبي، الأنعام 6:33، الشفا للقاضي عياض: 1/39. [2] الأنعام 6:33. [3] الجاثية 45:24-26.

اس کو اس حالت کے بعد بھی زندہ کر دے گا؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! يَبْعَثُ اللّٰهُ هٰذَا، ثُمَّ يُمِيتُكَ، ثُمَّ يُحْيِيكَ، ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ»

''ہاں، اللہ اس کو زندہ کرے گا، پھر وہ تجھے موت دے گا، پھر تجھے (دوبارہ) زندہ کر دے گا، بعد ازاں تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔''[1]

بعض روایات میں اس واقعے میں عاص بن وائل کے بجائے اُبیّ بن خلف کا تذکرہ ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عاص بن وائل اور اُبیّ بن خلف دونوں کے عمل پر سورۂ یٰسٓ کی آخری آیات نازل ہوئی ہوں۔ واللہ اعلم۔[2]

یہ آیات درج ذیل ہیں:

﴿ اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰي ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا۔ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ اس نے کہا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ گلی سڑی ہوں گی؟ آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔ وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ بنا دی، پھر یکایک تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو۔ کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے (انسان) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں! وہی تو (سب کچھ) پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، چنانچہ پاک ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''[3]

[1] تفسير ابن أبي حاتم، تفسير القرطبي، يٰسٓ 36:77، الكامل لابن الأثير: 1/593. [2] تفسير ابن كثير، يٰسٓ 36:77.
[3] تفسير ابن كثير، يٰسٓ 36:77-83، المستدرك للحاكم: 2/429.

قرآن حکیم کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا موقف

کفارِ مکہ قرآن مجید کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہی نہیں مانتے تھے۔ وہ قرآن کریم کو شعراء اور کاہنوں کی باتوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

''بلاشبہ یہ (قرآن) رسول کریم کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔ اور نہ (یہ) کسی کاہن کا قول ہے، تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔ (یہ تو) رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔''[1]

نزولِ قرآن پر اعتراض

قرآن کریم پر اعتراض کرتے ہوئے مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ (وقفے وقفے سے) تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہوتا ہے۔ (تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کی طرح) بیک وقت کیوں نہیں نازل ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا اعتراض اور اس کا جواب نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝﴾

''اور کافروں نے کہا: اس پر یہ قرآن ایک ہی بار اکٹھا کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس سے آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر تدریج واہتمام کے ساتھ اُتارا ہے۔''

اللہ عزوجل نے کفار ومشرکین کے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ ہم نے قرآن کریم کو تیئیس برسوں میں حالات، واقعات اور حادثات کے مطابق نازل کیا ہے تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے دلوں میں اُتر جائے اور مومنوں کے دل اس پر مضبوطی سے جم جائیں۔[2]

[1] الحاقّة 69:40-43. [2] تفسیر ابن کثیر، الفرقان 25:32.

باب 3

تبلیغِ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ کی پرُکشش پیش کش، اسلام سے محبت رکھنے والوں کو دھمکیاں اور حجاج کرام کو نبی ﷺ سے دور رکھنے کے ناکام ہتھکنڈے

”اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔
(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔
اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں
جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔“ (الکٰفرون 109: 1-6)

اس باب میں

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے باز رکھنے کے لیے اہل قریش کے دوسرے وفد کی ابوطالب سے ملاقات، کفارمکہ کی جتھا بندی، رسول اللہ ﷺ سے عتبہ بن ربیعہ کا مکالمہ، قریش کو عتبہ کی نصیحت، ولید بن مغیرہ کی طرف سے سچائی کا اعتراف، کفار کو قرآن کریم کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج، رؤسائے قریش کا چھپ چھپ کر قرآن سننا، نضر بن حارث کی اسلام دشمنی، کفار کی بدزبانی، بآواز بلند قرآن پڑھنے کی ممانعت کا اصل سبب، رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی تبلیغ و دعوت سے روکنے کے لیے کفار کی مکرر پیش کش، کوہِ صفا کو سونے کا پہاڑ بنا دینے کی فرمائش اور متعدد ضمنی و ذیلی موضوعات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قریش کے سوالات کا مسکت جواب شامل ہے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ مادی منفعت و مفادات کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

قریشِ مکہ کی سازشیں

جوں جوں آفتابِ اسلام کی شعاعیں پھیل رہی تھیں، مشرکین مکہ کی پریشانی اور بدحواسی بھی بڑھتی جا رہی تھی، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے دوبارہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔

ابوطالب کے پاس دوسرے قریشی وفد کی آمد

یہ بات شروع ہی میں عرض کی جا چکی ہے کہ ہر چند سردار ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے مگر اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع اور حمایت میں ہمیشہ بڑے مستعد رہتے تھے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ دین میں کسی دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزرتی تھی۔ اس صورتحال کے باعث مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان کھچاؤ بڑھنے لگا۔ قرابتیں عداوتوں میں اور محبتیں کدورتوں میں بدلنے لگیں۔ بعض کفار تو رسول اللہ ﷺ سے لڑائی جھگڑے اور مقاطعے پر بھی اتر آئے۔ اس صورتحال کے پیش نظر قریش نے آپس میں پھر مشورہ کیا۔ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا:

> ''اے ابوطالب! یقیناً آپ ہم میں عمر رسیدہ ہیں۔ بڑے شرف و منزلت والے ہیں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے اسے ہمارے عقائد کی مخالفت سے نہیں روکا۔ اللہ کی قسم! ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء و اجداد کو برا کہا جائے، ہمارے داناؤں کو بیوقوف ٹھہرایا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں۔ آپ اسے روک لیں، بصورتِ دیگر مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں، ہم اس کے اور آپ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک گروہ ہلاک و ناکام ہو جائے۔''

وہ اسی طرح کی دھمکی آمیز باتیں کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ ابوطالب کو اپنی قوم کی دشمنی اور درشتی گراں گزری۔ وہ تمام قریشیوں کی مخالفت کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے اور آپ کو بے یار و مددگار

چھوڑنے پر کسی طور آمادہ نہ ہوئے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: قریش کے لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''آپ کے بھتیجے نے تو اب حد کر دی ہے۔ ہمیں ہماری ہی مجلسوں اور عبادت گاہوں میں تکلیف دینی شروع کر دی ہے، لہٰذا اسے روکیے۔'' ابوطالب نے مجھ سے کہا: ''اے عقیل! جاؤ محمد (ﷺ) کو میرے پاس بلا لاؤ۔'' چنانچہ عقیل رضی اللہ عنہ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ کو آپ کے چچا جان نے بلایا ہے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ چچا جان کے بُلاوے پر آپ ﷺ گرمی کی شدت کے باوجود تشریف لائے۔

جب آپ ﷺ قوم کے پاس آئے تو ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا: ''اے میرے پیارے بھتیجے! تمھاری قوم کے یہ لوگ میرے پاس آئے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ تم ان کی مجلسوں اور عبادت گاہوں میں انھیں برا بھلا کہتے ہو، چنانچہ تم انھیں تکلیف دینے سے رک جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی اور فرمایا: ''کیا تم یہ سورج دیکھ رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں!'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَا أَنَا بِأَقْدَرَ أَنْ أَدَعَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ عَلٰى أَنْ تَشْتَعِلُوا مِنْهَا بِشُعْلَةٍ»

''اگر تم اس (سورج) کا ایک شعلہ بھی لے آؤ، تب بھی میں تمھیں دعوت دینا نہیں چھوڑ سکتا۔''[2]

ابوطالب نے سردارانِ قریش سے کہا: ''میرے بھتیجے نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی، لہٰذا تم لوگ واپس چلے جاؤ۔''

امام ابن ہشام، ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ قریش نے جب ابوطالب سے اپنی باتیں کر لیں تو ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو بلایا اور کہا: ''اے میرے بھتیجے! تمھاری قوم میرے پاس آئی ہے اور انھوں نے یہ یہ باتیں کہی ہیں ...... جو قوم نے کہا تھا وہ بتلایا ...... لہٰذا مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ تمھاری قوم تمھاری جن باتوں کو ناپسند کرتی ہے، ان سے رک جاؤ۔ ان باتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی ہے۔ (ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی کمزوری، معذوری اور مجبوری بتائی تو) آپ ﷺ کو گمان گزرا کہ شاید چچا ابوطالب نے اپنے طور پر کوئی فیصلہ کر لیا ہے اور وہ میرے لیے اپنی حمایت اور دفاع سے دستبردار ہو گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 266,265/1، البداية والنهاية: 46,45/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 187,186/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 144، واللفظ له.

«يَا عَمّ! وَاللّٰهِ! لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ، مَا تَرَكْتُهُ»

''چچاجان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند (بھی) رکھ دیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں، تب بھی میں دعوتِ دین سے باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔''

یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ اٹھے اور چل دیے۔ جناب ابوطالب نے جب آپ ﷺ کو جاتے دیکھا تو آپ کو آواز دے کر واپس بلایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے کہا:

اِذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِي! فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ، فَوَاللّٰهِ! لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا.

''اے بھتیجے! جاؤ جو جی میں آئے کہو، اللہ کی قسم! میں تمھیں کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔''[1]

نبی ﷺ کی حمایت میں ابوطالب کے اشعار

قریش جب ابوطالب سے مایوس ہو کر لوٹے اور ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو کفار کے مقابلے میں دفاع کرنے کا یقین دلایا تو ان پُر خطر حالات میں انھوں نے آپ ﷺ کے تحفظ و دفاع کا عزم دہرایا اور آپ ﷺ کی دعوتِ حق کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے یہ شعر کہے:

وَاللّٰهِ! لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ ... حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

''اللہ کی قسم! یہ سب مل کر بھی تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے یہاں تک کہ میری لاش دفن ہو جائے اور مٹی میرا بچھونا بن جائے۔''

فَامْضِ لِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ ... أَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

''(اے محمد!) تم اپنا مشن جاری رکھو، تم پر ہرگز کوئی ملامت نہیں۔ خوش رہو اور اس معاملے سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی اور پرسکون رہیں۔''

وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي ... فَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ أَمِينَا

[1] السيرة لابن إسحاق:1/196، السيرة لابن هشام:1/266، البداية والنهاية:3/46.

''تم نے مجھے دعوت دی ہے اور تم بجا طور پر باور کرتے ہو کہ تم میرے ناصح اور خیر خواہ ہو۔ یقیناً تم بالکل سچ کہتے ہو اور تم امین ہو۔''

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حَذَارِي سُبَّةً لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينًا

''اگر مجھے ملامت اور عار کا خوف نہ ہوتا تو تم مجھے یقیناً اپنا کھلا ہم نوا اور تابعِ فرمان پاتے۔''[1]

ان اشعار میں ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت کا پورا پورا یقین دلا دیا۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ جاری رکھنے میں آپ کی بھر پور حوصلہ افزائی کی اور خود اسلام قبول نہ کرنے کے سلسلے میں اپنی معذوری اور مجبوری بھی بیان کر دی۔

ابوطالب کے پاس تیسرے قریشی وفد کی آمد

جب مشرکین مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے روکنے کی دوسری کوشش بھی ناکام ہوگئی ہے اور ہماری کسی دھمکی اور درشتی کا ابوطالب پر کوئی اثر نہیں ہوا، نہ ابوطالب نے محمد (ﷺ) کے دفاع سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، نہ وہ انھیں ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہیں بلکہ اُن کو پہلے سے بھی زیادہ پشت پناہی کا یقین دلا دیا ہے تو قریش نے تیسری بار کوشش کرنے کی ٹھانی۔ اس مرتبہ انھوں نے ابوطالب کو لالچ دینے کے لیے اپنے وفد میں ولید بن مغیرہ کے جواں سال خوبرو اور توانا بیٹے عُمارہ کو بھی شامل کر لیا۔

قریش اس بار ابوطالب کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے: ''اے ابوطالب! ہم آپ کے پاس قریش کے نوجوان عمارہ بن ولید کو لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ نوجوان حسن و جمال، عنفوان شباب اور قوت و توانائی کے اعتبار سے مکہ بھر میں ضرب المثل ہے۔ ہم اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسے اپنا فرزند بنا لیجیے۔ یہ ہر میدان اور ہر معرکے میں آپ کا دست و بازو ہوگا۔ اگر اسے قتل کیا گیا تو ساری دیت پر صرف آپ ہی کا حق ہوگا، ہمارا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، بس اس کے بدلے میں یہ کیجیے کہ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان سے ہٹ جائیے اور اسے ہمارے حوالے کر دیجیے۔ اس نے آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے دین سے دشمنی باندھ رکھی ہے۔ قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وہ قوم کے بہترین اور عقلمند لوگوں کو احمق کہتا ہے۔ ہم آپ کو ایک آدمی کے بدلے دوسرا آدمی دے رہے ہیں۔ آپ محمد (ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دیجیے تا کہ ہم اسے ٹھکانے لگا کر اس سے چھٹکارا حاصل

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 188/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 118.

کرلیں۔ ایسا کرنا قوم کی وحدت کے لیے ضروری اور ان معاملات کو انجام تک پہنچانے کا مناسب حل اور بہترین اختتام ہے۔''

ابوطالب نے یہ پیش کش حقارت سے مسترد کردی۔ انھوں نے سردارانِ قریش کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا:

وَاللّٰهِ! مَا أَنْصَفْتُمُونِي، تُعْطُونِي ابْنَكُمْ أَغْذُوهُ لَكُمْ، وَأُعْطِيكُمُ ابْنَ أَخِي تَقْتُلُونَهُ، هٰذَا وَاللّٰهِ! لَا يَكُونُ أَبَدًا، أَفَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ النَّاقَةَ إِذْ فَقَدَتْ وَلَدَهَا لَمْ تَحْنِ إِلٰى غَيْرِهِ.

''اللہ کی قسم! تم نے یہ پیش کش کر کے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ تم مجھے اپنا بیٹا اس لیے دے رہے ہوتا کہ میں تمھاری خاطر اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلے اپنا بھتیجا تمھارے حوالے کردوں تا کہ تم اسے قتل کرڈالو۔ واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب اونٹنی اپنا بچہ کھو دیتی ہے تو کسی دوسرے بچے سے پیار نہیں کرتی۔''

مطعم بن عدی کا ابوطالب کو مشورہ

جب ابوطالب نے وفدِ قریش کو کھرا کھرا جواب دیا اور ان کی خوش نما پیش کش ٹھکرا دی تو بنونوفل کا سردار مطعم بن عدی کہنے لگا: ''اے ابوطالب! اللہ کی قسم! تمھاری قوم نے تو تم سے کمال انصاف کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ تمھیں اس الجھن سے نکالا جائے جو خود تمھیں بھی ناپسند ہے مگر تم نے یہ منصفانہ پیش کش ٹھکرا کر ثابت کر دیا ہے کہ

عمِ نبی ابوطالب سے منسوب گھر (مکہ مکرمہ)

تم مفاہمت نہیں چاہتے۔"

ابوطالب نے مطعم سے کہا: تم لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ تم نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور میرے خلاف قوم کی مدد کرنے کا عزم کر لیا ہے تو یہ بڑی زیادتی کی بات ہے۔ جاؤ! اب جو کرنا چاہتے ہو، کر دیکھو۔

ان حالات میں یہ معاملہ پیچیدہ بلکہ سنگین ترین ہو گیا۔ لڑائی جھگڑوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ دشمنی کی لہروں میں تیزی آ گئی اور ایک دوسرے کی کھل کر مخالفت ہونے لگی۔ [1]

ابوطالب کا اپنے حلیفوں سے گلہ

اس موقع پر مطعم بن عدی اور اس کے ہم نواؤں کے بارے میں ابوطالب نے جو اشعار کہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

أَلَا قُلْ لِعَمْرٍو وَّالْوَلِيدِ وَمُطْعِمٍ   أَلَا لَيْتَ حَظِّي مِنْ حِيَاطَتِكُمْ بَكْرُ

"جاؤ! عمرو، ولید اور مطعم کو بتا دو کہ کاش! تمھارے نسب اور قرابت کے بدلے میں جوان اونٹ میرے نصیب میں ہوتا۔"

مِنَ الْخُورِ حَبْحَابٌ كَثِيرٌ رُّغَاؤُهُ   يُرَشُّ عَلَى السَّاقَيْنِ مِنْ بَوْلِهِ قَطْرُ

"(ایسا اونٹ) جو کمزور اور ٹھگنا ہو اور اس کی بلبلاہٹ کا شور برپا ہوتا ہو اور (بیماری کی وجہ سے) اس کے پیشاب کے قطرے اس کی پنڈلیوں پر پڑتے ہوں۔"

تَخَلَّفَ خَلْفَ الْوِرْدِ لَيْسَ بِلَاحِقٍ   إِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءَ قِيلَ لَهُ وَبْرُ

"جو پانی کے گھاٹ پر بھی بہت پیچھے رہتا ہو۔ جب وہ (پہاڑی کی) چوٹی پر چڑھے تو اس کے بارے میں کہا جائے کہ یہ تو وبر (نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا چھوٹا سا جانور) ہے۔"

أَرَى أَخَوَيْنَا مِنْ أَبِينَا وَأُمِّنَا   إِذَا سُئِلَا قَالَا إِلَى غَيْرِنَا الْأَمْرُ

"میں اپنے ماں باپ جائے بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ جب ان دونوں سے پوچھا گیا تو کہنے لگے: یہ معاملہ ہمارے بجائے دوسروں کا ہے۔"

بَلَى لَهُمَا أَمْرٌ وَّلٰكِنْ تَجَرْجَمَا   كَمَا جُرْجِمَتْ مِنْ رَّأْسِ ذِي عَلَقٍ صَخْرُ

[1] السيرة لابن إسحاق: 195,194/1، السيرة لابن هشام: 267,266/1، البداية والنهاية: 46/3.

"کیوں نہیں! بلکہ یہ معاملہ ان دونوں کا بھی تھا لیکن وہ (اپنی سطح سے) یوں لڑھک گئے جیسے ذی علق پہاڑ کی چوٹی سے پتھر لڑھک جاتا ہے۔"[1]

دراصل ان اشعار میں ابوطالب نے اپنے حلیفوں سے گلہ کیا ہے کہ تمھیں تو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن تم اُلٹے میرے ہی خلاف ہوگئے اور دوسرے لوگوں کو بھی میری مخالفت پر اُکسا رہے ہو۔ یہ اقدام انصاف اور تمھارے وقار کے منافی ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کی پُرکشش تجاویز

کفار مکہ کے سرداروں کے جتنے بھی وفود ابوطالب کے پاس گئے، وہ سب اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہی لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ کی مقدس دعوتی جدوجہد میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ آپ ﷺ دین حنیف کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ دل و دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ تن من دھن سے بدستور ادا کرتے رہے۔ جوں جوں اسلام اور اس کی حقانیت کا نور پھیلتا جارہا تھا، مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی بڑھتی جارہی تھی۔

ابوطالب سے مایوس ہونے کے بعد بت پرستوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست مذاکرات کیے جائیں اور انھیں پرکشش ترغیبات دے کر اشاعتِ اسلام سے روکا جائے۔

عتبہ بن ربیعہ رؤسائے قریش میں بڑا ممتاز رئیس تھا۔ ایک دن حرمِ مکی میں محفل جمی ہوئی تھی۔ اُس میں یہ بھی موجود تھا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ بھی ایک گوشے میں تشریف فرما تھے اور یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ عتبہ کہنے لگا: اے گروہ قریش! کیا میں محمد (ﷺ) کی طرف نہ جاؤں، ان سے بات کروں، انھیں چند تجاویز پیش کروں، شاید وہ کوئی تجویز قبول کرلیں اور ہم اسے پورا کردیں، یوں وہ اپنے دین کی اشاعت سے باز آجائیں۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ قریش ایک دن جمع ہوئے اور کہنے لگے: غور کرو! ایسا کون شخص ہے جو سب سے زیادہ جادو، کہانت اور شعروشاعری جانتا ہو تاکہ وہ اس شخص (محمد ﷺ) سے بات کرے جس نے ہماری وحدت پارہ پارہ کر دی ہے، ہمارے معاملات تلپٹ کردیے ہیں اور ہمارے دین کو عیب دار بنا دیا ہے، کسی ماہر شخص ہی کو محمد (ﷺ) کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے کہا: "یہ کام عتبہ بن ربیعہ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔" چنانچہ لوگوں نے عتبہ بن ربیعہ کو رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کا اختیار دے دیا۔

[1] السيرة لابن إسحاق:195/1، السيرة لابن هشام:268,267/1، البداية والنهاية:46/3. [2] السيرة لابن إسحاق:242/1، السيرة لابن هشام:293/1.

عتبہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے سوال کیا: اے محمد (ﷺ)! آپ بہتر ہیں یا عبداللہ بہتر تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ عتبہ نے دوبارہ آپ ﷺ کو مخاطب کیا اور پوچھا: کیا آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پھر پوچھا: آپ بہتر ہیں یا ہاشم بہتر تھے؟ اس سوال پر بھی رسول اللہ ﷺ بدستور خاموش رہے۔ عتبہ بولا: اگر آپ کا خیال ہے کہ یہ لوگ آپ سے بہتر تھے تو وہ انھی معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن کی آپ عیب جوئی کرتے ہیں اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو اپنی بات اچھی طرح اُجاگر کریں تاکہ ہمیں بھی پتہ چلے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔[1]

عتبہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: اے بھتیجے! آپ جانتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلے میں ہم سب سے زیادہ صاحبِ شرف و منزلت ہیں۔ بہترین نسب والے ہیں۔ آپ اتنا بڑا معاملہ لائے ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ نے بزرگوں کے دین سے انکار کر دیا ہے۔ آپ کی قوم میں سے کوئی بھی اس طرح کی چیز لے کر نہیں آیا۔ اے بھتیجے! اب میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں، ان پر غور فرمائیں۔ شاید آپ ان میں سے کوئی تجویز قبول کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوالولید! کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تمھاری بات سننے کے لیے تیار ہوں۔''

عتبہ کہنے لگا: اے میرے بھتیجے! جو چیز آپ پیش کر رہے ہیں اگر اس سے آپ کا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ امیر ہو جائیں گے۔ اگر آپ کا مقصد جاہ و منزلت ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی فیصل نہ ہوگا۔ اگر آپ بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کسی ایسے جن کو دیکھتے ہیں جو آپ کے پاس یہ چیز لے کر آتا ہے اور آپ اسے دور کرنے سے قاصر ہیں تو ہم خود اپنے خرچ پر آپ کے علاج معالجہ کا اہتمام کریں گے تاکہ آپ اس سے نجات پا جائیں کیونکہ بعض دفعہ جن آدمی پر غلبہ پا لیتا ہے، پھر اس کا علاج ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پیش کش کی کہ اگر آپ شادی کرنے کے خواہش مند ہیں تو ہم دس لڑکیوں سے آپ کی شادی کرانے کو تیار ہیں۔ قریش کی جس خوبرو دوشیزہ کو آپ اپنانا چاہیں گے، ہم بخوشی اس سے آپ کی شادی کر دیں گے۔[2]

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :230/1. [2] السيرة لابن إسحاق :242/1، السيرة لابن هشام :294,293/1، دلائل النبوة لأبي نعيم :231/1.

دولت، حکومت اور عورت یہ وہ تین چیزیں ہیں جن کے پیچھے ہر دور کے انسان دیوانہ وار بھاگتے ہیں مگر چشمِ تاریخ نے یہ منظر جزیرہ نمائے عرب ہی میں دیکھا کہ مشرکین مکہ ان تینوں چیزوں کی پیش کش لے کر رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ پر پہنچے مگر آپ ﷺ نے ان تینوں چیزوں کو پوری شانِ بے نیازی سے نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

مشرکین یہ ساری پیش کشیں کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوالولید عتبہ سے دریافت فرمایا: ''اے ابوالولید! کیا تم اپنی بات پوری کر چکے؟'' ابوالولید نے کہا: جی ہاں! میں نے اپنی بات مکمل کر لی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَاسْمَعْ مِنِّي» ''اب تم مجھ سے سنو!'' عتبہ کہنے لگا: فرمائیے میں سننے کے لیے تیار ہوں۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سورۂ فُصِّلَتْ (حٰمٓ السجدة) کی تلاوت فرمائی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۚ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1-13)

''شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اس حال میں کہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ موڑ لیا تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں اور ہمارے اور

تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی ہے، لہٰذا اس کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے، جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ رکھا، یہ (کام) چار دنوں میں (ہوا)، پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہوگیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا۔ تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ، تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ پھر اس نے انھیں دو روز میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی فرما دی اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت بخشی اور (اس کی خوب) حفاظت کی۔ یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔''

ان آیات کا سننا تھا کہ عتبہ سخت خوفزدہ ہو گیا۔ وہ رحم کی التجا کرنے لگا اور کہنے لگا: بس کیجیے۔ ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پوچھا: کیا آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر کلامِ الٰہی پڑھنا شروع کیا۔ عتبہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیک دیے اور دم بخود ہو کر سنتا رہا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے سورۂ فُصِّلَتْ کی آیات سجدے تک تلاوت فرمائیں، پھر خود سجدہ کیا۔ بعد ازاں عتبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«قَدْ سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ! مَا سَمِعْتَ فَأَنْتَ وَ ذَاكَ»

''اے ابوالولید! تمھیں جو سننا تھا، وہ تم نے سن لیا۔ اب تم جانو اور یہ (قرآن) جانے۔''

کفارِ قریش کو عتبہ کی نصیحت

عتبہ رسول اللہ ﷺ سے کلامِ الٰہی سن کر پلٹا تو قریش اُسے واپس آتے دیکھ کر چونک اُٹھے۔ وہ آپس میں قیاس آرائی کرنے لگے۔ بعض کہنے لگے: اللہ کی قسم! عتبہ جو آ رہا ہے، یہ وہ عتبہ نہیں جو گیا تھا اس کا تو چہرہ ہی بدلا ہوا ہے۔

عتبہ ان کے پاس آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ لوگ پوچھنے لگے: اے ابوالولید! کیا خبر ہے؟ عتبہ بولا: اللہ کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کلام زندگی بھر نہیں سنا۔ واللہ! نہ تو وہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کہنے لگا: کعبہ کے رب کی قسم! میری سمجھ میں اس کے سوا کچھ نہیں آیا، اس نے کہا: ''میں تمھیں ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔'' بس اتنی ہی بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ قریشیوں نے کہا: تو برباد ہو! محمد (ﷺ) تجھ سے عربی میں ہم کلام ہوئے ہیں، پھر بھی تجھے پتہ نہیں چلا کہ انھوں نے کیا کہا۔ عتبہ نے کہا: واللہ! میں کچھ نہیں سمجھ سکا، سوائے آسمانی کڑک کے ذکر کے۔

پھر عتبہ بن ربیعہ نے ناصحانہ انداز میں کہا: اے قریش! میری بات سنو اور اس پر عمل کرو۔ محمد (ﷺ) کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جو کچھ وہ لائے ہیں، اس کی راہ سے ہٹ کر کنارہ کشی اختیار کرلو۔ اللہ کی قسم! جو کلام میں نے سنا ہے، یقیناً اس کا بہت عظیم نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دیگر قبائل ان سے جنگ کر کے ان کا خاتمہ کر دیں تو تمھارا مطلب خود بخود کوئی تکلیف اُٹھائے بغیر ہی پورا ہوجائے گا اور اگر انھوں نے سارے عرب پر غلبہ پالیا اور ان پر اپنی حکومت قائم کر لی تو وہ سراسر تمھاری ہی حکومت ہوگی۔ وہ عزت جو اس وقت انھیں نصیب ہوگی، وہ لامحالہ تمھارے حصے میں بھی آئے گی۔ اگر ایسا ہوا تو تم ان کی وجہ سے سب لوگوں سے زیادہ خوش نصیب ٹھہرو گے۔

یہ بات سن کر کفار طیش میں آگئے اور کہنے لگے: اے ابوالولید! محمد (ﷺ) نے اپنی چرب زبانی سے جادو کر کے تمھیں اپنا فریفتہ بنا لیا ہے۔ عتبہ بولا: میں نے تمھیں تمھارے ہی فائدے کے لیے مشورہ دیا ہے، اب تم جو چاہو کرو۔

عتبہ کو ابوجہل کے طعنے

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے بعد عتبہ سیدھا اپنے گھر چلا گیا اور کئی دن تک قریشیوں سے ملنے نہ آیا۔ ابوجہل کہنے لگا: اے گروہ قریش! میرا خیال ہے کہ عتبہ بے دین ہوکر محمد (ﷺ) کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے لذیذ کھانوں نے عتبہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، یا وہ کسی ایسی ضرورت سے دو چار ہے جو محمد (ﷺ) کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ اے گروہ قریش! چلو عتبہ کے پاس چلتے ہیں۔

جب یہ لوگ عتبہ کے پاس پہنچے تو ابوجہل کہنے لگا: اے عتبہ! واللہ! ہمارا خیال ہے کہ تو صابی ہوگیا ہے اور محمد (ﷺ) کے دین اور ان کے معاملے نے تجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اگر تیری کوئی ضرورت ہے تو بتا، ہم تیرے لیے مال جمع کرتے ہیں۔ ہمارا مال تجھے محمد (ﷺ) کے کھانے سے بے نیاز کر دے گا۔

عتبہ یہ باتیں سن کر بھڑک اُٹھا، کہنے لگا کہ آج کے بعد میں محمد (ﷺ) سے قطعاً کلام نہیں کروں گا۔ تمھیں اچھی

طرح معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں۔ میں نے محمد (ﷺ) کو ایک قصہ سنایا تھا مگر انھوں نے مجھے ایسی باتوں سے لاجواب کردیا کہ اللہ کی قسم! وہ جادو ہیں نہ شعر اور نہ کہانت!

انھوں نے یہ آیات تلاوت کیں: ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1-3) ”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان (اور) بہت رحم فرمانے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اس حال میں کہ یہ قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“ پھر انھوں نے عاد اور ثمود پر عذاب جیسی کڑک سے ڈرایا۔ اس موقع پر میں نے ان کے لب پر ہاتھ رکھ کر رحم کی درخواست کی کہ بس اب رک جائیے۔ یقیناً تم لوگ خوب جانتے ہو کہ بلاشبہ محمد (ﷺ) جب بھی کوئی بات کرتے ہیں، وہ کبھی جھوٹی ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ میں ڈر گیا مبادا تم پر عذاب نازل ہو جائے۔[1]

دشمن اسلام ولید بن مغیرہ

مسلمانوں کا ایک اور بڑا حریف ولید بن مغیرہ تھا۔ یہ ابوجہل کا حقیقی چچا اور قریش کا انتہائی زیرک آدمی تھا۔ پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سُلجھانے کے لیے قریش اسی سے رجوع کرتے تھے۔[2]

اللہ جل شانہ نے اسے بڑی نعمتوں اور شان و شوکت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے پاس ایک لاکھ دینار نقد موجود تھے۔[3] اس کے علاوہ بھی اس کے پاس بڑا قیمتی تجارتی مال و متاع موجود تھا۔ اس کی دولت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر تمام قریش کے پاس جتنی دولت تھی، اُتنی ہی دولت تنہا ولید بن مغیرہ کے پاس تھی۔ قریش اکٹھے مل کر ایک سال بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے تھے تو اگلے سال ولید بن مغیرہ اکیلا ہی غلاف چڑھاتا تھا۔[4] اس کے دس بیٹے تھے۔ ایک اور روایت میں اس کے تیرہ بیٹے بتائے گئے ہیں۔ یہ سب بیٹے اس کے آس پاس حاضر رہتے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے

غلاف کعبہ کی تبدیلی کا منظر

[1] السيرة لابن إسحاق: 243/1، السيرة لابن هشام: 294/1، دلائل النبوة للبيهقي: 2/202-206، دلائل النبوة لأبي نعيم: 231/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 133-135، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 159-162. [2] أنساب الأشراف: 150/1، الأعلام للزركلي: 122/8. [3] تفسير ابن كثير، المدثر 12:74. [4] الكامل لابن الأثير: 592/1، أنساب الأشراف: 150/1.

اس کے بیٹوں کو تجارت کی غرض سے دوسرے علاقوں میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ ولید بن مغیرہ اپنا مال اپنے غلاموں اور نوکروں چاکروں کے ذریعے سے بغرضِ تجارت دوسرے علاقوں میں بھیجتا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان عظیم احسانات کا شکر ادا کرنے کے لیے اس پر لازم تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیتا مگر یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا دشمن بن گیا اور مسلمانوں سے معاندانہ رویہ اپنا کر اسلام کی توہین کرنے لگا۔[1] یہ بدبخت آپ کو پریشان کرنے کے لیے ہر وقت طرح طرح کے حربے سوچتا رہتا تھا۔

ولید بن مغیرہ کا اعترافِ صداقت

ولید بن مغیرہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! مجھے قرآن سنائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے رُو برو اس آیتِ مقدسہ کی تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾ (النحل 16:90)

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

ولید کہنے لگا: ذرا دوبارہ پڑھیے! رسول اللہ ﷺ نے اسی آیت کی دوبارہ تلاوت فرمائی۔[2] ایک روایت کے مطابق جب سورۂ غافر (المؤمن) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد الحرام میں اس کی تلاوت فرمائی۔[3] بعد ازاں ولید بن مغیرہ یہ آیات سن کر بنو مخزوم کی مجلس کی طرف لوٹ گیا اور اہلِ مجلس سے کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں ابھی ابھی محمد (ﷺ) سے ایسا کلام سن کر آرہا ہوں جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کے کلام (قرآن) میں بڑی شیرینی ہے۔ اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے۔ اس کی ٹہنیاں بڑی ثمر آور ہیں۔ اس کلام میں بڑی قبولیت اور جاذبیت موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر ولید بن مغیرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور قرآن کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے قرآن کی عظمت وصداقت واضح کی تو وہ پھر قریش کی مجلس میں گیا اور کہنے لگا: اللہ اللہ! وہ کتنی انوکھی اور کیسی حیرت انگیز بات ہے جو ابن ابی کبشہ (ابن عبدالمطلب) کہتا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ شاعر ہے نہ مجنون ہے، نہ جادوگر ہے۔ اس کی زبان سے جو صادر ہو رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے۔[4] یہ بات کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

قریش کہنے لگے: ولید صابی ہو گیا ہے، واللہ! اگر ولید صابی ہو گیا تو تمام قریش صابی ہو جائیں گے کیونکہ ولید بن

[1] تفسير ابن أبي حاتم، المدثر 74:11-17، تفسير ابن كثير، المدثر 74:11-30. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 2/199. [3] سبل الهدى والرشاد: 2/354. [4] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/233.

مغیرہ کو قریش میں ریحان (خوشبو) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

ابوجہل بولا: اے قریش! حوصلہ رکھو، میں تم سب کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے پاس جاتا ہوں اور اصل صورتحال معلوم کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوجہل پریشانی کی حالت میں ولید کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اے چچا جان! تمھاری قوم تمھارے لیے مال جمع کرنا چاہتی ہے کیونکہ تم محمد (ﷺ) کے پاس جا کر اس چیز کے پیچھے پڑ گئے ہو جو اُن کے پاس ہے۔[1]

ولید نے کہا: یقیناً قریش کو معلوم ہے کہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر مالدار ہوں۔ ابوجہل بولا: پھر ایسی بات کہو جس سے قریش کو پتہ چل جائے کہ تم محمد (ﷺ) کو ناپسند کرتے اور اس کا انکار کرتے ہو۔ ولید نے بے بسی سے کہا: میں تمھیں کیا بتاؤں۔ اللہ کی قسم! تمام لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی شاعری، ہجو اور قصیدہ گوئی کا ماہر نہیں، نہ کوئی مجھ سے زیادہ جنوں کے شعر جاننے والا ہے۔ لیکن اللہ کی قسم! جس طرح کا کلام محمد (ﷺ) پڑھتے ہیں، وہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ وہ کلام ان باتوں میں سے کسی سے بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ اللہ کی قسم! جو کلام محمد (ﷺ) پڑھتے ہیں، اس میں بڑی دل کشی اور خوبصورتی ہے، اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے، اس کی ٹہنیاں بڑی ثمر بار ہیں اور اس کے قبول کرنے میں بڑی کشش و جاذبیت ہے۔ اس کلام کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ بڑا بلند پایہ اور اعلیٰ و ارفع کلام ہے۔ یہ کلام مقابلہ کرنے والے کو توڑ کر رکھ دے گا۔

ابوجہل کہنے لگا: تمھاری قوم تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگی جب تک تم اس کے بارے میں کوئی عندیہ ظاہر نہ کرو۔

ولید کہنے لگا: مجھے تنہا چھوڑ دو اور موقع دو تاکہ میں کچھ سوچ سکوں، پھر بڑی سوچ بچار کے بعد وہ بولا:

هٰذَا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ، يَأْثِرُهُ عَنْ غَيْرِهِ.

''یہ (قرآن) تو ایک نقل شدہ جادو ہے جو آپ (ﷺ) کسی دوسرے سے نقل کرتے ہیں۔''

اللہ عزوجل نے سورۂ مدثر میں یہ سارا ماجرا بیان فرما دیا۔ ولید بن مغیرہ کو زجر و توبیخ کی اور عذاب شدید سے ڈرایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 354/2.

﴿وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾ (المدثر 74:11-30)

”مجھے اور اُسے تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔ اور اسے وافر مال دیا۔ اور حاضر باش بیٹے (دیے)۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے مزید دوں۔ ہرگز نہیں! بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت عناد رکھتا ہے۔ میں اسے جلد مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا۔ بے شک اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا۔ سو وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر وہ مارا جائے کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے۔ میں جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا۔ اور آپ کیا سمجھتے ہیں، سقر کیا ہے؟ وہ باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی۔ (وہ) چمڑا جھلسا دینے والی ہے۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔“ [1]

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ پر ابوجہل کا احمقانہ تبصرہ

قرآن حکیم نے ولید بن مغیرہ کا سارا ماجرا بیان کیا اور اس کی پاداش میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بتایا اور اس (جہنم) کے انیس کوتوالوں کا ذکر کیا تو بعض مفسرین کے مطابق ابوجہل کہنے لگا: اے گروہ قریش! تم اتنی بڑی تعداد میں ہو، کیا تمھارے دس افراد ان کوتوالوں میں سے ایک پر بھی قابو نہیں پاسکیں گے تاکہ تم اس پر غالب آ جاؤ؟ ابوجہل کے اس احمقانہ تبصرے پر اللہ ذوالجلال نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً......﴾ (المدثر 74:31)

”اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں......“

یعنی ان فرشتوں پر قابو پانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ [2]

کلدہ بن اسید کی جہالت

ابوالاشُدّین (ابوالاسدین) کلدہ بن اسید بن خلف جُمَحی وہ شخص تھا جس نے استہزا کی صورت میں اسلام کی دعوت میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی یہاں تک کہ اسے کفر ہی کی حالت میں موت آئی۔ [3] جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾ [4] تو اس پر کلدہ جمحی نے بڑی ڈینگ ماری۔ وہ بڑا طاقتور تھا اور اپنی طاقت پر

[1] المستدرك للحاكم: 2/507,506، دلائل النبوة للبيهقي: 2/199,198، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 159,158.
[2] تفسير الطبري، المدثر 74:31,30. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 161، الروض الأنف: 2/79. [4] المدثر 74:30.

اسے بڑا ناز تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا اور دس آدمی اس کے قدموں کے نیچے سے چمڑا کھینچ کر نکالنے کے لیے پورا زور لگاتے تھے، اس کے باوجود چمڑا پھٹ جاتا لیکن کلدہ بن اسید کو ہلایا نہیں جاسکتا تھا۔ اس موقع پر وہ متکبر کہنے لگا: اے گروہ قریش! تم دو کوتوالوں کو پکڑ کر قابو کر لینا اور باقی سترہ پر میں قابو پالوں گا۔[1] ایک روایت کے مطابق کلدہ بن اسید نے قریش سے کہا: میں دوزخ کے انیس کوتوالوں میں سے پانچ کو اپنی پشت پر اور چار کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر تمھیں ان سے نجات دلا دوں گا اور باقی دس پر تم غلبہ پالینا۔[2]

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً .....﴾

''اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں......۔''[3]

حاجیوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کی سازش

اسلام کی روشنی مسلسل پھیل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے حلقۂ احباب میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ کے سامنے بڑے بڑے تیز طرّار اور درّاک مشرک بے بس اور درماندہ ہو گئے تھے۔ ناکامی اور نامرادی قریش کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور کسی کی کوئی پیش نہیں جا رہی تھی۔ اس صورتحال میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک سازش کی۔

ولید بن مغیرہ نے کفار قریش کے اصحاب الرائے کو دارالندوہ میں جمع کیا۔ وہ اپنے معزز مقام، بڑی عمر اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے اس اجتماع کی صدارت کر رہا تھا۔

سب لوگ حاضر ہو گئے تو ولید کہنے لگا: اے قریش کی جماعت! بلاشبہ حج کا موسم قریب ہے۔ عربوں کے وفود عنقریب تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تمھیں اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کے معاملے کا بھی علم ہے۔ عرب تمھارے پاس محمد (ﷺ) کے بارے میں پوچھ گچھ کے لیے ضرور آئیں گے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ کسی ایک موقف پر اتفاق کر لو مبادا تم ایک دوسرے کی تکذیب و تردید کرو اور اختلاف کا شکار ہو جاؤ۔

قریش کہنے لگے: اے ابوعبد شمس! آپ ہی کچھ کہیے اور ہمارے لیے کوئی ایک رائے تجویز کر دیجیے تاکہ ہم سب اس پر متفق ہو کر عربوں کو جواب دیں۔

[1] تفسیر ابن کثیر، المدثر 31:74. [2] أنساب الأشراف: 151/1. [3] المدثر 31:74.

ولید بولا: تم پہلے اپنی تجاویز دو، میں سنتا ہوں، جو تجویز سب سے بہتر ہوگی، اسے اختیار کرلیں گے۔ حاضرین تجاویز دینے لگے۔

چند لوگ بولے: ہم عربوں سے کہیں گے کہ یہ کاہن ہے۔ ولید نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور کہا: واللہ! وہ کاہن نہیں ہیں۔ میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ ان کے کلام میں کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے نہ تجع ہے۔

بعض افراد کہنے لگے: ہم انھیں مجنون کہیں گے۔ ولید بولا: یہ بات بھی غلط ہے۔ وہ ہرگز مجنون نہیں، ہم نے مجنون دیکھے ہیں اور ان کے احوال و کیفیات ہمارے ہاں معروف ہیں۔ اُن میں پاگلوں جیسی دم گھٹنے (بے ہوشی) کی کوئی کیفیت نہیں، نہ ان کے اعضائے بدن از خود کپکپاتے ہیں۔ وہ دیوانوں جیسی بہکی بہکی بے معنی باتیں بھی نہیں کرتے۔

چند مشرکین بولے: ہم انھیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا: وہ شاعر نہیں کیونکہ ان کی بات اشعار کی کسی بھی صنف سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ہم شعری اصناف و اوزان سے خوب واقف ہیں۔ ہمیں رجز، ہزج، قریض اور مقبوض سارے ہی اصنافِ سخن خوب معلوم ہیں۔ وہ ہرگز شاعر نہیں۔

بعض لوگوں نے کہا: ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا: وہ جادوگر بھی نہیں۔ وہ ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتے ہیں نہ گرہ لگاتے ہیں۔

لوگوں نے کہا: اے ابوعبدشمس! آپ نے تو ہماری تمام تجاویز مسترد کر دی ہیں۔ اب آپ خود ہی کوئی تدبیر بتائیے۔

ولید کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کے کلام میں بڑی دلکشی ہے۔ اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے۔ اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی پھندی ہیں۔ تم نے جتنی بھی تجاویز پیش کی ہیں، انھیں سُن کر لوگ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ صریح بہتان اور جھوٹ ہے، بہترین تجویز یہ ہے کہ تم یہ بات کہو کہ یہ شخص ایسا کلام پیش کرتا ہے جو اپنی نوعیت کا انوکھا جادو ہے۔ اس سے بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، شوہر بیوی سے جدا ہو جاتا ہے اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔

اس تجویز پر سب متفق ہو گئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

جب ایام حج میں حجاج کے قافلے مختلف سمتوں سے آنے شروع ہوئے تو یہ لوگ مختلف راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جو شخص ان کے قریب سے گزرتا، یہ اسے روک لیتے اور طے شدہ منصوبے کے مطابق محمد ﷺ کے بارے میں بہکانے کی بات کرنے لگتے، پھر اُسے آپ ﷺ سے بچنے کی تلقین کرتے اور کہتے کہ اس نے اپنے جادو کے زور سے مکہ کے پُرامن معاشرے میں فساد برپا کر دیا ہے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں یہ آیات

حج کے راستے
جہاں سے آنے والے حجاج کو رسول اللہ ﷺ سے
دور رکھنے کے لیے ولید بن مغیرہ نے سازش کی
خُلَیص
عُسفان
ذہبان
جدید شاہراہ
ہداۃ الشام
نضر بن کنانہ
ذات عرق
وادی فاطمہ
الفیض (سیلابی راستہ)
القعرہ
مطار
ملک عبدالعزیز
تنعیم
جعرانہ
السیل الکبیر
میقات قرن المنازل
ہوازن
الجموم
مکہ مکرمہ
جدید شاہراہ مکہ تا طائف
جدّہ
شُمَیسی
حُدیبیہ
منیٰ
قریش
عرفات
شاہراہ الریاض
جدید شاہراہ
مکہ تا طائف
طائف
ثقیف
بحیرۂ قلزم (احمر)
جدید شاہراہ
آضاءۃ لبن

نازل فرمائیں:

﴿ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۙ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۙ ﴾ (المدثر 74:11-15)

”مجھے اور اس کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔ اور اسے وافر مال دیا۔ اور حاضر باش بیٹے دیے۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے) مزید دوں۔“

جو لوگ ولید بن مغیرہ کے ساتھی تھے اور جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پر کاہن، مجنون، شاعر اور ساحر کے القابات چسپاں کرنے کی مذموم تجاویز پیش کی تھیں، اللہ جل جلالہ نے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ ﴾
(الحجر 15:90-92)

”(کہہ دیجیے: میں تو واضح ڈرانے والا ہوں ایسے ہی عذاب سے) جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا۔ جنھوں نے (اپنے) قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا۔ چنانچہ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔“

کفار قریش کے بہتان کی تردید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیات بھی نازل فرمائیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی عصمت و ناموس کا تذکرہ فرمایا:

﴿ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۭ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ

﴿ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ ﴾

(الطور 52:29-32)

"تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادث زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انھیں یہ سبق دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟"

جب کفارِ قریش نے حج کے لیے آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رہنے کی تلقین کی تو اس کا اُلٹا اثر ہوا اور لوگوں میں آپ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا زبردست تجسس پیدا ہوگیا اور وہ پورے اشتیاق و انہماک سے آپ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یوں آپ ﷺ کا شہرہ پورے عرب میں ہر طرف پھیل گیا۔[1]

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ کفارِ قریش یہ حقیقت اچھی طرح جانتے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ کاہن ہیں نہ مجنون، شاعر ہیں نہ جادوگر۔ قرآن کریم کے بارے میں بھی ان کا یقین تھا کہ یہ اللہ رب العزت ہی کا کلام ہے۔ یہ سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ان کی سب سے بڑی بدنصیبی تھی جس کا سبب محض ان کا اندھا تعصب تھا۔

نبی ﷺ سے دور رکھنے کے لیے ابوجہل کا حربہ

لوگوں کو جب نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں پتہ چلتا اور وہ آپ ﷺ سے ملنے کی غرض سے آتے تو راستے میں ابوجہل اور دیگر رؤسائے قریش ان سے ملتے اور کہتے: "یہ شخص شراب اور زنا کو حرام کہتا ہے اور جو عرب کی روایات ہیں، انھیں بھی حرام قرار دیتا ہے۔ تم لوگ پلٹ جاؤ، ہم تمھارے گناہوں کے بوجھ اٹھالیں گے۔" ان کے اس طرزِ عمل پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ (العنکبوت 29:13)

"اور یقیناً وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ ضرور اٹھائیں گے۔"[2]

---

[1] تفسير الطبري، الحجر 15:90،91، تفسير ابن كثير، الحجر 15:90-93 و المدثر 74:11-30، السيرة لابن إسحاق: 1/193،194، السيرة لابن هشام: 1/270-272، دلائل النبوة للبيهقي: 2/200،201. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 7/333.

رؤسائے قریش کا قرآن سننا اور دوسروں کو روکنا

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی اٹل سچائی، دل رُبا جاذبیت اور قبولیت ہر قسم کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔ قریش مکہ بھی جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کلام اللہ کی تلاوت سنتے تھے تو اس کی بے داغ سچائی اور زبردست کشش کی وجہ سے چونک پڑتے اور بے چین ہو جاتے تھے۔ قریش عربی زبان پر عبور رکھتے تھے، اس لیے وہ قرآن کریم کی دل کش عربی پر فدا رہتے تھے اور برملا اعتراف کرتے تھے کہ یہ کلام ہرگز جن یا انسان کا نہیں کیونکہ یہ نہایت دل آویز اور گرویدہ کرنے والا ہے، بہت مضبوط بنیاد اور ثمر آور ڈالیوں والا کلام ہے۔ اس کے بے مثل حسن اور کشش و جذب کے کیا کہنے! اس کا کوئی جواب ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد سعادت میں جو بھی قرآن کریم کی تلاوت سن لیتا تھا، وہ اس کی کشش و انجذاب سے مجبور ہوکر قرآن کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔ کلامِ الٰہی کی جاذبیت اس قدر زبردست تھی کہ کفارِ قریش کے سردار بھی اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی کے باوجود قرآن کریم کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ قرآن کریم کی بے مثل کشش انھیں اپنی طرف یوں کھینچ لاتی تھی جس طرح بنات البحر مچھلیوں کو گھیر لاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں رات کو تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کفار قریش کے ممتاز ترین سردار ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی رسول اللہ ﷺ کی تلاوت سننے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ وہ رات کی تاریکی میں چوری چھپے اپنے عشرت کدوں سے نکل آئے، پھر تینوں الگ الگ، محتاط اور چوکنے ہوکر رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کی طرف چل دیے۔

تینوں ایک دوسرے کے بارے میں بے خبر تھے۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے نزدیک پہنچے تو ان تینوں نے اپنے لیے الگ الگ جگہ منتخب کی اور ساری رات قرآن مجید کی تلاوت سنتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ یہ تینوں جب اپنے اپنے گھروں کو واپس روانہ ہوئے تو راستے میں ان تینوں کی اچانک ملاقات ہوگئی۔ یہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے، بہت شرمندہ ہوئے، باہم ملامت کرنے لگے اور پھر ایک دوسرے کو تلاوت سننے سے پرہیز کی تاکید کرتے ہوئے بولے: اگر سادہ لوح لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہم لوگ بھی راتوں کو چھپ چھپ کر قرآن سنتے ہیں تو ان کا عقیدہ بھی بدل جائے گا۔ وہ ایک دوسرے کو دوبارہ ایسا نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دوسری رات آئی تو تینوں سے نہ رہا گیا۔ تلاوت سننے کی لگن اور بے قراری انھیں پھر نبی ﷺ کے کاشانۂ مبارک کے قریب کھینچ لائی۔ تینوں کے تینوں گزشتہ رات والی مقررہ جگہوں پر پہنچے اور تلاوت سننے کے لیے جم کر بیٹھ گئے، پھر

رات بھر قرآن سنتے رہے۔ جب رات کا اندھیرا چھٹنے اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا تو سب چپکے سے اٹھے اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ راستے میں تینوں کی پھر مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے سے باز پرس کرنے لگے اور گزشتہ رات والی باتوں کی تلقین و تائید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

تیسری رات آئی تو تلاوت سننے کے لیے ان کی بے تابی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ تینوں کے تینوں بے اختیار اُٹھے اور کشاں کشاں اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر آبیٹھے۔ ساری رات قرآن کریم کی تلاوت سنتے رہے۔ صبح ہوئی تو حسب معمول یہ لوگ اُٹھے اور اپنے گھروں کو چل دیے۔ رستے میں پھر تینوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ اب یہ فرط خجالت سے ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔ بالآخر کہنے لگے: اب ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلیں گے جب تک دوبارہ قرآن نہ سننے کا پکا پیمان نہ باندھ لیں۔ پھر انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے، پھر وہ حسب معمول لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوسفیان سے سوال

صبح ہوئی تو ابوثعلبہ اخنس بن شریق لاٹھی ٹیکتا ہوا ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر آیا اور اُس سے پوچھا: اے ابوحنظلہ! یہ تو بتاؤ کہ جو کلام تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا:

يَا أَبَا ثَعْلَبَةَ! وَاللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْتُ أَشْيَاءَ أَعْرِفُهَا وَأَعْرِفُ مَا يُرَادُ بِهَا، وَسَمِعْتُ أَشْيَاءَ مَا عَرَفْتُ مَعْنَاهَا وَمَا يُرَادُ بِهَا.

''اے ابوثعلبہ! واللہ! بعض چیزیں جو میں نے سنی ہیں، انھیں میں جانتا ہوں اور ان کا مقصود بھی سمجھتا ہوں لیکن بعض چیزیں میں نے ایسی سنی ہیں جن کے معنی میں نہیں جانتا اور نہ مجھے ان کا مقصود معلوم ہے۔''

اخنس کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے۔

اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوجہل سے استفسار

اخنس، ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کے بعد ابوجہل کے پاس پہنچا اور اس سے بھی یہی سوال کیا: اے ابوالحکم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ سنا ہے، اس کے بارے میں تمھارا موقف کیا ہے؟

ابوجہل کہنے لگا:

مَاذَا سَمِعْتُ؟ تَنَازَعْنَا نَحْنُ وَبَنُو عَبْدِ مَنَافٍ الشَّرَفَ، أَطْعَمُوا فَأَطْعَمْنَا، وَحَمَلُوا فَحَمَلْنَا، وَأَعْطَوْا فَأَعْطَيْنَا، حَتّٰى إِذَا تَجَاذَيْنَا عَلَى الرُّكَبِ، وَكُنَّا كَفَرَسَيْ رِهَانٍ، قَالُوا: مِنَّا نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ، فَمَتٰى نُدْرِكُ مِثْلَ هٰذِهِ، وَاللّٰهِ! لَا نُؤْمِنُ بِهِ أَبَدًا وَلَا نُصَدِّقُهُ.

”مجھے کیا سنا سنانا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور بنوعبدمناف کا سرداری کے معاملے پر جھگڑا تھا۔ انھوں نے لوگوں کی ضیافتیں کیں، ہم نے بھی ضیافتیں کیں۔ انھوں نے لوگوں کے بوجھ اٹھائے، ہم نے بھی بوجھ اُٹھائے۔ انھوں نے سخاوت کی، ہم نے بھی سخاوت کی حتی کہ دوڑ کا مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہمارا بھی آپس میں سخت مقابلہ جاری تھا کہ بنوعبدمناف نے اچانک اعلان کر دیا کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ بھلا ان کی اس بات کا ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم اس نبی پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔“

اخنس ابوجہل کی یہ بات سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھر کی راہ لی۔ [1]

اس واقعے سے صاف عیاں ہے کہ رؤسائے قریش یہ بات خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ محمد ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں اور جس کلام کی یہ تلاوت فرماتے ہیں، یہ جن وانس کا کلام نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا کلام ہے لیکن اس کے باوجود وہ آپس میں اور دوسروں کو بھی قرآن نہ سننے کی تلقین کرتے۔ ان لوگوں کو محض ان کے جاہ وحشم نے ہلاک کیا۔ انھوں نے صرف اس لیے اسلام قبول نہیں کیا کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں گے تو لوگوں میں ہماری عزت اور سرداری جاتی رہے گی اور وہ کہیں گے کہ اب یہ لوگ دوسرے قبیلے کے فرد محمد (رسول اللہ ﷺ) کو اپنا سردار بنانے چلے ہیں۔ اس سے ان کی شان گھٹ جائے گی اور ان کے قبیلے کی بھی رسوائی ہوگی، حالانکہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اولین مرحلے ہی میں رسول اللہ ﷺ کے فدائی بن گئے، وہ دوسروں کے مقابلے میں معزز تر ٹھہرے اور بڑے عالی مرتبے تک پہنچے اور جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا اور معاندانہ روش اپنائی، وہ دنیا میں بھی اتنے رُسوا ہوئے کہ قیامت تک ملعون قرار پائیں گے اور آخرت میں لامتناہی عذاب کے شکنجے میں کس دیے جائیں گے۔

معتدل آواز سے قرآن پڑھنے کی حکمت

نبیِ اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ کے رُوبرو دین حق پیش کیا تو اُن پر آپ کی صداقت وحقانیت آشکارا ہوگئی۔ لیکن کفارِ قریش نے حسد اور غرور کی وجہ سے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی

[1] السيرة لابن إسحاق: 227,226/1، السيرة لابن هشام: 316,315/1، دلائل النبوة للبيهقي: 207,206/2.

میں وہ پہلے سے بھی زیادہ سرکش اور دلیر ہوگئے اور اللہ کے احکام ماننے کے بجائے کفر و شرک پر اصرار کرنے لگے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی ترغیبات سے دعوت اسلام پھیلانے سے باز نہ رکھا جا سکا تو انھوں نے لوگوں کو قرآن کی کشش اور تاثیر سے محروم رکھنے کے لیے شور برپا کرنے کی منصوبہ بندی کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ پول کھول دیا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾

''اور ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا: تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور مچاؤ تاکہ تم غالب آ جاؤ۔''[1]

کفار قریش نے آپس میں طے کیا کہ لوگوں تک قرآن کریم کی صدائیں پہنچنے ہی نہ دو۔ (نعوذ باللہ) قرآن کو لغو اور باطل سمجھو، اس کا مذاق اڑاؤ اور خوب شور و غل کرو، شاید ہم اس طریقے سے غالب آ جائیں۔ بصورتِ دیگر اگر ہم نے مناظرہ بازی اور مخاصمت کی راہ اختیار کی تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے، چنانچہ بت پرستوں نے اپنے پروگرام کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت سننے سے انکار کر دیا۔ جب اور جہاں تلاوت شروع ہوتی، یہ لوگ تتر بتر ہوجاتے۔ اگر کوئی شخص تلاوت سننے کا خواہشمند ہوتا تو وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر سنتا تھا تاکہ کوئی دوسرا کافر دیکھ کر اسے ملامت نہ کرے یا اذیت نہ پہنچائے۔ کفار کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾

''اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں نہ پست آواز سے بلکہ اس کے بین بین رستہ اختیار کریں۔''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اتنی بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو کہ لوگ منتشر ہوجائیں نہ اتنی آہستہ آواز سے پڑھو کہ جو شخص مارے ڈر کے چوری چھپے سننا چاہے، وہ سن ہی نہ پائے کیونکہ شاید اس کے دل میں قرآنِ کریم کی کوئی بات اتر جائے اور اس سے وہ نفع حاصل کرلے، اس لیے درمیانی رستہ اختیار کرتے ہوئے تلاوت کی جائے۔[3]

صحیحین اور مسند احمد میں اس آیت کی شان نزول کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ میں چھپ کر زندگی بسر فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ صحابۂ کرام کو نماز پڑھاتے وقت بلند آواز سے

[1] حٰمٓ السجدة 26:41. [2] بني إسرآءيل 110:17. [3] السيرة لابن إسحاق: 242,241/1.

قراءت کرتے تھے۔ مشرکین آپ کی تلاوت سنتے تو قرآن، اس کو اتارنے والے اور پڑھنے والے کو گالیاں دیتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ یعنی اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم نہ پڑھیں، مبادا مشرک سن کر گالیاں دیں۔ ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ اور اس قدر آہستہ بھی نہ پڑھیں کہ آپ کے ساتھی بھی قرآن نہ سن پائیں۔ ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ ﴾ یعنی قراءت کی صدا بلندی اور پستی کے بین بین رکھیں۔ [1]

قرآن کی باآواز بلند تلاوت سے روکنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے حلیف تھے۔ ان کا اپنا قبیلہ مکہ میں مقیم نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی سعادت انھی کے حصے میں آئی۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ گرامی رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے تو کہنے لگے: ”قریش نے تو قرآن کریم کی تلاوت ہی نہیں سنی۔ قریش کو تلاوت کون سنائے گا؟“ حضرت عبداللہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: ”یہ کام میں کروں گا۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ”ہمیں آپ کی جان کا خطرہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص کرے کہ اگر قریش اسے مارنا چاہیں تو اس کا قبیلہ فوراً اس کی مدافعت کے لیے آجائے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میری فکر مت کیجیے۔ اللہ جل شانہ میری حفاظت فرمائے گا۔“

دوسرے دن سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم کے پاس چاشت کے وقت تشریف لائے۔ قریش اپنی اپنی مجلسوں میں بڑے طمطراق سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم کے پاس بلند آواز سے تلاوت کرنے لگے: ﴿ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ الرَّحْمَٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:1,2) ”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ) رحمٰن۔ اسی نے قرآن سکھایا۔“ انھوں نے اس کے بعد بھی کچھ آیات تلاوت کیں۔ ان کی آواز سن کر قریش فوراً متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے: ام عبد کے بیٹے نے کیا کہا ہے؟ چند لوگ بولے: جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے ہیں، یہ اس کی تلاوت کر رہا ہے۔ چنانچہ کفار و مشرکین ان پر جھپٹ پڑے اور ان کے چہرے پر طمانچے مارنے لگے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذرا بھی نہ رُکے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہ مسلسل قرآن مجید پڑھتے گئے۔ جب قریش نے مار پیٹ ختم کی اور انھیں چھوڑا تو وہ مسلمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا چہرہ شدید زخمی تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں دیکھا تو کہا: ”ہم اسی بات سے ڈرتے تھے کہ مشرکین آپ کو تشدد کا نشانہ بنائیں گے۔“

[1] صحیح البخاري: 4722,7490، صحیح مسلم: 446، مسند أحمد: 215/1.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب تو اللہ تعالیٰ کے دشمن میرے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ حقیر ہو گئے ہیں۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں صبح پھر اسی طرح تلاوت کروں گا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''آپ کا اتنا کام ہی کافی ہے کیونکہ جس چیز کو وہ ناپسند کرتے تھے، وہ انھیں سنا دی گئی ہے۔''[1]

کفار کے باطل دعوے پر قرآن کا مسکت جواب

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مروہ پہاڑی کے قریب بنو حضرمی کے عیسائی غلام جبر کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ مشرکین میں سے حجاج کے دونوں بیٹے منبہ اور نبیہ[2] ایک روایت کے مطابق ابن الاصداء ہذلی اور اس کے ساتھی کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ ہمیں بتاتے ہیں، اس کا بیشتر حصہ انھیں بنو حضرمی کا یہ غلام جبر، جو اہل کتاب سے ہے، سکھاتا ہے اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قصے کہانیاں سنانے لگتے ہیں۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۝﴾ (النحل 103:16)

''اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں: یقیناً اس (نبی) کو ایک آدمی (رومی غلام) سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے جبکہ یہ (قرآن) تو فصیح عربی ہے۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ ازراہِ کذب و افترا اور بہتان بازی کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، انھیں ایک شخص یہ قرآن سکھاتا ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک عجمی شخص کا نام لیا کرتے تھے جو کسی قریشی خاندان کا غلام تھا اور وہ کوہ صفا کے نزدیک اپنا سودا سلف بیچا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس کے پاس بیٹھ جاتے اور اس سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس شخص کی زبان عجمی تھی اور وہ عربی نہیں جانتا تھا یا بقدرِ ضرورت بہت معمولی جانتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس افترا پردازی کا جواب دیتے ہوئے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ قرآن کی زبان تو فصیح و بلیغ عربی ہے اور جو شخص فصاحت و بلاغت کے اس بلند پایہ شاہکار اور معانی و مطالب کے اعتبار سے ایسی جامع اور روشن کتاب کہ اس طرح کی کتاب کسی بھی نبی پر نازل نہیں ہوئی، لے کر آیا ہے، وہ اسے کسی عجمی شخص سے کیسے سیکھ سکتا ہے! جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل ہو، وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

---

[1] السيرة لابن هشام: 315,314/1، السيرة لابن إسحاق: 225/1، سبل الهدٰى والرشاد: 351/2. [2] أنساب الأشراف: 163/1 و 170. [3] السيرة لابن هشام: 393/2.

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک لوہار کو جانتے تھے جس کا نام بَلعام تھا اور اس کی زبان عجمی تھی، مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آتے جاتے ہیں تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بلعام رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل فرما دی۔ [1]

کفار کو قرآن جیسا کلام پیش کرنے کا کھلا چیلنج

اس واقعے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کفارِ قریش نے اللہ جل شانہ کے احسانات نظرانداز کر دیے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی روا رکھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کلام جن و انس کا نہیں بلکہ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور مقابل کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا، تکبر کی روش اختیار کر لی اور عصبیت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے قرآن کریم کے بارے میں طرح طرح کی الزام تراشی شروع کر دی، حالانکہ اللہ جل شانہ نے کفار و مشرکین کو کھلا چیلنج دے رکھا ہے کہ اگر تم اس قرآن کے مانند کوئی کلام لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۝ ﴾

”کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“ [2]

اس آیت میں جن و انس کو کھلا چیلنج ہے کہ تم سب مل کر اپنے من مانے اسباب اختیار کر لو۔ ذرا اس قرآن کریم جیسا کوئی کلام تو لا کر دکھاؤ۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ ﴾

”کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے: پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور اللہ کے سوا جنھیں تم (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بُلا لو، اگر تم سچے ہو۔“ [3]

[1] تفسیر الطبري، تفسیر ابن کثیر، النحل 103:16، السیرۃ لابن ہشام :393/2. [2] بنيٓ إسرآءیل 88:17. [3] ہود 13:11.

یعنی اگر تم اس کلام الٰہی جیسا پورا قرآن نہیں لا سکتے تو چلو پھر دس سورتیں ہی لے آؤ۔ تم ساری دنیا کو بھی اپنے ساتھ ملا لو گے تب بھی اس قرآن جیسی کوئی نظیر نہ لا سکو گے، پھر فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

''اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور تمام کتابوں کی تفصیل (بیان کرتا) ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی! ان لوگوں سے) کہہ دیجیے: کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو اُنھیں بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔''[1]

یعنی اگر دس سورتیں لانے سے قاصر ہو تو چلو کم سے کم ایک سورت ہی ایسی لا کر دکھا دو جو قرآن کریم کی سورتوں جیسی ہو۔ یہ بات یکسر ناممکن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے مانند کوئی کلام پیش کیا جا سکے۔ یہ کھلا چیلنج ہے اور کفار کی بے بسی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن حکیم اللہ جل جلالہ ہی کا معجز کلام ہے۔ کوئی بھی ذاتی، صفاتی، فعلی اور قولی کسی بھی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مانند ہو ہی نہیں سکتا اور مخلوق کے کلام کی اللہ تعالیٰ کے کلام سے رائی کے دانے کے برابر مشابہت بھی محال ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾

''تو تم اس جیسی ایک سورت (ہی) لے آؤ۔''

اس کے فوراً بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''پس اگر تم نے (یہ کام) نہ کیا اور تم کر بھی نہیں سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''[2]

[1] یونس 10:37،38۔ [2] البقرۃ 2:23،24۔

نضر بن حارث کی اسلام دشمنی کے نت نئے طریقے

نبیِ اکرم ﷺ کو دین اسلام کی اشاعت و ترویج سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ ان ہتھکنڈوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات اور انسانوں کے معاملات سے قرآن حکیم کا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کو یہ باور کراتے تھے کہ یہ واقعات، افسانے اور کہانیاں (نعوذ باللہ) قرآن سے بدرجہا بہتر ہیں۔ نضر بن حارث بن کلدہ بن عبدمناف قریش کے شیطانوں میں سے نہایت شریر شیطان تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا خالہ زاد تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو وہ اپنے جاہلی عقیدے پر اڑا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ غزوۂ بدر میں قریش کا علم بردار تھا۔ اسی غزوے میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اسے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[1]

ایک دن وہ قریش سے کہنے لگا: اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم! تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم لوگ اب تک اس کا کوئی توڑ نہیں لا سکے۔ محمد (ﷺ) جوان تھے تو تمھارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے۔ سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امانت دار تھے۔ اب جبکہ ان کی کنپٹیوں پر سفیدی چمکنے والی ہے اور وہ عمر رسیدہ ہونے کو ہیں، وہ تمھارے پاس کچھ باتیں لے کر آئے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں! نہیں، اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ ان کی جھاڑ پھونک اور گرہ بندی بھی دیکھی ہے۔ تم کہتے ہو: وہ کاہن ہیں۔ نہیں، اللہ کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں۔ ہم نے کاہن بھی دیکھے ہیں، ان کی الٹی سیدھی حرکتیں بھی دیکھی ہیں اور ان کی فقرہ بندیاں بھی سنی ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو: وہ شاعر ہیں۔ ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم شاعری کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس کی اصناف سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو: وہ پاگل ہیں۔ ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! وہ پاگل بھی نہیں، نہ ان میں پاگلوں جیسی کوئی گھٹن ہے، نہ ویسی بہکی بہکی باتیں ہیں، نہ ان جیسی فریب کارانہ گفتگو۔ قریش کے لوگو! سوچو! غور کرو! اللہ کی قسم! تم پر زبردست افتاد آن پڑی ہے۔ تمھیں اس افتاد کا کوئی معقول حل ڈھونڈنا چاہیے۔

نضر بن حارث حیرہ چلا گیا اور وہاں اس نے یہود و نصاریٰ کی مخلوط معاشرت دیکھی، ان کی کتب کا جائزہ لیا، بادشاہوں کے واقعات اور رستم و اسفندیار کے قصے سیکھے۔ اب اُس نے گمراہی پھیلانے کا نرالا طریقہ اختیار کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی تاک میں رہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ جہاں بھی تشریف لے جاتے اور جس جگہ بیٹھ کر اللہ کے دین کی باتیں بتاتے اور نافرمانی کی پاداش میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈراتے تو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد یہ شخص وہاں جا دھمکتا اور کہتا کہ اللہ کی قسم! محمد کی باتیں میری باتوں سے بہتر نہیں۔ اس کے بعد وہ فارس

[1] الأعلام: 33/8، البداية والنهاية (محقق): 108/4.

کے بادشاہوں رستم و اسفندیار کے قصے کہانیاں سناتا، پھر کہتا: آخر کس بنا پر محمد (ﷺ) کی بات مجھ سے بہتر ہے؟ اس صورتحال پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ ﴾ (الأنفال 31:8)

''اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیں، اگر ہم چاہیں تو اس طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلے لوگوں ہی کی داستانیں ہیں۔''

یہ آیت اور اس کی ہم معنی مزید سات آیتیں اللہ تعالیٰ نے نضر بن حارث کے بارے میں نازل فرمائیں۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفر، سرکشی، دشمنی اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے تو باطل دعوے کرتے ہوئے کہتے: ''یقیناً (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' یہ ان کا ایسا دعویٰ تھا جسے وہ پورا نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں تو قرآن نے کئی بار چیلنج کیا تھا کہ وہ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دیں مگر وہ قرآنِ مجید کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے، اس لیے ان کی یہ بات اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو محض دھوکا دینے کے مترادف تھی۔

کہا گیا ہے کہ یہ بات نضر بن حارث لعنہ اللہ نے کہی تھی جیسا کہ سعید بن جبیر، سدی اور ابن جریج وغیرہ نے بتایا ہے۔ نضر بن حارث ملعون بلادِ فارس میں گیا۔ وہاں ان کے بادشاہوں رستم اور اسفندیار کے قصے معلوم کیے اور جب واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا ہے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو نضر وہاں بیٹھ جاتا اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کے قصے سنانے لگتا، پھر کہتا: اے اللہ! تو ہی بتا ہم میں سے کس کے قصے اچھے ہیں، میرے یا محمد (ﷺ) کے؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ.

یہی وجہ ہے کہ جب یہ فتنہ پرور شخص غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی گردن میرے سامنے اڑا دی جائے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی گردن اڑا دی گئی۔[2]

نضر بن حارث کا دوسرا حربہ

جب نضر بن حارث حیرہ سے واپس آیا تو وہاں کے لوگوں کے قصے کہانیوں کے علاوہ وہاں کے طرح طرح کے گیت بھی سیکھ آیا، چنانچہ اس نے اہل مکہ کو حیرہ کے گانے سُنانے شروع کر دیے۔ اس سے پہلے اہل مکہ سیدھی سادی عربی موسیقی ہی جانتے تھے، پھر نضر بن حارث نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے اور انھیں لہو ولعب میں مشغول کرنے

[1] السيرة لابن إسحاق: 238,237/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 157، السيرة لابن هشام: 300,299/1، دلائل النبوة للبيهقي: 202,201/2. [2] تفسير الطبري و تفسير ابن كثير و تفسير الخازن، الأنفال 8:31-33.

کے لیے دو رقاصائیں خریدیں۔ اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 6:31)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو لغو باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ (دین) سے (لوگوں کو) گمراہ کریں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''[1]

ولید بن مغیرہ کی حسرت

قرآن مجید کے اعجاز اور اثر انگیز دلکشی کے آگے تمام قریش بے بس ہو گئے۔ وہ قرآن کریم کی دل رُبا تاثیر اور اس کے کشش و انجذاب کے معترف تھے اور اس کی فصاحت و بلاغت پر جھومتے تھے لیکن عصبیت کی وجہ سے قرآن مجید کی حقانیت کا انکار کرتے تھے اور اپنی شکست خوردگی چھپاتے تھے۔

ولید بن مغیرہ اسی مایوس گروہ میں سے تھا۔ ایک دن کہنے لگا: جو بات محمد (ﷺ) کہہ رہے ہیں، اگر یہ حق ہوتی تو قرآن مجھ پر نازل ہوتا یا ابومسعود ثقفی پر اُترتا کیونکہ وہ اہلِ طائف کا سردار ہے۔ درحقیقت ہم ہی اس شرف و مجد کے زیادہ حقدار تھے، اس لیے کہ میں مکہ میں سب سے زیادہ محترم قبیلے قریش کا سردار ہوں اور طائف میں سب سے اونچے مرتبے والا ابومسعود ہے جو ثقیف کا فرمانروا ہے۔ یوں ہم دونوں اپنی اپنی جگہ عظیم الشان شہروں مکہ اور

[1] أنساب الأشراف: 159/1.

طائف کی ایک خوبصورت وادی

طائف کے سردار ہیں۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 32،31:43)

''اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم ہی نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم ہی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''[1]

کفارِ قریش کی طرف سے بے ادبی کا فیصلہ

نبی ﷺ مشرکین کے باطل افکار و عقائد کے نقائص لوگوں کے سامنے برملا واضح فرماتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مسلمان بتوں کو بڑے طعنے دیتے تھے۔[2] چنانچہ رؤسائے قریش میں سے ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور اسود بن عبد یغوث اس مسئلے کا حل سوچنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ولید بن مغیرہ کہنے لگا: اگر محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں پر طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے تو ہم بھی اس کے معبود کو برا بھلا کہیں گے۔ ابوجہل بولا: یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ اسود بن عبد یغوث نے بھی تائید کرتے ہوئے اس کی موافقت کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (الأنعام 108:6)

''اور تم انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ وہ بھی جہالت میں حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔''

اس آیت کے نزول پر تمام مسلمان معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنے سے رک گئے تاکہ کفار و مشرکین جوابی طور پر اپنی جہالت کے باعث اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس میں بے ادبی نہ کریں۔[3]

سودے بازی کی پیشکش

مشرکین مکہ نے پہلے ابوطالب کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشن سے دستبردار کرنے کی کوشش کی۔

[1] السيرة لابن هشام: 361/1، تفسير عبدالرزاق: 168/3، أنساب الأشراف: 152/1، فتح الباري: 379/6. [2] تفسير الطبري، الأنعام 108:6. [3] أنساب الأشراف: 151/1، الكامل لابن الأثير: 593/1.

اس میں ناکامی پر انھوں نے براہ راست نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کی نہایت پرکشش ترغیبات دینی شروع کر دیں۔ لیکن وہ ان تمام انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں بری طرح ناکام اور نامراد رہے۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پہاڑوں جیسے مضبوط ارادوں کے آگے مشرکین کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ قریش افہام و تفہیم سے اسلام کی تحریک ختم کرانے میں ناکام ہو گئے تو اب انھوں نے سودے بازی شروع کر دی۔ اب یہ لوگ اسلام اور جاہلیت کو ملا جُلا کر ایک مشترکہ درمیانی رستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اپنی بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتوں سے نبی اکرم ﷺ دستبردار ہو جائیں۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ (القلم 9:68)

''وہ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے کہ اکابر قریش اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزّی، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے: اے محمد! آؤ، جسے آپ پوجتے ہیں، اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں، آپ بھی اس کی پوجا کریں۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں گے۔ اگر تمھارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس کی نوازشات کے حقدار ٹھہریں گے اور اگر ہمارا معبود تمھارے معبود سے بہتر نکلا تو تم اُس کی نوازشات کے مستحق ٹھہرو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''(معاذ اللہ!) میں اپنے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی کا منتظر ہوں۔'' اس پر یہ سورت نازل ہوئی:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝﴾ (الكٰفرون 109:1-6)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''[1]

[1] فتح الباري: 937/8، السيرة لابن هشام: 362/1، أنساب الأشراف: 151/1، تفسير ابن أبي حاتم، الكٰفرون 109:1-6.

ایک روایت میں ہے، قریش نے نبیِ اکرم ﷺ سے کہا: ہم آپ کو ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ اس میں سراسر آپ ہی کی بھلائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیا تجویز ہے؟'' انھوں نے کہا کہ ایک سال آپ لات و عزّیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فاسد پیش کش پر فرمایا: ''(معاذ اللہ!) میں اپنے رب کے فیصلے کا منتظر ہوں۔'' اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں:

﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39:64-66)

''کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں؟ اور بلاشبہ آپ کی طرف اور ان لوگوں (نبیوں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے، (یہ) وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں۔''[1]

نبی ﷺ کو لالچ دینے کے لیے کفار کا اجتماع

دینِ حنیف کے فروغ سے کفارِ قریش حواس باختہ ہوگئے تھے۔ حالات اُن کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد ہی میں اضافہ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ان کی عزیمت و استقامت کا آفتاب بھی پوری طرح چمک رہا تھا۔ یہ ایسی انقلابی صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کے تأثرات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آ رہی تھی اور بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہوتے جا رہے تھے۔

قریش اپنے کفریہ عقائد اور مذموم ارادوں کے لیے تمام ابلیسی ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے، انھوں نے دینِ حق کی مزاحمت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، انھوں نے اپنے ہی خاندان کے مسلمان ہو جانے والے راست گو افراد سے قطع تعلق کیا، استہزا کیا، بدکلامی کی، ظلم و زیادتی اور اذیت و تشدد کے ہولناک ترین حربے آزمائے۔ لیکن ان حشر بداماں فتنوں کے باوجود مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔

سب سے پہلے عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کیے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو مختلف پیش کشیں کیں اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اشاعتِ دین کے کام سے باز آ جائیے۔ یہ کوشش ناکام ہوئی تو کفار و مشرکین کے

[1] المعجم الصغير للطبراني: 2/44، حديث: 751.

سردار اسلام کی تبلیغ و اشاعت روکنے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے اور طرح طرح کے متبادل طریقے سوچنے لگے۔

ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری عاص بن ہشام، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، عاص بن وائل، نُبیہ اور منبہ ابنائے حجاج سہمی اور امیہ بن خلف۔

رؤسائے قریش کا یہ اجتماع خانہ کعبہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد ہوا۔ جب یہ تمام سردار کعبہ کے قریب اکٹھے ہو گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: اب محمد (ﷺ) کو بلاؤ۔ آج ان سے فیصلہ کن بات کر لو اور ان کا عذر ہمیشہ کے لیے دور کر دو، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ کی قوم کے سردار آپ سے بات چیت کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خیال فرمایا کہ شاید قوم کا ذہن بدل گیا ہے اور یہ لوگ اسلام کے قریب آ گئے ہیں، اس لیے آپ ﷺ ان لوگوں کا پیغام پاتے ہی فوراً تشریف لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ کو اس امر کی بڑی طلب اور تڑپ تھی کہ کسی طرح سب سے پہلے میری قوم مسلمان ہو جائے اور ہدایت پا جائے۔ قوم کا کسی طرح کے نقصان یا کسی طرح کی مصیبت میں مبتلا ہونا آپ پر نہایت شاق گزرتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ جب رؤسائے قریش کے روبرو بیٹھ گئے تو وہ کہنے لگے:

يَا مُحَمَّدُ! إِنَّا قَدْ بَعَثْنَا إِلَيْكَ، لِنُكَلِّمَكَ، وَإِنَّا وَاللّٰهِ! مَا نَعْلَمُ رَجُلًا مِّنَ الْعَرَبِ أَدْخَلَ عَلٰى قَوْمِهِ مِثْلَ مَا أَدْخَلْتَ عَلٰى قَوْمِكَ، لَقَدْ شَتَمْتَ الْآبَاءَ وَعِبْتَ الدِّينَ وَشَتَمْتَ الْآلِهَةَ وَسَفَّهْتَ الْأَحْلَامَ وَفَرَّقْتَ الْجَمَاعَةَ فَمَا بَقِيَ أَمْرٌ قَبِيحٌ إِلَّا قَدْ جِئْتَهُ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ، فَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا جِئْتَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ تَطْلُبُ بِهِ مَالًا جَمَعْنَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِنَا حَتّٰى تَكُونَ أَكْثَرَنَا مَالًا، وَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا تَطْلُبُ بِهِ الشَّرَفَ فِينَا، فَنَحْنُ نُسَوِّدُكَ عَلَيْنَا، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ بِهِ مُلْكًا مَلَّكْنَاكَ عَلَيْنَا، وَإِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِي يَأْتِيكَ رَئِيًّا تَرَاهُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْكَ بَذَلْنَا لَكَ أَمْوَالَنَا فِي طَلَبِ الطِّبِّ لَكَ حَتّٰى نُبْرِئَكَ مِنْهُ.

”اے محمد! ہم نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ آج تم سے حتمی بات کر لیں۔ ہم نے آج تک کسی عربی نوجوان کو نہیں دیکھا جس نے اپنی قوم کو تباہی میں اس طرح مبتلا کر دیا ہو جس طرح تم نے اپنی قوم کو مبتلا کر دیا ہے، تم نے ہمارے اسلاف کو گالیاں دیں، ہمارے دین میں عیب جوئی کی، ہمارے بتوں کو برا کہا،

ہمیں بیوقوف ٹھہرایا اور ہمارے اتحاد میں تفریق ڈالی۔ بھلا کون سی قباحت باقی ہے جو تم نے ہمارے مابین پیدا نہیں کی؟ اے محمد! سچ سچ بتا دو! اگر اس ڈھونگ سے تمھارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم چندہ کر کے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر تم شرف و منزلت چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمھیں ابھی اپنا بادشاہ بنانے پر تیار ہیں۔ اگر تم پر کسی جن یا پری کا سایہ پڑ گیا ہے جس نے تمھیں پریشان کر دیا ہے تو ہم اپنا سرمایہ خرچ کرتے ہیں اور تمھارا علاج کرا دیتے ہیں حتی کہ تم تندرست ہو جاؤ۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا بِي مَا تَقُولُونَ، مَا جِئْتُ بِمَا جِئْتُكُمْ بِهِ أَطْلُبُ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا الشَّرَفَ فِيكُمْ، وَلَا الْمُلْكَ عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ رَسُولًا، وَ أَنْزَلَ عَلَيَّ كِتَابًا، وَ أَمَرَنِي أَنْ أَكُونَ لَكُمْ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَبَلَّغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي، وَنَصَحْتُ لَكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوا مِنِّي مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَ إِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ»

''تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، مجھے اس میں سے کچھ بھی (مطلوب) نہیں۔ میں جو کچھ تمھارے پاس لے کر آیا ہوں، اس کا مقصد تمھارے مال لینا، تم میں شرف و فضیلت حاصل کرنا یا تمھارا بادشاہ بن جانا ہرگز نہیں۔ ہاں، مجھے اللہ جل شانہ نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم میں سے اس پر ایمان لانے والوں کو خوشخبریاں سناؤں اور انکار کرنے والوں کو اللہ رب العزت کے عذاب سے ڈراؤں۔ یقیناً میں نے اپنے رب کے پیغامات تم لوگوں تک پہنچا دیے ہیں اور تمھاری ہر طرح کی (بھلائی اور) خیر خواہی کر دی ہے۔ اگر تم مجھ سے وہ بات قبول کر لو گے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں تو یقیناً دنیا و آخرت میں خوش قسمتی (تمھارا مقدر) ہے اور اگر تم میری دعوت رد کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے صبر کروں گا یہاں تک کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔''

یہ ارشادات سن کر قریش کہنے لگے: اے محمد! اگر آپ کو ہماری پیش کردہ کوئی تجویز بھی قبول نہیں تو پھر اس معاملے پر اس انداز سے غور کیجیے کہ ہمارا علاقہ تمام علاقوں سے زیادہ تنگ ہے، سب سے زیادہ ہمارے ہاں پانی کی کمی ہے، ضروریاتِ زندگی کی جس قدر قلت ہمیں لاحق ہے، اتنی کسی کو بھی نہیں، لہٰذا جس رب نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اور جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں، اس سے دعا کیجیے کہ وہ ان پہاڑوں کو ہمارے پاس سے ہٹا کر دور کر دے۔ ان

پہاڑوں نے ہمارے شہر کو تنگ کر دیا ہے۔ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے شہر کے نشیب و فراز ختم کر کے اسے ہموار اور کشادہ کر دے۔ جس طرح شام اور عراق میں دریا بہہ رہے ہیں، اسی طرح ہمارے لیے بھی دریا بہا دے۔ ہمارے مرے ہوئے آباء و اجداد کو زندہ کر دے۔ ان میں سے قصی بن کلاب کو زندہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ راست گو اور سچا انسان تھا، پھر ہم اس سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے کہ آپ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر آپ نے ہمارا مطالبہ پورا کر دیا اور ہمارے بزرگوں نے بھی آپ کی تصدیق کر دی تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ بھی جان جائیں گے اور تسلیم کر لیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ایک روایت کے مطابق قریش کہنے لگے: ہمیں شام، یمن یا حیرہ لانے اور لے جانے کا ایسا بندوبست کر دیجیے کہ ہم ایک ہی رات میں وہاں آ جا سکیں کیونکہ آپ کا اپنے بارے میں یہی دعویٰ ہے کہ آپ آ جا سکتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے ان کی اس بات پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ (الرعد 31:13)

"اور اگر بلاشبہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا اس سے مُردے بلوا لیے جاتے (تب بھی کفار ایمان نہ لاتے)۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی ہرزہ سرائی سن کر فرمایا:

[1] المصنف لابن أبي شيبة:7/334.

دریائے دجلہ کی سرسبز وادی

عانہ (عراق) کے نزدیک بہتا دریائے فرات

«مَا بِهٰذَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ، إِنَّمَا جِئْتُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ بِمَا بَعَثَنِي بِهِ، وَقَدْ بَلَّغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوهُ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ»

''اللہ جل جلالہ نے مجھے ان کاموں کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ میں تو اس کا پیغام لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور میں نے وہ پیغام تمھیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اسے قبول کرلو تو یہ تمھارے لیے دنیا و آخرت کی خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے مسترد کردو تو پھر بھی میں حکم الٰہی کے لیے صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

یہ سن کر قریش نے کہا: اگر آپ ہمارے بھلے کے لیے کچھ نہیں کرتے تو نہ کریں، ہمیں کوئی اصرار نہیں۔ چلیے کم سے کم اپنے لیے ہی کچھ مانگ لیں۔ زیادہ نہیں تو کم از کم آپ کا اللہ آپ کے لیے ایک فرشتہ ہی مقرر کر دے جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی ہر بات کی تصدیق کرے اور ہمیں آپ سے دور رکھے۔ آپ اپنے رب سے یہ سوال بھی کریں کہ وہ صحراؤں میں باغات لہلہادے، محلات تعمیر کر دے، زر و سیم کے خزانوں کے ڈھیر لگا دے تاکہ آپ کو موجودہ افلاس اور تنگ دستی سے نجات مل جائے اور آپ کسب معاش کی تکلیف سے بچ جائیں۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے ہماری طرح آپ بھی بازاروں اور منڈیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر آپ واقعی اپنے دعوے کے مطابق اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبات پورے کرا کے دکھایئے، پھر ہم مان لیں گے کہ آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ قریش کے یہ مطالبات سُن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، وَمَا أَنَا بِالَّذِي يَسْأَلُ رَبَّهُ هٰذَا، وَمَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ بِهٰذَا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا، فَإِنْ تَقْبَلُوا مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ»

''میں یہ کام کرنے والا نہیں، میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ اپنے پروردگار سے ان چیزوں کا سوال کروں، نہ میں تمھارے ایسے مطالبات پورے کرانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، مجھے تو اللہ جل جلالہ نے (ایمان لانے والوں کو) خوشخبریاں دینے والا اور (کفر کرنے والوں کو اس کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، جو دین میں لایا ہوں اگر تم اسے قبول کرلو تو دنیا و آخرت میں خوش رہو گے اور اگر اسے مسترد کرو گے تو

میں اللہ کے حکم کے لیے صبر کروں گا تا آنکہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر فرما دے۔''

کفار قریش نے کہا: پھر آپ اپنے رب سے کہیے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ہی برسا دے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر وہ ذاتِ عالی تمھارے ساتھ ایسا کرنا چاہے تو اس کے ہاں کوئی دیر نہیں۔''

مشرکین کے ان مطالبات کا قرآن کریم میں جابجا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات میں تقریباً یہ سارے مطالبات یکجا کر دیے گئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾

''اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جابجا) نہریں جاری کر دے۔ یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ۔ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے پر (بھی) ایمان نہ لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔''[1]

کفار نے کہا: اے محمد! اگر آپ کا پروردگار جانتا تھا کہ ہم آپ سے ایک مجلس میں یہ سوالات کریں گے اور یہ مطالبات پیش کریں گے تو اس نے پہلے ہی سے آپ کو ہمارے سوالات کے صحیح صحیح جواب کیوں نہ بتا دیے جن سے ہم مطمئن ہو جاتے؟ اُسے اس بات سے بھی خبردار کر دینا چاہیے تھا کہ اگر ہم آپ کا دین نہیں مانیں گے تو ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ہمیں تو آپ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن نامی ایک آدمی یہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم رحمٰن الیمامہ پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد! ہم نے آپ کے سب عذر ختم کر دیے ہیں اور آپ کو ہر طرح سے لاجواب کر دیا ہے۔ واللہ! اب ہم ہرگز یہ موقع نہیں دیں گے کہ آپ ہمیں مزید پریشان کرتے رہیں۔ اب تو صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ بعض مشرکین نے کہا: ہم تو

[1] بنيّ إسرآءيل 17:90-93.

فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض نے کہا: ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ اللہ اور فرشتوں کو صف در صف ہمارے سامنے نہ لے آئیں۔

جب کفار و مشرکین اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں کرتے رہے تو نبی کریم ﷺ اس مجلس سے اُٹھ گئے اور واپس تشریف لے آئے۔ اس موقع پر آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی بھی چل پڑا۔

عبداللہ بن ابی امیہ کی جاہلانہ تکرار

عبداللہ بن ابی امیہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کیا اور کہا: اے محمد! آپ کی قوم نے آپ کے سامنے کئی تجویزیں رکھیں مگر آپ نے ان کی ایک بات بھی نہیں مانی، پھر انھوں نے آپ سے چند باتیں عرض کیں تاکہ ان کے پورے ہوجانے سے اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبے کا پتہ چل جاتا، اس طرح وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کے تابع ہو جاتے لیکن آپ یہ بھی نہ کر سکے، پھر انھوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے خود اپنے لیے ہی کچھ مراعات حاصل کر لیں۔ اس سے ان پر آپ کی حقیقت ظاہر ہو جاتی اور اللہ کے ہاں آپ کے مرتبے کا بھی پتہ چل جاتا۔ آپ نے یہ بھی نہ کیا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ اگر آپ اور کچھ نہیں کر سکتے تو ہم پر وہ عذاب ہی لے آیئے جس سے آپ انھیں روزانہ ڈراتے رہتے ہیں۔

اللہ کی قسم! میں آپ پر قطعاً ایمان نہیں لاؤں گا، چاہے آپ میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے اپنے لیے اپنے رب سے چٹھی لکھوا لائیں اور ساتھ چار فرشتے بھی اُتر آئیں جو شہادت دیں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ واللہ! اگر آپ یہ سب کچھ کر گزریں، تب بھی میں آپ کی تصدیق کروں گا نہ آپ کو اللہ کا رسول مانوں گا۔ وہ یہ جاہلانہ باتیں کر کے چلا گیا۔ ادھر آپ ﷺ انتہائی مغموم ہو کر اپنے گھر واپس تشریف لے آئے۔ آپ ان لوگوں کے بلاوے پر ان کے ایمان لانے کی جو آرزو لے کر گئے تھے، وہ پوری نہیں ہوئی۔ [1]

کوہ صفا کو سونا بنانے کا مطالبہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: اے محمد! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دے۔ اگر یہ پہاڑ سونے کا بن گیا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہنے لگے: (اے اللہ کے رسول!) اللہ تبارک وتعالیٰ

[1] السيرة لابن إسحاق: 1/234-236، السيرة لابن هشام: 1/295-298.

نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے تو بنا دیا جائے گا، پھر اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے لازماً ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا بھر میں کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلبگار ہوں۔“ [1]

کفار قریش کا یہودِ مدینہ سے صلاح مشورہ

جیسا کہ سابقہ اوراق میں بتایا گیا ہے کہ نضر بن حارث قریش مکہ کا ایک سرکردہ شخص تھا۔ وہ اسلام دشمنی میں یگانہ تھا۔ وہ حیرہ (فارس) میں جو کہانیاں سن کر آتا تھا، وہ انھیں لوگوں کے سامنے قرآن مجید کے مقابلے میں بیان کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے اس کی دشمنی کے پیش نظر قریش مکہ نے نضر بن حارث کو عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ یثرب (مدینہ منورہ) بھیجا۔ یثرب میں یہودی آباد کار موجود تھے۔ قریش نے ان دونوں کو احبارِ یہود کے پاس اس لیے بھیجا کہ ان سے محمد ﷺ کے بارے میں دریافت کیا جائے، انھیں یہ تاکید کی گئی کہ وہ یہودیوں کے سامنے محمد ﷺ کی صفات بیان کریں اور وہ جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کا حال سنائیں کیونکہ یہودی اہل کتاب ہیں اور انبیاء ﷺ کے بارے میں جو علم انھیں حاصل ہے، وہ ہمیں نہیں ہے۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مدینہ منورہ پہنچے، انھوں نے احبار یہود سے محمد ﷺ کے بارے میں سوالات کیے، آپ ﷺ کی صفات بتائیں، نبوت کے دعوے کا حال سنایا اور تعلیمات نبوی سے آگاہ کیا۔ پھر کہا: اے علمائے یہود! آپ اہل تورات ہیں، ہم آپ سے اس مدعیِ نبوت کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ یہ بتائیے کہ ہم اس کے سچ یا جھوٹ کا فیصلہ کس طرح کریں؟

علمائے یہود نے اپنی کتاب کے علم کی روشنی میں کہا: اے اہل مکہ! تم ان سے تین سوالات کرو۔ اگر انھوں نے ان سوالوں کے صحیح صحیح جوابات دے دیے تو یقین کر لینا کہ وہ اللہ جل شانہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ اگر وہ ان سوالات کا صحیح جواب نہ دے سکیں تو لامحالہ جھوٹے ہیں، اس کے بعد تم جو چاہو فیصلہ کر لینا۔

اولاً: اس سے ان نوجوانوں (اصحابِ کہف) کے بارے میں دریافت کرنا جو قرونِ اولیٰ میں ظلم سے بچنے کے لیے اپنے شہر سے دور نکل گئے تھے، ان کی سرگزشت بڑی عجیب ہے۔

پھر اس سے اس شخص (ذوالقرنین) کے بارے میں پوچھنا جس نے زمین کے تمام مشرقی اور مغربی ممالک زیرنگیں کر لیے۔ اُس کے بارے میں معلوم کرنا کہ وہ کون تھا؟ اور اس کا کیا حشر ہوا؟

[1] مسند أحمد: 242/1، المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126.

تیسرا سوال روح کے بارے میں کرنا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اگر انھوں نے ان تینوں سوالات کا صحیح جواب دے دیا تو ان کا اتباع کرو کیونکہ بلاشبہ وہ نبی برحق ہیں اور اگر وہ ان کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹے ہیں، پھر تم ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آزاد ہو۔

یہ سن کر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مکہ لوٹ آئے۔ انھوں نے قریش کو جمع کیا اور کہنے لگے: اے جماعت قریش! ہم علمائے یہود سے تمھارے اور محمد (ﷺ) کے بارے میں فیصلہ کن باتیں پوچھ آئے ہیں۔ علمائے یہود نے اُن سے تین باتیں پوچھنے کے لیے کہا ہے۔ اگر انھوں نے ان کا صحیح جواب دے دیا تو وہ یقیناً نبی برحق ہیں ورنہ جھوٹے ہیں، پھر تم ان کے بارے میں جو جی چاہے فیصلہ کرلو۔

رسول اللہ ﷺ سے قریش کے سوالات

یہ سن کر قریش اکٹھے ہوکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے سوالات کرنے شروع کر دیے:

اے محمد! بتایئے وہ نوجوان کون تھے جو قرونِ ماضیہ میں ظلم و ستم سے بچنے کے لیے اپنے گھر سے نکل گئے؟ ہمیں ان کی عجیب و غریب سرگزشت سنایئے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ آدمی کون تھا جس نے زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے چھان مارے اور ان پر غلبہ پالیا؟ نیز یہ بتایئے کہ روح کیا چیز ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان سوالات کا جواب کل دوں گا۔'' یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے۔ قریش آپ سے وعدہ لے کر واپس چلے گئے۔ اِدھر رسول اللہ ﷺ پر پندرہ دن تک کوئی وحی آئی نہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ قریش اور اہل مکہ کو دوسرے دن کوئی جواب نہ ملا تو انھوں نے پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) نے ہم سے ایک دن کا وعدہ کیا تھا لیکن آج پندرہ روز گزر چکے ہیں مگر انھوں نے ہمارے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری طرف رسول اکرم ﷺ وحی رک جانے کی وجہ سے بہت غمگین ہوگئے اور آپ ﷺ پر اہل مکہ کا پراپیگنڈہ بڑا گراں گزرا۔

پندرہ دن کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ اس وحی میں اللہ جل شانہ نے مشرکین کے سوالات کا جواب عطا فرمایا۔ آپ سے فرمایا گیا کہ مُشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کیوں ہلکان اور پریشان ہوتے ہیں؟ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کو ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا: ''آپ اتنی دیر تک کیوں رکے رہے؟ آپ کے نہ آنے کی وجہ سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہونے لگی تھی۔'' یہ سُن کر جبریل علیہ السلام نے یہ

آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ ﴾

(مریم 19:64)

''اور ہم (فرشتے) آپ کے رب ہی کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔''

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کی تصدیق فرمائی:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ..... ﴾ (الکہف 18:1-4)

''ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔ ٹھیک اور سیدھی (کتاب کسی افراط و تفریط کے بغیر اتاری) تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے ......''

مشرکین کے سوالات کا جواب

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سوالات کے جواب کے ضمن میں نبیِ اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد بھی فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ ﴾ (الکہف 18:23، 24)

''اور آپ کسی شے کے متعلق یہ نہ کہیں: بے شک میں اسے کل کر دوں گا۔ (لیکن ساتھ یہ ضرور کہیں) مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجیے اور کہہ دیجیے: امید ہے کہ میرا رب میری اس سے قریب تر بھلائی کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مشرکین کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓي اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ

﴿عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝﴾ (الکہف 18:9-12)

’’کیا آپ نے سمجھا کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی فرما۔ پھر ہم نے غار میں ان کے کانوں پر کئی برس کے لیے پردہ ڈال دیا۔ پھر ہم نے انھیں اُٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے، جو انھوں نے گزاری۔‘‘

اور پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا۔

ے 10 کلومیٹر شرق میں اصحاب کہف کا مبینہ غار

دوسرے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۝﴾ (الکہف 18:83،84)

’’اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے: عنقریب میں اس کا کچھ ذکر

تمھارے سامنے تلاوت کروں گا۔ بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور اسے ہر چیز کے اسباب دیے تھے۔''

تیسرے سوال روح کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾

(بنيٓ إسرآء يل 17:85)

''اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔''

اس آیت کے بارے میں احبارِ یہود نے نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ سے پوچھا کہ کیا یہ آیت آپ کی امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا یہ خطاب ہمارے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خطاب سب کے لیے ہے۔'' یہودی کہنے لگے: آپ تو خود اپنی کتاب میں پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات ملی ہے، اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''تورات بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں کم ہے۔ ہاں، اگر تم تحریف نہ کرو تو تمھارے لیے اس کا علم بھی کافی ہے۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ﴾ (لقمٰن 31:27)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں، وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر (روشنائی بن جائے) اور اس کے بعد سات سمندر اس میں مزید روشنائی شامل کردیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے روبرو دین اسلام نہایت وضاحت سے پیش کردیا۔ آپ ﷺ نے وحی کے ذریعے سے حاصل ہونے والے ان کے سوالوں کے جواب بھی دے دیے۔ اُن پر آپ کی صداقت بھی اچھی طرح روشن ہوگئی لیکن غرور اور حسد کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ سرکشی اور نافرمانی میں پہلے سے بھی زیادہ آگے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ جلیلہ کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگے۔

نبیِ اکرم ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے پر کفار ومشرکین کی طرف سے شدید مصائب کا شکار ہونا پڑا لیکن آپ نے

[1] صحيح البخاري: 7297، صحيح مسلم: 2794، السيرة لابن إسحاق: 1/238-241، السيرة لابن هشام: 1/300-308، دلائل النبوة للبيهقي: 2/269-271، سبل الهدٰى والرشاد: 2/345-350.

ان تمام حربوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ آیئے ذرا اس ایمان افروز انقلابی جدوجہد کا جائزہ لیں۔

کفار کو ترجیح دینے پر اللہ کی ناراضی

دین اسلام بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام واحسان ہے لیکن یہ متاعِ رفیعہ انھی خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ فضل خاص سے نوازنا چاہے۔ مکہ کے غریب، نادار، بے نوا اور کسمپرس لوگوں میں سچائی کی طلب تھی، اللہ نے انھیں دولت اسلام عطا کر دی۔ کفار و مشرکین کے بڑے بڑے سرداروں کے سر غرور و تمکنت کے نشے سے لبریز تھے، اللہ نے انھیں نورِ اسلام سے محروم رکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے غربائے مکہ کو ان سرداروں کے مقابلے میں فضیلت بخشی۔ رسول اللہ ﷺ سردارانِ مکہ کے قبول اسلام کے آرزومند رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر واضح فرما دیا کہ جسے میں چاہتا ہوں، اُسی کو ہدایت دیتا ہوں اور کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام کے اُجالے میں لا کھڑا کرتا ہوں۔

ایک موقع پر نبیِ مکرم ﷺ کفار مکہ کے بعض سرداروں سے محوِ گفتگو تھے۔ [1] یہ سردار کون لوگ تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے عتبہ بن ربیعہ، بعض نے ولید بن مغیرہ اور بعض نے دوسروں کا ذکر کیا ہے لیکن بہر حال وہ سردارانِ قریش ہی تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو دعوت اسلام دے رہے تھے۔ آپ اللہ جل جلالہ کے مبارک دین کے جوہر اُجاگر فرماتے جاتے تھے اور ساتھ ہی پوچھتے بھی جاتے تھے کہ میں جو مبارک دین لے کر آیا ہوں، کیا یہ سب سے اچھا نہیں؟ جواباً سامعین بولتے جاتے تھے: کیوں نہیں! یہ تو بہت اچھا دین ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے پوچھا: ''اے فلاں! جو کچھ میں تم لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں، کیا اس میں کوئی بری بات ہے؟'' وہ بولا: نہیں، ہرگز نہیں۔ [2]

اسی اثنا میں نابینا صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے۔ وہ یہ ادراک واحساس نہ کر سکے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کسی اہم کام میں مصروف ہیں۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آتے ہی فوراً سوال کر دیا: اے اللہ کے رسول! مجھے قرآن پڑھایئے اور اللہ جل شانہ نے آپ کو جو علم عطا فرمایا ہے، اُس سے مجھے بھی روشناس فرمایئے۔ نبیِ اکرم ﷺ کو ان کی یہ اچانک مداخلت گراں گزری کیونکہ اس وقت آپ کی بھرپور توجہ سردارانِ قریش ہی کی طرف تھی اور آپ انھیں دعوتِ اسلام دینے میں محو تھے اور آپ کے دل میں یہ تمنا مچل رہی تھی کہ کاش یہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔

[1] المستدرك للحاكم :514/2. [2] صحيح ابن حبان :294,293/2، حديث :535.

جب سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک شکن آلود ہوگئی اور آپ ﷺ پریشانی کی حالت میں انھیں وہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۂ عبس کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝﴾

(عبس 80:1-14)

”اس نے ماتھے پہ شکن ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی۔ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا، آپ اس کی فکر میں ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا چلا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے۔ چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔ (وہ ان) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔“ [1]

سردارانِ قریش کا حقارت آمیز تبصرہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے احباب حضرت خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی دوران قریش کے چند سرداروں کا آپ ﷺ کے قریب سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ ان جیسے لوگوں کی قربت پر راضی ہو گئے ہیں۔ [2]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (قبول اسلام سے پہلے) سیدنا اقرع بن حابس تمیمی اور سیدنا عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہما آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صہیب، سیدنا بلال، سیدنا عمار اور سیدنا خباب رضی اللہ عنہم اور انھی جیسے کچھ دوسرے غریب، کمزور اور نادار مومنوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جب انھوں نے ان نادار حضرات کو نبی ﷺ کے اردگرد بیٹھے دیکھا تو انھیں حقیر جانا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے تنہائی میں بات کی اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ الگ تشریف رکھیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری فضیلت (اور بلند مقامی) کا پتہ چلے۔ آپ کے پاس عرب

[1] السيرة لابن إسحاق: 263,262/1، السيرة لابن هشام: 364,363/1، سبل الهدى والرشاد: 423/2. [2] مسند أحمد: 420/1.

کے مختلف علاقوں کے وفد آتے ہیں اور ہمیں اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں، اس لیے جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ انھیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بھی تشریف رکھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے کہا: ہمیں (اس معاہدے کی) ایک تحریر لکھ دیجیے۔ نبی ﷺ نے لکھنے کا سامان طلب فرمایا اور لکھنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ ہم (غریب مسلمان) ایک طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آ گئے اور انھوں نے وحی کی یہ آیات سُنائیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:52)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کیجیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے (اور اس کی عبادت کرتے) ہیں۔ وہ اپنے رب کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر اگر آپ انھیں اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا (جو اس وقت غیر مسلم تھے) اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:53)

''اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ لوگ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟''

اور پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

(الأنعام 6:54)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے۔''

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے قریب آ گئے حتی کہ ہم نے آپ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے

ملا دیے۔ پھر (یہ کیفیت ہوگئی کہ) رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ خاصی دیر تک بیٹھے رہتے۔ پھر جب آپ اٹھنا چاہتے تو تشریف لے جاتے اور ہمیں بدستور بیٹھا رہنے دیتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکھف 18:28)

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ وہ اس کی رضا کے طالب ہیں۔ اور آپ کی نظریں انھیں چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی طرف نہ جائیں (ان سرداروں کے ساتھ نہ بیٹھیں) کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہنے لگیں۔ اور آپ اس شخص (عیینہ اور اقرع) کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے اور اس کا معاملہ حد اعتدال سے ہٹا ہوا ہے (ایسا شخص ہلاکت کا باعث ہے۔)''

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس سے مراد عیینہ اور اقرع کا معاملہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا اور دنیا کی زندگی کی مثال بیان فرمائی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: (اس کے بعد) ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے لیکن جب وہ وقت آتا جو نبی ﷺ کے اٹھنے کا ہوتا تھا تو ہم خود ہی نبی ﷺ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے تاکہ آپ بھی سہولت کے ساتھ تشریف لے جائیں۔[1]

[1] سنن ابن ماجہ: 4127.

باب
4
سیرت انسائیکلوپیڈیا
رحمۃ للعالمین ﷺ پر
مشرکین کے مظالم
ابولہب کی گستاخانہ جسارتوں، ابوجہل کی سفاکیوں اور
امیہ بن خلف کے مظالم کے علاوہ دیگر اہل ستم کی
اذیت رسانیوں کی لرزہ خیز سرگزشت

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''

(المآئدة 5:67)

''بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔''

(الحجر 15:95)

اس باب میں

آپ پر یہ حقیقت اُجاگر ہوگی کہ سچائی کے اعلان واظہار کا راستہ طرح طرح کے آلام ومصائب سے اٹا ہوا ہے۔ آشوب و آلام کے نشیب و فراز رسالت مآب ﷺ پر بھی گزرے۔ مشرکینِ مکہ کی آنکھوں میں جہالت کی دُھول پڑی ہوئی تھی، انھوں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ وہ آپ کی مخالفت کرتے رہے ان کے حلق سب وشتم اُگلتے رہے، ام جمیل طعنہ دیتی رہی۔ ابولہب محسنِ انسانیت ﷺ سے گستاخیاں کرتا رہا۔ نبیہ، منبہ، حارث سہمی، نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری واہیات باتیں کرتے رہے۔ امیہ بن خلف نے زیادتیاں کیں، چچی نے ایذا دی، ابوجہل نے ہولناک مذاق کیا۔ حمزہ اُس پر انتقام لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پڑوسیوں نے سفاکیاں کیں۔ پھولوں سے زیادہ پاکیزہ دخترانِ رسول ﷺ کو صرف اس لیے طلاق دے دی گئی کہ یہ اس غمگسار انسانیت ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں جو ناآشنائے حقیقت جاہلوں کو رہ رہ کر اور تڑپ تڑپ کر صراطِ مستقیم کی طرف بلا رہا ہے...... یہ ساری چشم کشا حقیقتیں آپ اگلے اوراق میں جزئیات سمیت پڑھیں گے۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ ان تمام حالات وحوادث میں جو چیز رحمت اللعالمین کے لیے ہمیشہ پشتیبان بنی رہی وہ اللہ رب العزت کا کلامِ عظیم قرآن کریم تھا، جو آپ ﷺ پر ہر مرحلے میں بارانِ رحمت کی طرح اترتا رہا۔

مشرکین کی اسلام دشمنی کے اسباب

مکہ مکرمہ کی عزت کعبہ شریف کی وجہ سے ہے۔ قریش کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ مذہبی تہواروں کی قیادت کرتے تھے۔ ہر طرح کے سماجی، سیاسی اور صلح وجنگ کے فیصلے بھی انھی کے ہاتھ میں تھے۔ ادائے حج اور عمرے کے مراسم بھی وہی ادا کراتے تھے۔ اسی بنا پر وہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو ان لوگوں نے فوراً محسوس کیا کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا دین تو ہماری قیادت وسیادت کے لیے خطرہ ہے۔

رؤسائے مکہ

آغاز اسلام کے وقت مکہ میں جن لوگوں کا بڑا رتبہ مانا جاتا تھا، ان میں یہ لوگ نمایاں تھے: ولید بن مغیرہ، ابوجہل عمرو بن ہشام، ابوسفیان بن حرب، ابولہب، عاص بن وائل سہمی، عتبہ بن ربیعہ، اسود بن مطلب، اسود بن عبدیغوث، نضر بن حارث، اخنس بن شریق، اُبیّ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط۔ ان سب کا قریش میں نمایاں مقام

ترکوں کے دور کی کلید کعبہ

تھا اور زیادہ تر انھی لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اسلام کی مخالفت کی۔

اقتدار کا چراغ گُل ہو جانے کا خطرہ

قریش کے سردار و رؤساء اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کے اس قدر شدید دشمن کیوں بن گئے؟ اس کی اصل وجہ محض یہ ہے کہ رؤسائے قریش اسلام کو اپنے اقتدار و اختیار کے لیے بہت بڑا چیلنج سمجھتے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ معاشرے میں اسلام کی بابرکت تعلیمات پھیل گئیں تو ان کی سرداری کا چراغ گل ہو جائے گا اور اسلامی مساوات کی وجہ سے ان کے تمام امتیازات اور شان و شوکت جاتی رہے گی۔

یوں ان کی مذہبی اجارہ داری کا قلع قمع ہو جائے گا اور کسی کے دل میں ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ اسلام بت پرستی سمیت تمام شرکیہ رسوم و رواج کا خاتمہ کرنے آیا تھا جبکہ مشرکین کی حکومت انھی باطل عقائد پر قائم تھی۔ اس بنا پر قریش کو پکا یقین تھا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے ان کی عظمت و اقتدار کا سورج غروب ہو جائے گا۔ جس شخص کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، وہ اسلام کی مخالفت میں اُتنا ہی زیادہ سرگرمِ عمل تھا۔ قریش کی عنانِ حکومت بھی انھی مخالفین رؤساء کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اسلام کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

آباء و اجداد کی تقلید

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے یہ سوال ہمیشہ کے لیے حل کر دیا کہ انسان کے فکر و عمل کی بنیاد علم و بصیرت پر ہونی چاہیے یا دوسروں کی تقلید اور نقالی پر؟ اسلام کہتا ہے کہ انسان کو سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور و فکر کے لیے دل و دماغ دیا گیا ہے۔ انسان کو آباء و اجداد کی تقلید کی زنجیریں توڑ دینی چاہئیں اور اپنے آس پاس پھیلے ہوئے کارخانۂ زندگی کے حقائق پر خود غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ یہاں دن اور رات کا الٹ پھیر، گرمی سردی، خزاں اور بہار کی آمد و رفت مقررہ وقت کی کتنی زبردست پابندی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ کیا اتنا بڑا منظم اور حکیمانہ نظامِ کائنات آپ ہی آپ چل رہا ہے یا کوئی قادرِ مطلق ہستی ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے اسے چلا رہی ہے؟ اگر یہاں ایک نظم موجود ہے تو ضروری ہے کہ کوئی ناظم بھی ہو۔ یہاں حکمت ہے تو لا محالہ یہاں حکیم بھی ہونا چاہیے۔ اگر یہاں طرح طرح کی بنی ہوئی چیزیں ہیں تو لازم ہے کہ کوئی ان کا بنانے والا بھی ہو۔ اسلام کہتا ہے کہ تمام موجودات کو بنانے والا ہی تمھارا خالق و مالک ہے۔ وہی تمھارا پالنے والا ہے۔ وہی تمھارا حاجت روا ہے۔ وہی تمھارا مشکل کشا ہے۔ تنہا وہی ہے جو تمھاری بندگی کا مستحق ہے۔ تمھیں اسی سے محبت کرنی چاہیے۔ اُسی سے امید رکھنی چاہیے۔ مٹی کے بُت تمھارے کسی کام نہیں آ سکتے۔ تمھارا یہ رویہ انتہائی نامعقول ہے کہ چونکہ تمھارے آباء و اجداد

بُتوں کو پوجتے تھے، اس لیے تم بھی اپنے آباء واجداد کی تقلید میں بت پوجتے رہو گے۔

اہل مکہ کے پاؤں کی سب سے بھاری زنجیر تقلید آباء تھی جو انھیں راہِ حق پر قدم بڑھانے سے روکتی تھی۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے۔ حالات وحوادث کی کروٹوں اور شیطان کے جھانسوں کے باعث اہل مکہ بتوں کو پوجنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دی تو وہ چونک پڑے، کہنے لگے: بھلا آپ کی دعوت کے مقابلے میں ہم اپنے آباء واجداد کے دین اور رسوم و رواج کو کیسے چھوڑ دیں؟ تقلید کی یہی بندش تھی جس نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا مخالف بنا دیا۔

باطل عقائد ونظریات کی تردید

مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت کی وجوہ میں سب سے بڑی وجہ بت پرستی تھی۔ عرب مدت سے بت پرستی میں مبتلا چلے آرہے تھے۔ بیت اللہ کی مقدس دیواریں تین سو ساٹھ (360) بتوں کے وجودِ نامسعود کی پرچھائیوں میں چھپ گئی تھیں۔ ان بتوں میں ''ہبل'' کو خدائے اعظم کا درجہ دیا گیا تھا۔ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بجائے قریش انھی باطل خداؤں کی عبادت کرتے اور انھی کو خیر وشر کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ اپنے باطل عقائد اور مکروہ رسوم ورواج میں وہ اتنے پختہ اور بے لچک تھے کہ ان عقائد میں کسی کی دخل اندازی کو ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے وہ بڑے سخت توہم پرست تھے۔ کوئی کام شروع کرنے لگتے تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ سفر پر روانہ ہوتے تب بھی تیروں کی رہنمائی کے طلب گار ہوتے، وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام میں کاہنوں کی مدد کے خواستگار بھی رہتے تھے۔ وہ اپنی مرادیں برآنے کے لیے لات وعزیٰ کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اس ذہنی گمراہی کے علاوہ وہ معاشرتی لحاظ سے بھی بڑے گھٹیا تھے۔ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں کر لیتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کل کوئی ہمارا داماد نہ کہلائے، نومولود بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام انھی باطل عقائد واعمال کا قلع قمع کرتا تھا، اس لیے مشرکین اسے اپنے لیے یکسر ناقابل قبول سمجھتے تھے۔

عقیدۂ آخرت

مشرکین مکہ جزا وسزا کے تصور ہی سے بے نیاز تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ بس موت ہی زندگی کی انتہا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوجانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے برعکس اسلام یومِ حساب کو ایمان کی اساس قرار دیتا ہے۔ مشرکین اپنے جاہلانہ عقیدے کی بنا پر اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے اور اِسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

جاہ وحشمت کے لیے خاندانی رقابت

بنو ہاشم اور بنو امیہ ہم پلہ تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے زور بازو سے بنو ہاشم کا پلڑا بھاری کر دیا۔ اس کے بعد اس خاندان میں اُن جیسا کوئی صاحب اثر پیدا نہ ہوا۔ جونہی نبی اکرم ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار و اعلان کیا تو خاندانِ بنو امیہ چونک پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت کو اپنے رقیب بنو ہاشم کی ابدی فتح اور بالادستی کا مؤثر ترین عامل سمجھنے لگا، اسی لیے آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت اسی قبیلے نے کی۔

ولید بن مغیرہ بنومخزوم کا نہایت سرکردہ لیڈر تھا۔ باقی خاندانوں میں اس کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، چنانچہ بنومخزوم نے بھی دعوتِ اسلام کی مخالفت کی۔

اسلام کا اعلیٰ اخلاقی نظام

قریش کے اکثر سرداروں میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت شرمناک اشغال و افعال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں ممتاز تھا۔ وہ حرم کے خزانے سے غزالِ زریں چرانے والے مشکوک افراد میں شامل تھا۔ اخنس بن شریق چغل خور اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث جھوٹا اور مکار تھا۔ علی ہٰذا القیاس ان میں مالی و معاشرتی برائیاں اور اخلاقی گراوٹیں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اسلام ان تمام برائیوں کو نیست و نابود کرنے آیا تھا اور کفار کو یہ بات کسی صورت گوارا نہ تھی۔ وہ اپنے رہنماؤں کی تذلیل اور پسپائی سے بدکتے تھے، اسی لیے اسلام قبول کرنے سے گھبراتے تھے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے آپ کی شدید مخالفت اور اذیت رسانی پر کمر باندھ لی۔

مساوات سے نفرت

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اسلام قبول نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ حسب ونسب پر بڑا گھمنڈ کرتے تھے۔ کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی معمولی سی بھی جود وسخا کو اُچھال اُچھال کر جتلاتے تھے اور ریاکاری کے ذریعے سے اپنی انا کو پروان چڑھاتے تھے۔ اسلام ان تمام برائیوں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عالمگیر انسانی مساوات کا علمبردار ہے جبکہ اس کے برعکس رؤسائے مشرکین غریبوں، ناداروں اور کسمپرس لوگوں کو کوئی اہمیت دینا اپنی توہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسلام کی مخالفت میں اندھے ہو کر آپ ﷺ کو اذیتیں دینے پر تُل گئے۔

بشر کی نبوت سے انکار

بت پرستوں کا خیال تھا کہ کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بشری تقاضے رسالت کے

فرائضِ منصبی کے منافی ہیں۔ اس کے علاوہ بت پرستوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ بالفرض کسی انسان ہی کو رسول بننا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سردار کو رسول بناتا، بھلا ایک غریب اور تہی دامن انسان کیونکر رسول ہوسکتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کی زبردست مخالفت کی اور فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت وتبلیغ سے زبردستی روکا جائے اور اس سلسلے میں ہر طرح کے گھٹیا سے گھٹیا ہتھکنڈے بے دریغ بروئے کار لائے جائیں۔

دشمنانِ رسالت اور ان کے مذموم ہتھکنڈے

رسول اللہ ﷺ کی شدید مخالفت کا جب فیصلہ ہو چکا تو قریشِ مکہ ابولہب کی قیادت میں جمع ہوئے۔ جو قائدین اس مجلس میں موجود تھے، ان سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ایسی خصوصی ٹولیاں بنائی جائیں جو مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے اتنا ستائیں کہ ان کی زندگی اجیرن کر دیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالفین

نبیِ مکرم ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دی تو آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت و مزاحمت جن بڑے بڑے سرکردہ لوگوں نے کی، ان میں ابولہب، اس کی بیوی ام جمیل اور ابوجہل سرفہرست تھے۔ ان لوگوں نے آپ کو ہر طرح کی تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ یہ لوگ ہمیشہ آپ ﷺ کو ستانے اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، اخنس بن شریق اور ابیّ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے کھلے دشمن تھے۔[2]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ افراد ایسے تھے جنھوں نے آپ ﷺ سے بدسلوکی اور طنز و استہزا کی حد کر دی۔ ان پانچوں افراد کے نام یہ ہیں: اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور حارث بن طلاطلہ۔[3] ان کے علاوہ جن بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کو وقتاً فوقتاً ستایا اور اذیت دی، ان میں ابوقیس بن فاکہ، حجاج سہمی کے بیٹے منبہ اور نبیہ، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن ابی سائب، اسود بن عبدالاسد مخزومی، عاص بن سعید بن عاص، عدی بن حمراء خزاعی، عاص بن ہاشم (ہشام) اور ابن الاصداء ہذلی شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رہ رہ کر رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسے مصائب پیدا کیے جن کے باعث آپ کو شدید ذہنی و جسمانی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ ابوسفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی آپ ﷺ سے کھلی دشمنی کا برتاؤ کرتے رہے، تاہم ان تینوں نے آپ ﷺ کو ایسا نقصان نہیں پہنچایا جس طرح کا شدید نقصان ان تینوں کے علاوہ دیگر مذکور لوگوں نے

[1] دیکھیے: رحمۃ للعالمین: 61/1، سیرۃ النبی ﷺ: 148/1-151. [2] السیرۃ لابن ھشام: 354/1-362. [3] السیرۃ لابن إسحاق: 291/1.

پہنچایا۔[1] یہ لوگ اللہ کے دین کے دشمن تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو محض اس لیے مدت مدید تک مبتلائے محن رکھا کہ آپ اسلام کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کی ایک فہرست حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی مرتب کی تھی جو حسب ذیل ہے:

آپ کی قوم میں سرفہرست اور شدید ترین دشمن آپ کا چچا ابولہب تھا۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

بنوعبدشمس بن عبدمناف میں سے عُتبہ اور شیبہ جو ربیعہ بن عبدشمس کے بیٹے تھے۔

عقبہ بن ابی مُعَیط بن ابی عمرو بن ربیعہ بن امیہ بن عبدشمس، ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس، حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس، معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس۔

بنوعبدالدار بن قصی میں سے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ۔ بنوعبدالعزیٰ بن قصی میں سے اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اور اس کا بیٹا ربیعہ بن اسود۔

ابوالبختری عاصی بن ہشام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ بنو زہرہ بن کلاب میں سے اسد بن عبدیغوث بن وہب بن عبدمناف بن زُہرہ بن کلاب۔ بنومخزوم میں سے ابوجہل عمرو بن ہشام (ہاشم) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، اس کا بھائی عاصی بن ہشام (ہاشم)، ان کا چچا ولید بن مغیرہ (والدِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)، ولید کا بیٹا ابوقیس، اس کا چچا زاد قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ان کا چچا زاد زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ (ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی) اور اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

صیفی بن سائب جس کا تعلق بنو عابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے تھا۔ خاندانِ سہم بن ہصیص بن کعب بن لؤی میں سے عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سہم بن ہصیص (والدِ عمرو رضی اللہ عنہ)، حارث بن عدی بن سُعَید بن سہم بن ہصیص، مُنَبِّہ اور نُبَیْہ جو حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سُعَید بن سہم بن ہصیص کے بیٹے تھے۔

بنوجمح میں سے اُمَیہ اور اُبَیّ جو خلف بن وہب بن حُذافہ بن جمح بن ہصیص بن کعب بن لؤی کے بیٹے تھے۔ اُنَیس بن مِعْیَر بن لوذان بن سعد بن جمح (ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا بھائی) اور حارث بن طُلاطِلہ خُزاعی اور عدی بن حمراء ثقفی۔

ان لوگوں نے اور دیگر تمام قبائل قریش کے سرداروں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، وہ ان میں سے بے یار و مددگار مسلمانوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بناتے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے

[1] أنساب الأشراف: 141,140/1.

مگر ان تمام آلام و مصائب کے باوجود اسلام مردوں اور عورتوں میں مسلسل پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین کی طرف سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان شدائد کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور انھوں نے زبردست صبر کا مظاہرہ فرمایا، وہ ایمان کی حلاوت اور اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں بے پناہ اجر و ثواب تیار فرما رکھا تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین

اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو مشرکین کی تکالیف پر صبر کی تلقین فرمائی:

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ ﴾

''اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے۔''[2]

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ ﴾

''چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔''[3]

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کفار) پر غم نہ کریں اور نہ آپ اس پر تنگی محسوس کریں جو وہ مکر (سازشیں) کر رہے ہیں۔''[4]

﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾

''آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کر دینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾

1 جوامع السيرة لابن حزم، ص: 52-54، نیز ملاحظہ فرمائیں: المحبر لابن حبيب، ص: 157، أنساب الأشراف: 1/50-70.
2 المزمل 73:10. 3 الدهر 76:24. 4 النحل 16:127. 5 حمٓ السجدة 41:43.

”آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کی انتہائی دلخراش اذیتوں پر بھی کامل صبر کرتے رہے اور انھیں انتہائی نرمی، نوازش اور بردباری سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جس نسبت سے دشمنوں کا ظلم بڑھتا جاتا تھا، اُسی نسبت سے آپ کے صبر و استقامت کی شان بھی بلند سے بلندتر ہوتی جاتی تھی۔

سب وشتم اور استہزا

نبیِ مکرم ﷺ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں دن رات مصروف تھے۔ اُدھر دشمنانِ اسلام بھی آپ ﷺ کی تاک میں لگے رہتے اور آپ کو پریشان کرنے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کرتے تھے۔ آپ ﷺ جس جگہ بھی دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے، مشرکین آپ کے پیچھے پیچھے جاتے اور اُسی جگہ جا پہنچتے۔ وہ آپ کو (معاذ اللہ) تلمیذِ شیطان کہہ کر مخاطب کرتے، پھر وہ آپ پر ہنستے، آنکھیں مٹکاتے، اشارے کرتے، پھر بڑی حقارت سے آپ ﷺ کی طرف انگشت نُمائی کرکے کہتے: ”یہی ہے وہ شخص جو تمھارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے۔“ اسود بن عبدیغوث بھی انھی ظالم لوگوں میں سے تھا، وہ کہتا تھا: اے محمد! کیا آج تمھیں آسمان سے مخاطب نہیں کیا گیا؟ قرآن کریم نے ان لوگوں کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝﴾ (المطففين 83:29-32)

”بلاشبہ مجرم لوگ (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے۔ اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے لوٹتے اور جب وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے: بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔“ [2]

حقیقت یہ ہے کہ ہادیِ عالم ﷺ کے مخالفین نے آپ کے خلاف جو معاندانہ کوششیں کیں، وہ اتنی اذیت ناک تھیں کہ اگر کسی اور کے خلاف کی جاتیں تو وہ کبھی کا میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہوتا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝﴾

(إبراهيم 14:46)

[1] الحجر 15:98، 99. [2] الكامل لابن الأثير: 592/1، أنساب الأشراف: 149/1.

''اور یقیناً وہ اپنی چالیں چل چکے اور ان کی (سب) تدبیریں اللہ کی نظر میں ہیں اور ان کی چالیں ایسی تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ لَمْ يُؤْذَ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ وَّمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّأْكُلُهُ ذُوكَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيهِ إِبِطُ بِلَالٍ»

''بلاشبہ اللہ جل شانہ کے رستے میں جتنا مجھے خوفزدہ کیا گیا ہے، کسی اور کو نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی تکلیفیں مجھے دی گئی ہیں، کسی اور کو نہیں دی گئیں، مجھ پر مسلسل تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسا کھانا بھی نہیں تھا جسے کوئی جاندار کھا سکے، سوائے اس تھوڑی سی چیز کے جسے بلال اپنی بغل میں چھپا سکتا تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کو بڑی کڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مختلف مواقع پر آپ ﷺ کو جس طرح کے مصائب نے آگھیرا، یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ آپ نے انھیں صبر و سکون سے نہایت وقار کے ساتھ برداشت کیا، اسی لیے آپ ﷺ مقام محمود کے مستحق ٹھہرے اور اللہ جل جلالہ کے نزدیک سب سے عالی مرتبے پر فائز ہوئے۔

مصعب بن سعد نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ ''وہ کون لوگ ہیں جو سب سے زیادہ آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَ إِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ حَسَبَ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''سب سے زیادہ آزمائشوں میں مبتلا ہونے والے انبیائے کرام (علیہم السلام) ہیں، پھر ان کے مثل (قدم بقدم چلنے والے)، پھر ان کے مانند۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر اس کا دین قوی ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ وہ آزمائش بندے پر طاری رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس طرح چھوڑ دیتی ہے کہ وہ زمین پر

[1] جامع الترمذي: 2472، سنن ابن ماجه: 151، مسند أحمد: 120/3.

چلتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''[1]

حضرات انبیائے کرام ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انھیں تو امتحانوں اور آزمائشوں کی انتہائی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر تسلیم و رضا اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ سابق انبیائے کرام ﷺ کو جب تکالیف پہنچیں تو انھوں نے ان پر ممکن حد تک صبر کیا لیکن جب ظلم وستم حد سے گزر گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنی قوموں کے ظالم افراد کے خلاف فریاد کی، پھر اللہ جل شانہ نے ان کی قوموں کو دنیاوی عذاب سے دوچار کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی ہر قسم کی تکالیف نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیں۔ سفرِ طائف میں مشرکین کا ظلم سہ کر آپ کی زبان مبارک سے یہی جملہ نکلا: ''اے اللہ! یہ نادان لوگ ہیں، انھیں ہدایت عطا کر۔'' یہاں تک کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے معجزات دکھانے کے مطالبے کیے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد اگر کسی

[1] جامع الترمذي: 2398، مسند أحمد: 180/1

نواحِ طائف کا سرسبز منظر

نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا میں کسی اور کو نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلب گار ہوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں کی سفاکیاں

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند بدبخت لوگ ایسے بھی تھے جو نبیِ اکرم ﷺ کو خود انھی کے کاشانۂ مبارک میں اذیت پہنچاتے تھے۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی یہ سب رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے تھے۔

سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی پڑوسی مسلمان نہیں ہوا۔ ان پڑوسیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کا معمول یہ تھا کہ جب نبیِ اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ان میں سے ایک شخص بکری کی بچہ دانی اُٹھا کر نشانہ باندھتا تھا اور آپ ﷺ کے وجود گرامی پر دے مارتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ اس غلاظت کو ایک لکڑی پر اُٹھا کر دروازے سے باہر تشریف لاتے اور فرماتے:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا؟»

''اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟''

پھر آپ ﷺ اس گندگی کو دروازے سے باہر پھینک دیتے تھے۔ [2]

وہ شقی القلب لوگ نبیِ اکرم ﷺ کو مسلسل اسی طرح اذیت دیتے رہے۔ آپ نے ان ناآشنائے انسانیت پڑوسیوں کی رکیک حرکتوں پر بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور احتیاطی تدبیر کے طور پر اپنے گھر کے اندر ایک محفوظ گھروندا بنالیا تاکہ آپ نماز پڑھتے ہوئے ان لوگوں کی خباثتوں سے محفوظ رہیں۔

ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور اذیت رسانی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو نہایت گھناؤنے انداز سے بے حد تکلیف پہنچاتے تھے۔ دونوں غلاظت اکٹھی کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے دروازے پر پھینک دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

«كُنْتُ بَيْنَ شَرِّ جَارَيْنِ أَبِي لَهَبٍ وَّ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِنْ كَانَا لَيَأْتِيَانِ بِالْفُرُوثِ فَيَطْرَحَانِهَا عَلٰى بَابِي»

[1] المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126. [2] السيرة لابن هشام: 416/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 178.

”میں دو بدترین پڑوسیوں، یعنی ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں گوبر اور لید اکٹھی کر کے لے آتے تھے اور یہ گندگی میرے دروازے پر پھینک دیا کرتے تھے۔“ [1]

ایک مرتبہ ابولہب آپ ﷺ کے دروازے پر غلاظت پھینک رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ گھناؤنی حرکت دیکھ لی۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بقیہ گندگی فوراً ابولہب کے سر پر انڈیل دی۔ ابولہب اپنا سر جھٹکنے لگا تا کہ اس کے سر سے گندگی گر جائے۔ پھر وہ کہنے لگا: بیوقوف، بے دین اور گمراہ، اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر خود تو غلاظت پھینکنے سے باز آ گیا لیکن جو شخص بھی آپ کے دروازے پر غلاظت پھینکتا، وہ چُھپ چُھپ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ [2]

اسی طرح عقبہ بن ابی معیط ایک مرتبہ گوبر سے بھرا ہوا ٹوکرا لایا اور رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے سامنے اُلٹ دیا۔ طلیب بن عمیر بن وہب نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھ لیا۔ طلیب، اروٰی بنت عبدالمطلب کے بطن سے تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد طلیب نے عقبہ بن ابی معیط سے ٹوکرا چھین لیا اور اسے اسی کے سر پر دے مارا، پھر اس کے کان بھی کھینچے۔ عقبہ بن ابی معیط نے طلیب کی والدہ اروٰی سے شکایت کی کہ تمھارا بیٹا محمد (ﷺ) کی مدد کرتا ہے۔ اروٰی نے جواب دیا: محمد (ﷺ) سے بہتر ہم میں کون ہوسکتا ہے؟ ہمارے اموال اور ہماری جانیں سب کچھ محمد (ﷺ) پر قربان ہیں۔ یہ سن کر عقبہ بے بسی کی حالت میں واپس چلا گیا۔ [3]

رخِ انور پر مٹی پھینکنے کی جسارت

نبیِ اکرم ﷺ کو کڑی آزمائشوں کا مسلسل سامنا رہا۔ آپ ﷺ کے اذیت ناک مصائب میں اس وقت بڑی شدت پیدا ہوگئی جب ابوطالب وفات پا گئے۔ ایک دفعہ مکہ کے احمقوں میں سے ایک احمق نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر مٹی پھینک دی۔ رسول اللہ ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی آپ ﷺ کے چہرے سے مٹی صاف کرتے ہوئے رونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لختِ جگر سے فرمایا:

«أَيْ بُنَيَّةُ! لَا تَبْكِينَّ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَانِعٌ أَبَاكِ»

”اے میری بیٹی! مت رو کیونکہ اللہ جل جلالہ تیرے باپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔“ [4]

[1] الطبقات لابن سعد: 201/1، السلسلة الضعيفة: 4151، أنساب الأشراف: 148/1. [2] أنساب الأشراف: 147/1، 148.
[3] الكامل لابن الأثير: 595/1. [4] السيرة لابن هشام: 416/2، دلائل النبوة للبيهقي: 350/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 172.

راستے میں کانٹے بچھا دیے گئے

ام جمیل بنت حرب بن امیہ نبیِ اکرم ﷺ کو اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتی تھی۔ بنوامیہ اپنے رقیب بنو ہاشم سے بوجۂ رقابت شدید عداوت رکھتے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں بڑا سربرآوردہ شخص تھا لیکن ابولہب کی بیوی ام جمیل بنوامیہ میں سے تھی، اس لیے ابولہب عبدالعزیٰ اپنے خاندان بنو ہاشم کی حمایت کرنے کے بجائے اپنے سسرالیوں کی طرف داری کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مُسلسل مخالفت کرتا چلا آرہا تھا۔ آپ ﷺ نے بارہا کوشش کی کہ چچا ابولہب مسلمان ہوجائے لیکن وہ مخالفت سے باز نہ آیا۔

ام جمیل اور ابولہب دونوں ہر وقت آپ ﷺ کی تضحیک اور تکلیف رسانی میں لگے رہتے تھے اور آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک طرف ابولہب آپ ﷺ کے گھر میں غلاظت پھینکتا تھا تو دوسری طرف اس کی بیوی ام جمیل خاردار جھاڑیاں اٹھالاتی اور جس راہ سے آپ ﷺ گزرتے تھے، اس رستے میں ڈال دیتی تھی۔ اللہ جل جلالہ نے ان دونوں کے بارے میں سورۂ لہب نازل فرمائی:

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾

''ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ اس کی کمائی نے۔ وہ ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔ اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''[1]

جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں سورت نازل ہوئی ہے تو وہ طیش میں آگئی اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑی۔ آپ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو دیکھا تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ ناپاک ارادے سے آرہی ہے۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ام جمیل آرہی ہے۔ مجھے آپ کے بارے میں خوف لاحق ہے مبادا وہ آپ کو نقصان پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝﴾

[1] اللھب 111: 1-5.

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔''[1]

ام جمیل قریب پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سُدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آرہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابوقحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کر سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا ۔۔۔ وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا ۔۔۔ وَ دِيْنَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔''

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَ لَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَ أَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''[2]

---

[1] بنيٓ إسرآءيل 45:17. [2] صحيح البخاري:3533، السيرة لابن هشام:356/1، دلائل النبوة للبيهقي:2/195-197، سبل الهدٰى والرشاد:2/464 و256/10، فتح الباري:8/941-944.

نبیِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق

سورۂ لہب کے نزول پر ابولہب بہت مشتعل ہوگیا۔ وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیوں کو طلاق دلانے پر تُل گیا۔ ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بڑے بیٹے عتبہ سے کہا: اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس طرح اس بدبخت نے آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوادی۔

عتبہ کی گستاخی اور اس کا انجام

بدبخت عتبہ نے بڑی بے ہودگی، شقاوت اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں تیرے دین سے انکار کرتا ہوں۔ مزید برآں میں انکار کرتا ہوں اس کا جو (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پھر وہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوگیا، یعنی میں جبرائیل کا انکار کرتا ہوں اور ستارہ جو گرتا ہے، اس کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے آپ ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے رخ انور پر تھوکا مگر یہ تھوک زمین پر گر گیا اور نبیِ اکرم ﷺ اس سے محفوظ رہے۔ بعدازاں اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دے دی۔ یہ انتہائی دلخراش اور روح فرسا بدسلوکی تھی جو عتبہ جیسے گھٹیا، خبیث اور شقی القلب شخص نے روا رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں بددعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ»

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔''

ابولہب ملکِ شام میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے اپنے کارندوں اور غلاموں کے ساتھ عتبہ کو بھی شام بھیجا اور اپنے کارندوں سے کہا: تم یقیناً میری بزرگی سے باخبر ہو اور میرا حق پہچانتے ہو۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں رہا۔ یہ بات کہنے کے بعد ابولہب نے سب لوگوں سے اپنے بیٹے کی حفاظت کے لیے عہد و پیمان لیے، پھر یہ قافلہ چل دیا۔

اثنائے راہ میں جہاں بھی یہ قافلہ پڑاؤ ڈالتا، اہل قافلہ عتبہ کی حفاظت کے لیے زبردست انتظام کرتے، اُسے بیچ میں رکھتے اور خود اس کے اردگرد رہتے تھے۔ وہ اسے کپڑوں اور جملہ سامان کے پیچھے چھپا دیتے تھے۔ ایک رات قافلے

نے شام (اردن) کے علاقے زرقاء میں پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہاں ایک شیر آ دھمکا۔ وہ ان لوگوں کے گرد چکر لگانے لگا۔ عتبہ فوراً چلایا: ہائے میری ماں کی ہلاکت! یہ شیر مجھے چبا جائے گا جیسا کہ محمد (ﷺ) نے کہا تھا۔ محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کر دیا۔ (حالانکہ) وہ مکہ میں ہیں اور میں شام میں۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) سے زیادہ سچا انسان اس پوری کائنات

زرقاء (اردن) کی خوبصورت وادی

میں کوئی نہیں۔ عتبہ اپنی زندگی سے اس قدر مایوس ہوگیا کہ جب رات کا کھانا چنا گیا تو اُس نے کھانا بھی نہ کھایا۔ پھر قافلے والوں نے اپنے بستر بچھانے اور سونے کی تیاری کی۔ سب لوگوں نے اپنا اپنا سامان یک جا کر کے اس کی باڑھ بنائی اور عتبہ کو پوری حفاظت سے باڑھ کے بیچ میں لٹا دیا۔ اس قدر زبردست احتیاطی اہتمام کے بعد سب لوگ سو گئے۔ جب رات ڈھلنے لگی تو اچانک شیر آ گیا۔ وہ قافلے والوں کے درمیان گھومنے لگا، اُس نے ہر آدمی کا سر سونگھا۔ جونہی وہ عتبہ کے پاس پہنچا تو اس نے ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگائی، یک دم عتبہ پر ٹوٹ پڑا اور اُس کا سر چبا ڈالا۔ عتبہ تڑپنے لگا، اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ وہ سسک کر بولا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ محمد (ﷺ) سب سے زیادہ سچے ہیں؟ پھر وہ مر گیا۔ ابولہب کو بیٹے کی موت کی اطلاع ملی تو وہ بھی بول اُٹھا: کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کیا تھا کہ مجھے محمد (ﷺ) کی بدعا سے خوف لاحق ہے۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی۔ [1]

ام جمیل کی ابوسفیان سے فریاد

سورۂ لہب نازل ہوئی تو ام جمیل غصے سے بے قابو ہوگئی۔ وہ فوراً اپنے بھائی ابوسفیان کے گھر گئی اور بولی: اے

[1] المستدرك للحاكم: 539/2، السنن الكبرٰى للبيهقي: 211/5، دلائل النبوة للبيهقي: 338/2، 339، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 743، أنساب الأشراف: 139/1، سبل الهدٰى والرشاد: 216/10.

میرے بہادر بھائی! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) نے میری ہجو کی ہے۔ ابوسفیان اپنی بہن کی بات سن کر بولا: میں ابھی اس کا بدلہ لے لیتا ہوں۔ اس نے اُسی وقت تلوار اُٹھائی اور گھر سے چل دیا مگر وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد بڑی بدحواسی کے عالم میں تیزی سے بھاگتا ہوا واپس آ گیا۔ ام جمیل نے پوچھا: کیا اسے قتل کر آئے؟ ابوسفیان نے بڑی شرمندگی سے کہا: اے میری بہن! کیا تجھے یہ بات اچھی لگے گی کہ تیرے بھائی کا سر کسی اژدھے کے منہ میں جا پھنسے؟ ام جمیل نے کہا: ہرگز نہیں! ابوسفیان بولا: بس وہ قیامت ہی کی گھڑیاں تھیں۔ [1]

ابولہب کی گستاخانہ جسارت

رسول اللہ ﷺ کے بڑے بیٹے کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا۔ اُسی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ نبیِ اکرم ﷺ کی اولاد میں فوت ہونے والا یہ پہلا بیٹا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا دوسرا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گیا۔ جب ابولہب کو معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کا دوسرا فرزند بھی فوت ہو گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ بھاگا بھاگا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا: محمد (ﷺ) لاوارث ہو گئے ہیں۔ اُن کا کوئی بیٹا زندہ نہیں رہا۔ [2] اس کے بعد جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا تو عاص بن وائل سہمی کہتا: اس کا قصہ چھوڑ دو کیونکہ اب اس کی نسل چلانے والا ہی کوئی نہیں۔ یہ مرے گا تو اس کا تذکرہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ سورت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝ ﴾ (الکوثر 108:1-3)

"(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔" [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تمھیں معلوم ہے کہ کوثر کیا ہے؟" ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، وَهُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، آنِيَتُهُ عَدَدَ النُّجُومِ»

"یقیناً وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اُس میں بہت بڑی بھلائی ہے۔ وہ ایسا حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی (اور) اس کے برتن ستاروں کی تعداد

[1] السيرة الحلبية:1/468. [2] المعجم الكبير للطبراني:4/179، الروض الأنف:2/181، تفسير ابن كثير، الكوثر 108:3.
[3] السيرة لابن إسحاق:1/289، الروض الأنف:2/181.

کے برابر ہوں گے۔''[1]

دعوتِ الی اللہ میں کتنی لذت ہے؟ اس کا ذائقہ شناس صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو داعیان الی اللہ کے رہبر اعظم تھے۔ آپ ﷺ کا پیغام بڑا سچا تھا۔ دعوت کے بول اتنے میٹھے تھے کہ دل میں سرایت کر جاتے تھے۔ آپ اللہ کی وحدانیت بیان فرماتے تھے۔ لوگوں سے مخاطبت کی غایت صرف یہ ہوتی تھی کہ اللہ کا پیغام سن لو، سمجھ لو اور مان لو۔ یہ صرف سمجھنے اور مان لینے کا معاملہ ہے، زور اور زبردستی کی چیز نہیں ہے۔ جو مان لے گا، فلاح پائے گا۔ جو نہیں مانے گا، اپنا ہی نقصان کرے گا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا عمومی انداز یہی تھا۔ کیا دوست، کیا دشمن، آپ سبھی کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوت حق دیتے۔ اس راہ میں آپ ﷺ کو بے حد ستایا گیا، نالائقیوں، بدتمیزیوں اور ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ اپنے مقدس پروردگار کی اشد محبت میں اتنے گم تھے کہ آپ شدائد روزگار سے متاثر ہی نہیں ہوئے۔

اُدھر اللہ تعالیٰ کو بھی خوب معلوم تھا کہ آپ کو قرآن کریم سے کتنی تسکین ملتی ہے، چنانچہ جونہی ظالم اور ناشناس لوگ آپ ﷺ کو ستاتے اور آزمائش میں ڈالتے، اللہ تعالیٰ آپ کی تسکین قلب کے لیے قرآن کریم کی کوئی آیت نازل فرما دیتا تھا اور آپ کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کو بھیج دیتا تھا۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں آپ ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ان کی اذیت رسانیوں سے بچاؤ اور تسکین و تقویت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر فوراً وحی نازل فرمائی۔ آزمائشوں میں آپ کو تسلی دینا اور آپ کے لیے آیات نازل فرمانا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم تھا۔

ام جمیل کا طعنہ

ابولہب کی بیوی ام جمیل ایک ظالم مشرکہ عورت تھی وہ رسول اللہ ﷺ کو طعنے دیتی تھی۔ اس کے ایک طعنے کا حال جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اِشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالضُّحٰى ○ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○﴾ (الضحٰی 93:1-3)

[1] صحيح مسلم: 400، فتح الباري: 8/936.

''رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے آپ (ﷺ) دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت (ام جمیل زوجۂ ابولہب) آئی اور کہنے لگی: ''اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسے میں نے دو یا تین راتوں سے نہیں دیکھا کہ وہ تمھارے پاس آیا ہو۔'' اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ضحیٰ نازل فرمادی: ''قسم ہے چاشت کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' [1]

زمعہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل یکبارگی آدھمکے اور کہنے لگے: اے محمد! کاش تمھارے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا جو تمھاری طرف داری میں بات کرتا جسے لوگ براہ راست سنتے اور دیکھتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:8، 9)

''اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو پھر بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔'' [2]

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل کے قریب سے گزرے تو انھوں نے آپ ﷺ کو برے القابات سے پکارا اور آپ سے استہزا کیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے پریشان ہوئے تو ظالموں کے اس قبیح فعل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾

(الأنعام 6:10)

---

[1] صحيح البخاري: 4950، صحيح مسلم: 1797، مسند أحمد: 312/4، فتح الباري: 907/8. [2] السيرة لابن هشام: 395/2.

''اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا تھا۔ پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، انھیں اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔'' [1]

کفارِ مکہ کی بے ہودگی اور تکذیب پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ تسلی دی ہے اور مومنوں کے لیے فتح و نصرت اور دنیا و آخرت میں اچھے انجام کا وعدہ فرمایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (الأنعام 11:6)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔''

یعنی سوچو اور غور کرو کہ گزشتہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، دنیا میں انھیں کس قدر عبرت ناک سزا دی گئی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور اہلِ ایمان بندوں کو دنیا و آخرت کی کیسی کیسی کامرانیوں اور سعادتوں سے نوازا۔ [2]

نبیہ اور منبہ کی واہیات باتیں

نبیہ اور منبہ یہ دونوں حجاج سہمی کے فرزند تھے اور نبیِ اکرم ﷺ کے شدید مخالف تھے۔ آپ ﷺ کو برا بھلا کہنا اور آپ ﷺ پر آوازے کسنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: ''کیا اللہ تعالیٰ کو تمھارے علاوہ اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسالت سے سرفراز کرتا۔ تمھارے علاوہ بہت سے تجربہ کار، پختہ عمر والے اور خوشحال لوگ بھی تھے، انھیں کیوں نہ مبعوث کیا گیا؟ اگر تم سچے ہو تو ایک فرشتہ لاؤ جو تمھاری تصدیق کرے اور ہر موقع پر تمھارے ساتھ رہے۔'' جب ان دونوں کو نصیحت کی جاتی کہ تم رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی گستاخانہ باتیں نہ کرو اور سچائی قبول کرلو تو اس پر یہ کہتے: یہ کسی مجنون کا شاگرد ہے جو اسے اہل کتاب کے قصے کہانیاں بتاتا ہے اور پھر یہ ہمیں سنا دیتا ہے۔ [3]

حارث بن قیس سہمی کی بدگوئی

ابن عیطلہ حارث بن قیس رسول اللہ ﷺ پر طعن و تشنیع کرتا، آپ کا مذاق اڑاتا اور خوبصورت پتھروں کی عبادت کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت پتھر کی عبادت کرتا اور جب اُسے اس سے زیادہ خوبصورت

---

[1] السيرة لابن هشام: 396/2. [2] تفسير ابن كثير، الأنعام 6:7-11. [3] الكامل لابن الأثير: 594/1، أنساب الأشراف: 163/1، السيرة الحلبية: 515/1.

پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ دیتا اور دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتا: محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو دھوکا دے رکھا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اللہ کی قسم! ہمیں صرف موجودہ زمانہ ہی ہلاک کرنے والا ہے۔ دوبارہ زندگی کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:43)

”کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے؟ پھر آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟“ [1]

امیہ بن خلف کی زیادتیاں

امیہ بن خلف بن وہب جمحی رسول اللہ ﷺ سے انتہائی گستاخانہ سلوک کرتا تھا۔ وہ آپ سے مذاق کرتا، آپ کو بڑے برے القابات سے پکارتا، پھر آنکھیں میچ میچ کر اشارے کرتا اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ﷺ سے بدسلوکی پر اُکساتا تھا۔ اس فعلِ قبیح پر اللہ جل جلالہ نے یہ سورت نازل فرما دی:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَي الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾ (الهمزة 104:1-9)

”ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! اسے ضرور حُطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور آپ کو کیا معلوم حُطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں تک پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔“ [2]

اخنس بن شریق کے گھناؤنے خصائل

ابوثعلبہ ابیّ بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی، اخنس کے نام سے معروف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف باتیں کرنا اس کی عادت بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر اور نو (9) خصائلِ مذمومہ کو واضح کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں:

[1] الكامل لابن الأثير: 592/1، أنساب الأشراف: 150,149/1، سبل الهدٰى والرشاد: 461/2. [2] السيرة لابن هشام: 356/1.

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝﴾ (القلم 68:10-13)

''اور آپ ہر جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں۔ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے۔ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار اور اجڈ ہے۔ مزید برآں حرام زادہ ہے۔'' [1]

عاص بن وائل کا استہزا

نبیِ اکرم ﷺ کے صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عاص بن وائل کے پاس اپنی تلواروں کی اجرت لینے گئے تو اس نے آپ سے ٹھٹھا کیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (ﷺ) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝﴾
(مریم 19:77-80)

''پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلائیے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پا لی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ہم ان چیزوں کے وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے۔ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔'' [2]

نضر بن حارث اور عبداللہ بن زِبَعْرٰی کا جھگڑا

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے کتاب ''السیرۃ'' میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران نضر بن حارث آیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت مسجد میں قریش کے اور بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی تو نضر بن حارث نے آپ کی گفتگو میں دخل اندازی کی، آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہوکر بات چیت کی حتی کہ اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان تمام قریشیوں کے سامنے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں:

[1] السیرۃ لابن ہشام: 1/360،361، أسد الغابۃ: 1/55، تفسیر ابن أبي حاتم، القلم 68:10-13. [2] صحیح البخاري: 2091، صحیح مسلم: 2795، السیرۃ لابن ہشام: 1/357.

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝﴾

(الأنبیآء 21:98-100)

''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے، تم لازماً اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں نہ پڑتے اور اب سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس میں ان کے لیے چیخنا چلاّنا ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سن پائیں گے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن زِبَعریٰ سہمی آ گیا، وہ بھی قریشیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعریٰ سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث آیا۔ وہ ابھی ابن عبدالمطلب کے ساتھ کھڑا تھا اور بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اُس سے کہا ہے کہ ہم اور ہمارے یہ تمام معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں، جہنم کا ایندھن ہیں۔ ابن زبعریٰ نے یہ سن کر کہا کہ اگر میری محمد (ﷺ) سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے اس موضوع پر بحث کرتا۔ جاؤ محمد (ﷺ) سے یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے ہیں اور نصرانی مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی پوجا کرتے ہیں۔ کیا فرشتے، عزیر اور مسیح بھی جہنم میں جائیں گے۔ ولید اور اس کے ساتھ مجلس میں موجود دیگر لوگوں کو ابن زِبَعریٰ کی یہ بات بہت اچھی لگی اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ اپنی اس دلیل کے ساتھ یہ غالب آ گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُعْبَدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ»

''ہر وہ معبود جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی بھی عبادت کی جائے تو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ شیاطین کی اور جس کی عبادت کا شیاطین نے انھیں حکم دیا، اس کی عبادت کرتے ہیں۔''

بہر حال ان کے اس اعتراض کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (الأنبیآء 21:101، 102)

''بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ اس سے دور رکھے

جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے اور جس چیز کو ان کا جی چاہے گا، وہ اس میں ہر طرح کے عیش اور لطف کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔''

یعنی عیسیٰ ابن مریم، عزیر علیہما السلام اور وہ علماء و مشائخ جن کی انھوں نے عبادت کی اور جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی فہرست میں ہیں مگر گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے انھیں اپنا معبود بنا لیا تھا، لہٰذا گمراہ لوگ اپنے کرتوت کی سزا ضرور بھگتیں گے، نیز اس بارے میں بھی آیات نازل ہوئیں کہ مشرکین جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وہ ان کے بقول اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (الأنبیاء 21:26-29)

''اور انھوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے (حالانکہ) وہ پاک ہے (اس کی کوئی اولاد نہیں) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں، وہ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے، وہ سب جانتا ہے اور وہ اس کے پاس (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جسے وہ پسند کرے اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے، ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

عبداللہ بن زِبَعریٰ نے جو یہ ذکر کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا کی جاتی ہے اور ولید اور اس کے ساتھیوں نے اس کی اس بات کی خوب داد دی تھی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ (الزخرف 43:57-61)

''اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم کے لوگ اسی پر چلا اٹھے اور کہنے لگے

کہ بھلا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ ۔) انھوں نے تو اس (عیسیٰ) کی مثال صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے بیان کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو، وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو مثال (اور اپنی قدرت کا نمونہ) بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمھاری جگہ زمین میں رہتے اور وہ (عیسیٰ) تو قیامت کی نشانی ہیں، پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو، یہ سیدھا رستہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مُردوں کے زندہ کرنے اور بیماروں کے صحت یاب کرنے کے جن معجزات کا ظہور ہوا، وہ قیامت کے یقینی ہونے پر بطور دلیل کافی ہیں، اس لیے فرمایا:

﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ (الزخرف 61:43)

''پس تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو، یہ سیدھا رستہ ہے۔''

اور ابن زِبَعریٰ نے جو بات کی ہے، وہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ تو اہل مکہ سے ان کی بے جان بتوں کی عبادت کے تناظر میں خطاب کے طور پر نازل ہوئی ہے اور بتوں کے پجاریوں سے زجر وتوبیخ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن بنو گے، مسیح وعزیر اور ان جیسے دیگر لوگوں پر اس آیت کو چسپاں نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے نیک عمل کیے اور جو اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ سے ابوجہل کا مذاق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابوجہل اور دیگر کفار کو ڈرانے کے لیے زقوم (تھوہر) کے درخت کا ذکر فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝﴾ (الواقعة 52,51:56)

''پھر یقیناً تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! (تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھاؤ گے۔''[2]

اس پر ابوجہل بن ہشام کہنے لگا: اے گروہ قریش! کیا تم جانتے ہو کہ وہ زقوم نامی درخت کیا ہے جس کے بارے میں محمد (ﷺ) تمھیں ڈراتا ہے؟ قریش نے جواب دیا: ہمیں تو زقوم کا کوئی علم نہیں۔

ابوجہل بولا: وہ مکھن لگی ہوئی یثرب (مدینہ منورہ) کی عجوہ کھجوریں ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں مل جائے تو ہم یہ زقوم

[1] السيرة لابن هشام: 360,359/1، تفسير الطبري، الأنبياء 102,101:21. [2] أنساب الأشراف: 144/1.

جب سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک شکن آلود ہوگئی اور آپ ﷺ پریشانی کی حالت میں انھیں وہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۂ عبس کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝﴾

(عبس 80:1-14)

''اس نے ماتھے پہ شکن ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی۔ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا، آپ اس کی فکر میں ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا چلا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے۔ چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔ (وہ ان) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔'' [1]

سردارانِ قریش کا حقارت آمیز تبصرہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے احباب حضرت خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی دوران قریش کے چند سرداروں کا آپ ﷺ کے قریب سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ ان جیسے لوگوں کی قربت پر راضی ہوگئے ہیں۔ [2]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (قبول اسلام سے پہلے) سیدنا اقرع بن حابس تمیمی اور سیدنا عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہما آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صہیب، سیدنا بلال، سیدنا عمار اور سیدنا خباب رضی اللہ عنہم اور انھی جیسے کچھ دوسرے غریب، کمزور اور نادار مومنوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جب انھوں نے ان نادار حضرات کو نبی ﷺ کے اردگرد بیٹھے دیکھا تو انھیں حقیر جانا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے تنہائی میں بات کی اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ الگ تشریف رکھیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری فضیلت (اور بلند مقامی) کا پتہ چلے۔ آپ کے پاس عرب

[1] السيرة لابن إسحاق: 263,262/1، السيرة لابن هشام: 364,363/1، سبل الهدى والرشاد: 423/2. [2] مسند أحمد: 420/1.

کے مختلف علاقوں کے وفد آتے ہیں اور ہمیں اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں، اس لیے جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ انھیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بھی تشریف رکھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے کہا: ہمیں (اس معاہدے کی) ایک تحریر لکھ دیجیے۔ نبی ﷺ نے لکھنے کا سامان طلب فرمایا اور لکھنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ ہم (غریب مسلمان) ایک طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آ گئے اور انھوں نے وحی کی یہ آیات سُنائیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:52)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کیجیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے (اور اس کی عبادت کرتے) ہیں۔ وہ اپنے رب کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر اگر آپ انھیں اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا (جو اس وقت غیر مسلم تھے) اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:53)

''اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ لوگ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟''

اور پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

(الأنعام 6:54)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے۔''

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے قریب آ گئے حتی کہ ہم نے آپ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے

پر اتفاق کیا کہ جوں ہی محمد (ﷺ) نظر آئیں، اسی وقت سب لوگ یکدم اٹھ کھڑے ہوں اور فوراً ان پر ٹوٹ پڑیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس وقت تک پیچھے نہ ہٹے جب تک کہ ہم انھیں قتل نہ کر ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس گھناؤنے ارادے کا پتا چل گیا، وہ روتی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور عرض کی: قریش کے سرداروں نے آپ کے خلاف یہ معاہدہ کیا ہے کہ جوں ہی وہ آپ کو دیکھیں، آپ پر پل پڑیں اور قتل کر دیں، ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو آپ کے خون سے ہاتھ رنگنے کے لیے بے تاب نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے پورے وقار اور اطمینان سے فرمایا: میری بیٹی! مجھے وضو کراؤ۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان لوگوں کے پاس حرم تشریف لے گئے۔ جب اُن سنگ دل لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو فوراً چلائے: لو، وہ آگیا۔ لیکن یہ کہتے ہی ان کی آنکھیں جھک گئیں اور گردنیں لٹک کر سینوں سے لگ گئیں۔ وہ مبہوت ہو کر بیٹھے رہے۔ کسی کو آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہوئی اور کوئی بھی اپنے فاسد ارادے کے لیے نہ اٹھ سکا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مٹھی بھر مٹی لی اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ”چہرے بگڑ جائیں۔“ پھر آپ ﷺ نے وہ مٹھی بھر مٹی ان لوگوں کی طرف اُچھال دی۔ جس جس پر بھی وہ مٹی پڑی، اُس کا حشر یہ ہوا کہ وہ بدر کے دن کفر کی حالت میں جہنم رسید ہوگیا۔[1]

اجتماعِ قریش کے موقع پر جبریل امین کی آمد

جب رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ قریش مکہ نے آپ کو قتل کرنے کا عہد و پیمان کر لیا ہے تو آپ ﷺ صفا کی جانب دروازے سے نکل گئے۔ اس موقع پر جبرائیل آ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے محمد! اللہ جل شانہ نے آسمانوں کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کریں، زمین کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کرے اور پہاڑوں کو بھی حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کریں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو آسمان کو حکم دیجیے، وہ ان پر عذاب نازل کرے، چاہیں تو زمین کو حکم دیجیے کہ وہ انھیں نگل جائے، پہاڑوں کو حکم دیجیے کہ وہ ان پر گر کر انھیں مسل ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ میری امت پر اس (عذاب) کو مؤخر رکھے، شاید اللہ تعالیٰ انھیں توبہ و استغفار کا موقع نصیب فرمائے۔“[2]

نماز سے روکنے کی جسارت

ابوجہل کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آ بیٹھتا تھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت بھی سنتا تھا لیکن اس کی تصدیق کرتا

[1] مسند أحمد: 303/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 245,244/1.

نہ ایمان لاتا اور نہ نماز ادا کرتا تھا بلکہ الٹا رسول اللہ ﷺ کو بھی نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝﴾ (القیٰمۃ 32,31:75)

''نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑا۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ بیت اللہ کے صحن میں نماز پڑھتے تھے تو ابوجہل آپ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ایک دن آپ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا اور دیکھتے ہی بولا: اے محمد! کیا میں نے تمھیں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ہی وہ نبیِ اکرم ﷺ کو دھمکیاں دینے لگا۔ آپ ﷺ نے جواباً اُسے ڈانٹا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور جھنجھوڑ کر فرمایا:

﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝﴾ (القیٰمۃ 35,34:75)

''تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے، پھر تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے۔''

اس پر ابوجہل بولا: اے محمد! مجھے دھمکی دیتے ہو؟ تم اور تمھارا الٰہ دونوں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں مکہ کے دونوں پہاڑوں کے مابین چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ میری محفل سب سے بڑی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝﴾ (العلق 18,17:96)

''چنانچہ اسے چاہیے اپنی مجلس والوں کو بلائے، یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔'' [2]

نماز کے دوران حملہ آور ہونے کا انجام

ایک دفعہ ابوجہل نے سرداران قریش سے پوچھا: محمد (ﷺ) آپ لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ یعنی بیت اللہ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! بے شک ایسا ہی ہے۔ ابوجہل نے کہا: لات وعزّی کی قسم! اگر میں نے اسے سجدے کی حالت میں دیکھ لیا تو اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ تھوڑی ہی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ابوجہل اپنا مذموم ارادہ پورا کرنے کے لیے فوراً اٹھا اور آپ ﷺ کی طرف

[1] تفسیر القرطبي، القیٰمۃ 32,31:75. [2] جامع الترمذي: 3349، صحیح السیرۃ النبویۃ للألباني، ص: 145,144، تفسیر ابن أبي حاتم، تفسیر ابن کثیر، القیٰمۃ 35,34:75.

”اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔“

(المآئدة 67:5)

”بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔“

(الحجر 95:15)

اس باب میں

آپ پر یہ حقیقت اُجاگر ہوگی کہ سچائی کے اعلان واظہار کا راستہ طرح طرح کے آلام ومصائب سے اٹا ہوا ہے۔ آشوب وآلام کے نشیب و فراز رسالتِ مآب ﷺ پر بھی گزرے۔ مشرکینِ مکہ کی آنکھوں میں جہالت کی دُھول پڑی ہوئی تھی، انھوں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ وہ آپ کی مخالفت کرتے رہے ان کے حلق سب وشتم اُگلتے رہے، ام جمیل طعنہ دیتی رہی۔ ابولہب محسنِ انسانیت ﷺ سے گستاخیاں کرتا رہا۔ نبیہ، منبہ، حارث سہمی، نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری واہیات باتیں کرتے رہے۔ امیہ بن خلف نے زیادتیاں کیں، چچی نے ایذا دی، ابوجہل نے ہولناک مذاق کیا۔ حمزہ اُس پر انتقام لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پڑوسیوں نے سفاکیاں کیں۔ پھولوں سے زیادہ پاکیزہ دختران رسول ﷺ کو صرف اس لیے طلاق دے دی گئی کہ یہ اس غمگسار انسانیت ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں جو ناآشنائے حقیقت جاہلوں کو رہ رہ کر اور تڑپ تڑپ کر صراط مستقیم کی طرف بلا رہا ہے......

یہ ساری چشم کشا حقیقتیں آپ اگلے اوراق میں جزئیات سمیت پڑھیں گے۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ ان تمام حالات وحوادث میں جو چیز رحمت اللعالمین کے لیے ہمیشہ پشتیبان بنی رہی وہ اللہ رب العزت کا کلامِ عظیم قرآن کریم تھا، جو آپ ﷺ پر ہر مرحلے میں بارانِ رحمت کی طرح اترتا رہا۔

رسول اللہ ﷺ کسی قیمت پر تبلیغ دین سے دستبردار نہیں ہوں گے تو انھوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ابوجہل نے قریش سے کہا: اے گروہ قریش! تم نے دیکھ لیا ہے کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین کے عیوب بیان کرنے، ہمارے بزرگوں کو گالیاں دینے اور ہمارے دانشوروں کو بیوقوف کہنے سے باز نہیں آئے۔ اب میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے اور اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں صبح اتنا بھاری پتھر اٹھاؤں گا جتنا کہ میں اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں، پھر جس وقت محمد (ﷺ) سجدے کی حالت میں ہوں گے، میں اس پتھر سے اُن کا سر کچل دوں گا۔ اے گروہ قریش! پھر یہ تمھارے رحم و کرم پر موقوف ہوگا کہ تم میری مدافعت کرو یا اس کے بدلے میں مجھے اس کے وارثوں کے حوالے کر دو، پھر بنو عبدمناف میرے ساتھ جو جی چاہے کر لیں، مجھے کوئی پروا نہیں۔ قریش نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ہرگز تمھیں ان کے حوالے نہیں کریں گے، تم اپنا ارادہ پورا کرو۔

صبح ہوئی۔ ابوجہل نے ایک بھاری پتھر اٹھا لیا اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ آپ ﷺ حسب معمول علی الصباح گھر سے نکلے۔ یہ واقعہ تحویل قبلہ سے پہلے کا ہے۔ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا، آپ بیت اللہ کے پاس رکن یمانی اور حجر اسود کی جہت میں جہاں کعبہ اور شام (بیت المقدس) دونوں سامنے کے رُخ پر ہوتے تھے، کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اِدھر قریش اپنی اپنی مجلسوں میں چوکس ہو کر بیٹھ گئے اور ابوجہل کی کارروائی کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی آپ ﷺ سجدے میں گئے، ابوجہل نے پتھر اٹھا لیا اور آپ ﷺ کی طرف لپکا۔ لیکن جیسے ہی وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا، بُری طرح بدحواس ہو کر پلٹ آیا۔ اس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کا خون خشک ہو گیا ہے۔ دہشت کے مارے اس کے ہاتھ سے پتھر بھی چھوٹ گیا۔

قریش کے سرکردہ افراد اس کی طرف لپکے اور پوچھنے لگے: اے ابوالحکم! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ ابوجہل بولا: میں تو وہی کام کرنے گیا تھا جو میں نے تمھیں رات کو بتایا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا، میرے اور اس کے درمیان ایک اونٹ حائل ہو گیا۔ اللہ کی قسم! اس جیسی بڑی کھوپڑی، اس جیسی لمبی گردن اور اس جیسے بڑے بڑے خوفناک دانتوں والا اونٹ میں نے کبھی نہیں دیکھا، وہ اونٹ مجھے نگل جانا چاہتا تھا۔[1]

رکیک جملوں پر رسول اللہ ﷺ کی بردباری

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ مشرکین مکہ نے

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 237,236/1، السیرۃ لابن ہشام: 299/1.

رسول اللہ ﷺ کو جو سب سے زیادہ روح فرسا تکلیف پہنچائی، وہ کیا تھی؟
انھوں نے بتایا: ایک دن مشرکین کے سرکردہ لوگ حطیم میں جمع تھے۔ اس محفل میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر شروع ہوگیا۔ مشرکین کہنے لگے: ''جتنا صبر ہم نے اس شخص کی وجہ سے کیا ہے، اتنا صبر کبھی کسی اور کی وجہ سے نہیں کیا۔ یہ ہمارے بہترین لوگوں کو بیوقوف کہتا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین کے عیوب گنواتا ہے، ہمارے اتحاد کو تہس نہس کرتا ہے، ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتا ہے۔ ان تمام باتوں پر ہم نے صبر سے کام لیا۔''
ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے آتے ہی حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا۔ مشرکین نے آپ ﷺ کی شان کے منافی چند نازیبا کلمات کہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ان گستاخانہ کلمات کا ناگوار ردِّعمل نمایاں ہو رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے کامل وقار اور خاموشی سے طواف جاری رکھا۔ جب طواف کے دوسرے چکر کا مرحلہ آیا تو مشرکین نے حسب سابق پھر رکیک کلمات کہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پہلے کی طرح کے پھر ناگوار اثرات محسوس کیے لیکن آپ ﷺ نے طواف جاری رکھا۔ جب تیسرے چکر میں مشرکین نے پھر مغلظات بکیں تو آپ ﷺ رک گئے اور فرمانے لگے: ''اے گروہ قریش! کیا تم سن رہے ہو؟ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے لیے ذبح (کا حکم) لایا ہوں۔''
قریش آپ کی یہ بات سن کر ڈر گئے۔ اب ان میں سے ہر شخص پریشانی کی حالت میں اس قدر حیران اور دم بخود تھا جیسے اُس کے سر پر موت منڈلا رہی ہو۔ اب حالت یہ تھی کہ جو شخص پہلے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بے ہودہ باتیں کر رہا تھا، وہی اب سب سے اچھی باتیں کرنے لگا اور کہنے لگا: اے ابوالقاسم! آپ ہدایت یافتہ ہیں، واپس تشریف لے جائیے، اللہ کی قسم! آپ ہرگز گمراہ نہیں۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔

عقبہ بن ابی معیط کی سفاکی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش دوسرے روز پھر حطیم میں جمع ہوئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے: گزشتہ روز جو تکلیف تم نے انھیں پہنچائی اور ان کی طرف سے جو ردِّعمل ہوا، تم نے وہ تو بتا دیا لیکن جب انھوں نے تمھارا ایسی بات سے مقابلہ کیا جسے تم پسند نہیں کرتے تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟
ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ اب تمام مشرکین اکٹھے ہو کر آپ کی

بتوں کو پوجتے تھے، اس لیے تم بھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بت پوجتے رہو گے۔

اہل مکہ کے پاؤں کی سب سے بھاری زنجیر تقلید آباء تھی جو انھیں راہِ حق پر قدم بڑھانے سے روکتی تھی۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے۔ حالات و حوادث کی کروٹوں اور شیطان کے جھانسوں کے باعث اہل مکہ بتوں کو پوجنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دی تو وہ چونک پڑے، کہنے لگے: بھلا آپ کی دعوت کے مقابلے میں ہم اپنے آباء و اجداد کے دین اور رسوم و رواج کو کیسے چھوڑ دیں؟ تقلید کی یہی بندش تھی جس نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا مخالف بنا دیا۔

باطل عقائد و نظریات کی تردید

مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت کی وجوہ میں سب سے بڑی وجہ بت پرستی تھی۔ عرب مدت سے بت پرستی میں مبتلا چلے آرہے تھے۔ بیت اللہ کی مقدس دیواریں تین سو ساٹھ (360) بتوں کے وجودِ نامسعود کی پرچھائیوں میں چھپ گئی تھیں۔ ان بتوں میں ''ہبل'' کو خدائے اعظم کا درجہ دیا گیا تھا۔ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بجائے قریش انھی باطل خداؤں کی عبادت کرتے اور انھی کو خیر و شر کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ اپنے باطل عقائد اور مکروہ رسوم و رواج میں وہ اتنے پختہ اور بے لچک تھے کہ ان عقائد میں کسی کی دخل اندازی کو ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے وہ بڑے سخت توہم پرست تھے۔ کوئی کام شروع کرنے لگتے تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ سفر پر روانہ ہوتے تب بھی تیروں کی رہنمائی کے طلب گار ہوتے، وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام میں کاہنوں کی مدد کے خواستگار بھی رہتے تھے۔ وہ اپنی مرادیں برآنے کے لیے لات و عزیٰ کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اس ذہنی گمراہی کے علاوہ وہ معاشرتی لحاظ سے بھی بڑے گھٹیا تھے۔ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں کر لیتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کل کوئی ہمارا داماد نہ کہلائے، نومولود بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام انھی باطل عقائد و اعمال کا قلع قمع کرتا تھا، اس لیے مشرکین اسے اپنے لیے یکسر ناقابل قبول سمجھتے تھے۔

عقیدۂ آخرت

مشرکین مکہ جزا و سزا کے تصور ہی سے بے نیاز تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ بس موت ہی زندگی کی انتہا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے برعکس اسلام یومِ حساب کو ایمان کی اساس قرار دیتا ہے۔ مشرکین اپنے جاہلانہ عقیدے کی بنا پر اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

جاہ وحشمت کے لیے خاندانی رقابت

بنو ہاشم اور بنو امیہ ہم پلہ تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے زور بازو سے بنو ہاشم کا پلڑا بھاری کر دیا۔ اس کے بعد اس خاندان میں اُن جیسا کوئی صاحب اثر پیدا نہ ہوا۔ جونہی نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار و اعلان کیا تو خاندانِ بنو امیہ چونک پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت کو اپنے رقیب بنو ہاشم کی ابدی فتح اور بالادستی کا مؤثر ترین عامل سمجھنے لگا، اسی لیے آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت اسی قبیلے نے کی۔

ولید بن مغیرہ بنو مخزوم کا نہایت سرکردہ لیڈر تھا۔ باقی خاندانوں میں اس کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، چنانچہ بنو مخزوم نے بھی دعوتِ اسلام کی مخالفت کی۔

اسلام کا اعلیٰ اخلاقی نظام

قریش کے اکثر سرداروں میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت شرمناک اشغال و افعال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں ممتاز تھا۔ وہ حرم کے خزانے سے غزالِ زریں چرانے والے مشکوک افراد میں شامل تھا۔ اخنس بن شریق چغل خور اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث جھوٹا اور مکار تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ان میں مالی و معاشرتی برائیاں اور اخلاقی گراوٹیں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اسلام ان تمام برائیوں کو نیست و نابود کرنے آیا تھا اور کفار کو یہ بات کسی صورت گوارا نہ تھی۔ وہ اپنے رہنماؤں کی تذلیل اور پسپائی سے بدکتے تھے، اسی لیے اسلام قبول کرنے سے گھبراتے تھے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے آپ کی شدید مخالفت اور اذیت رسانی پر کمر باندھ لی۔

مساوات سے نفرت

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اسلام قبول نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ حسب ونسب پر بڑا گھمنڈ کرتے تھے۔ کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی معمولی سی بھی جود وسخا کو اُچھال اُچھال کر جتلاتے تھے اور ریاکاری کے ذریعے سے اپنی انا کو پروان چڑھاتے تھے۔ اسلام ان تمام برائیوں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عالمگیر انسانی مساوات کا علمبردار ہے جبکہ اس کے برعکس رؤسائے مشرکین غریبوں، ناداروں اور کسمپرس لوگوں کو کوئی اہمیت دینا اپنی توہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسلام کی مخالفت میں اندھے ہوکر آپ ﷺ کو اذیتیں دینے پر تُل گئے۔

بشر کی نبوت سے انکار

بت پرستوں کا خیال تھا کہ کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بشری تقاضے رسالت کے

کے آگے ایک دیوار بنا دی۔'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کفار قریش ڈھانک دیے گئے: ﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان کی آنکھیں ڈھانپ دیں۔'' ﴿فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ ''لہٰذا وہ (نبی اکرم ﷺ کو) دیکھ نہیں سکتے تھے۔'' کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچا سکیں۔ ...... پھر اس واقعے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنومخزوم کے چند افراد نے نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو تلقین کی کہ وہ ہر حال میں آپ ﷺ کو قتل کرے۔ اس منصوبے میں ولید بن مغیرہ اور ابوجہل پیش پیش تھے۔ چنانچہ بنومخزوم اس ناپاک پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موقع کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

ایک دن نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے۔ بنومخزوم نے جونہی آپ ﷺ کی تلاوت سنی تو ولید کو بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دے۔ ولید اس مکان پر پہنچا جہاں نبی اکرم ﷺ نماز میں مصروف تھے اور بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے۔ ولید نبی اکرم ﷺ کو تلاش کرنے لگا۔ وہ آپ ﷺ کی تلاوت تو واضح طور پر سن رہا تھا لیکن وہ آپ کی ذاتِ گرامی کو پوری کوشش کے باوجود نہ دیکھ پایا۔ وہ حیران ہو کر واپس چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو اس عجیب و غریب صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد ابوجہل، ولید اور بنومخزوم کے چند دیگر افراد اسی مکان میں پہنچے جہاں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی کان لگا کر قراءت سننے اور غور کرنے لگے کہ یہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے؟ انھیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز ان کے عقب سے آ رہی ہے، لہٰذا وہ پیچھے مُڑ گئے۔ جب وہاں دیکھا اور کان لگا کر آواز کی جہت تلاش کرنے لگے تو انھیں تلاوت کی آواز پھر اپنے پیچھے سے آتی سنائی دی، وہ اسی کشمکش میں خوار ہوئے اور واپس چلے گئے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھ سکے نہ ان کے خلاف کچھ کر سکے۔ بالآخر ان کے ناپاک عزائم خاک میں مل گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت مقدسہ کا مطلب یہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝﴾ (یٰس 9:36)

''اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) کو ڈھانپ دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی ایک اور مذموم کوشش

نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ متعدد مواقع پر آپ کو تکالیف پہنچانے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 197,196/2، الخصائص الكبرى: 214/1.

میں اس نے بڑی تیزی اور دلیری دکھائی لیکن ہمیشہ حسرت و یاس کے ساتھ نامرادی ہی اس کا مقدر بنی۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت رفع حاجت کے لیے گھر سے نکلے اور الحجون کی گہری گھاٹی میں پہنچے۔ نضر بن حارث نے آپ کو دیکھ لیا۔ وہ کہنے لگا: میں نے آپ (ﷺ) کو کبھی تنہا نہیں پایا۔ یہ بہترین موقع ہے کہ میں چپکے سے بے خبری کے عالم میں انھیں قتل کر دوں۔ یہ سوچ کر وہ نبیِ اکرم ﷺ کے پیچھے چل دیا، پھر اچانک خوفزدہ ہو کر اپنے گھر پلٹ آیا۔ رستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوئی۔ وہ پوچھنے لگا: کہاں سے آ رہے ہو؟ نضر بولا: میں محمد (ﷺ) کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں انھیں تنہائی میں دھوکے سے قتل کر دوں۔ اچانک میں نے ایک کالا زہریلا ناگ دیکھا۔ وہ میرے سر کے اوپر اپنا جبڑا پھاڑ کر پھنکار رہا تھا۔ میں بُری طرح گھبرا گیا اور لوٹ آیا۔ ابوجہل کہنے لگا: یہ واقعہ اس کے جادو کی وجہ سے پیش آیا ہے۔[1]

بنوامیہ کے ناپاک ارادے

حکم بن ابی الحکم اموی کی بیٹی اپنے باپ سے کہنے لگی: اے بنوامیہ! تم سے زیادہ بری قوم میں نے کبھی نہیں دیکھی جو رسول اللہ (ﷺ) کے آگے عاجز تھی اور ان کے بارے میں بری رائے رکھتی تھی۔ حکم کہنے لگے: اے میری بیٹی! ہمیں ملامت نہ کر، میری بات سن، میں صرف وہی بات بتاتا ہوں جو میں نے دیکھی ہے۔[2] ہم نے ایک دن عہد کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کر دیں گے۔ ہم اس ارادے سے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑے۔ اچانک ہم نے بڑی خوفناک آواز سنی۔ ہمارا خیال ہے تہامہ کے پہاڑ بھی اس آواز کی شدت سے لرز گئے ہوں گے۔ اسی اثنا میں ہم پر غشی طاری ہوگئی۔ جب تک رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر اپنے اہل و عیال کی طرف واپس نہیں آ گئے، ہم بے ہوش ہی پڑے رہے۔ ایک دن ہم نے پھر اسی طرح کے عہد و پیمان باندھے اور رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ایک رات مقرر کرلی، جیسے ہی مقررہ وقت آیا، ہم فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف لپکے لیکن عین اُسی وقت صفا اور مروہ دونوں پہاڑ اوپر تلے ہو کر ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل ہوگئے۔ اللہ کی قسم! ہمارے ارادوں سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔[3]

ابوجہل نے نبیِ اکرم ﷺ کو زخمی کر دیا

ایک دفعہ ابوجہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ ابوجہل نے نبی ﷺ سے دشنام طرازی

[1] الخصائص الكبرى : 215/1، سبل الهدى والرشاد: 258/10، السيرة الحلبية : 518/1. [2] الإصابة: 87/2.
[3] الخصائص الكبرى: 215/1.

پہنچایا۔[1] یہ لوگ اللہ کے دین کے دشمن تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو محض اس لیے مدت مدید تک مبتلائے محن رکھا کہ آپ اسلام کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کی ایک فہرست حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی مرتب کی تھی جو حسب ذیل ہے:
آپ کی قوم میں سرفہرست اور شدید ترین دشمن آپ کا چچا ابولہب تھا۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔
رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔
بنوعبدشمس بن عبدمناف میں سے عُتبہ اور شیبہ جو ربیعہ بن عبدشمس کے بیٹے تھے۔
عقبہ بن ابی مُعَیط بن ابی عمرو بن ربیعہ بن امیہ بن عبدشمس، ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس، حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس، معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس۔
بنوعبدالدار بن قصی میں سے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ۔ بنوعبدالعزیٰ بن قصی میں سے اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اور اس کا بیٹا ربیعہ بن اسود۔
ابوالبختری عاصی بن ہشام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ بنو زہرہ بن کلاب میں سے اسد بن عبدیغوث بن وہب بن عبدمناف بن زُہرہ بن کلاب۔ بنومخزوم میں سے ابوجہل عمرو بن ہشام (ہاشم) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، اس کا بھائی عاصی بن ہشام (ہاشم)، ان کا چچا ولید بن مغیرہ (والدِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)، ولید کا بیٹا ابوقیس، اس کا چچا زاد قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ان کا چچا زاد زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ (ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی) اور اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔
صیفی بن سائب جس کا تعلق بنو عابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے تھا۔ خاندانِ سہم بن ہصیص بن کعب بن لوی میں سے عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سہم بن ہصیص (والدِ عمرو رضی اللہ عنہ)، حارث بن عدی بن سُعَید بن سہم بن ہصیص، مُنَبِّہ اور نُبَیْہ جو حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سُعَید بن سہم بن ہصیص کے بیٹے تھے۔
بنوجمح میں سے اُمیہ اور اُبَیّ جو خلف بن وہب بن حُذافہ بن جمح بن ہصیص بن کعب بن لوی کے بیٹے تھے۔ اُنیس بن مِعْیَر بن لوذان بن سعد بن جمح (ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا بھائی) اور حارث بن طُلاطِلَہ خُزاعی اور عدی بن حمراء ثقفی۔
ان لوگوں نے اور دیگر تمام قبائل قریش کے سرداروں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، وہ ان میں سے بے یار و مددگار مسلمانوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بناتے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے

[1] أنساب الأشراف: 141,140/1.

مگر ان تمام آلام و مصائب کے باوجود اسلام مردوں اور عورتوں میں مسلسل پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین کی طرف سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان شدائد کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور انھوں نے زبردست صبر کا مظاہرہ فرمایا، وہ ایمان کی حلاوت اور اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں بے پناہ اجر و ثواب تیار فرما رکھا تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین

اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو مشرکین کی تکالیف پر صبر کی تلقین فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝﴾

”اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے۔“[2]

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝﴾

”چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔“[3]

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کفار) پر غم نہ کریں اور نہ آپ اس پر تنگی محسوس کریں جو وہ مکر (سازشیں) کر رہے ہیں۔“[4]

﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾

”آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کر دینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔“[5]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝﴾

[1] جوامع السیرۃ لابن حزم، ص: 52-54، نیز ملاحظہ فرمائیں: المحبر لابن حبیب، ص: 157، أنساب الأشراف: 1/50-70.
[2] المزمل 10:73. [3] الدھر 24:76. [4] النحل 127:16. [5] حٰمٓ السجدۃ 43:41.

’’الٓمّٓ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا اور وہ انھیں بھی ضرور ظاہر کرے گا جو جھوٹے ہیں۔‘‘

(العنکبوت 29:1-3)

اس باب میں

آپ اسلام کے ناتواں اور نادار فدائیوں پر مشرکین مکہ کی دل خراش مشق ستم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فدویت و استقامت ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسلام دشمنی میں آپ کو ابوجہل کا ہاتھ بہت تیز دکھائی دے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی توحید اور کبریائی کا نعرہ بلند کیا تو ان پر مشرکین کے ہاتھوں کیا گزری؟ اس ہولناک واقعے کی تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کے چچا کے مظالم سامنے آئیں گے، پھر آپ کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد کا لرزہ خیز منظر دکھائی دے گا، پھر آل یاسر پر ہولناک تشدد اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مبارک سے جنت کی بشارت کے بعد آپ صہیب رومی، عامر بن فہیرہ، زبیر، ابوذر غفاری، خالد بن سعید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین کی ستم رانی کا حال پڑھیں گے۔ آخر میں آپ کی نظر سے یہ ایمان افروز واقعہ گزرے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس طرح اپنا مال بے دریغ خرچ کیا اور مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔

چلتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''[1]

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انھیں تو امتحانوں اور آزمائشوں کی انتہائی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر تسلیم و رضا اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ سابق انبیائے کرام علیہم السلام کو جب تکالیف پہنچیں تو انھوں نے ان پر ممکن حد تک صبر کیا لیکن جب ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنی قوموں کے ظالم افراد کے خلاف فریاد کی، پھر اللہ جل شانہ نے ان کی قوموں کو دنیاوی عذاب سے دوچار کر دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر قسم کی تکالیف نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیں۔ سفرِ طائف میں مشرکین کا ظلم سہ کر آپ کی زبان مبارک سے یہی جملہ نکلا: ''اے اللہ! یہ نادان لوگ ہیں، انھیں ہدایت عطا کر۔'' یہاں تک کہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات دکھانے کے مطالبے کیے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد اگر کسی

[1] جامع الترمذي:2398، مسند أحمد:180/1

نواحِ طائف کا سرسبز منظر

نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا میں کسی اور کو نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلب گار ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں کی سفاکیاں

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند بدبخت لوگ ایسے بھی تھے جو نبیِ اکرم ﷺ کو خود انھی کے کاشانۂ مبارک میں اذیت پہنچاتے تھے۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی یہ سب رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے تھے۔

سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی پڑوسی مسلمان نہیں ہوا۔ ان پڑوسیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کا معمول یہ تھا کہ جب نبیِ اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ان میں سے ایک شخص بکری کی بچہ دانی اُٹھا کر نشانہ باندھتا تھا اور آپ ﷺ کے وجودِ گرامی پر دے مارتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ اس غلاظت کو ایک لکڑی پر اُٹھا کر دروازے سے باہر تشریف لاتے اور فرماتے:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا؟!»

''اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟''

پھر آپ ﷺ اس گندگی کو دروازے سے باہر پھینک دیتے تھے۔[2]

وہ شقی القلب لوگ نبیِ اکرم ﷺ کو مسلسل اسی طرح اذیت دیتے رہے۔ آپ نے ان ناآشنائے انسانیت پڑوسیوں کی رکیک حرکتوں پر بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور احتیاطی تدبیر کے طور پر اپنے گھر کے اندر ایک محفوظ گھروندا بنا لیا تاکہ آپ نماز پڑھتے ہوئے ان لوگوں کی خباثتوں سے محفوظ رہیں۔

ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور اذیت رسانی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو نہایت گھناؤنے انداز سے بے حد تکلیف پہنچاتے تھے۔ دونوں غلاظت اکٹھی کرتے اور نبیِ اکرم ﷺ کے دروازے پر پھینک دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

«كُنْتُ بَيْنَ شَرِّ جَارَيْنِ أَبِي لَهَبٍ وَّ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِنْ كَانَا لَيَأْتِيَانِ بِالْفُرُوثِ فَيَطْرَحَانِهَا

عَلٰى بَابِي»

---

[1] المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126. [2] السيرة لابن هشام: 416/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 178.

کے دین کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ وہ تم سے بہتر تھے۔ اگر تم اسلام سے باز نہ آئے تو پھر ہم تمھیں بیوقوف سمجھیں گے، تمھاری بات مسترد کریں گے اور تمھاری قدر و منزلت گھٹا دیں گے۔

اگر مسلمان ہونے والا شخص تاجر ہوتا تو ابوجہل اسے دھمکی دیتا: اللہ کی قسم! ہم تیری تجارت کے تمام راستے مسدود کر دیں گے اور تیرا مال اُجاڑ دیں گے۔ اور اگر اسلام قبول کرنے والا شخص کمزور ہوتا تو ابوجہل اسے دھمکاتا اور پھر اس کی پٹائی کرتا تھا۔[1]

بعض مواقع پر مسلمانوں پر اتنا سنگین تشدد کیا گیا کہ وہ بالکل عاجز آگئے اور کفار و مشرکین انھیں حواس باختہ کر کے ان کی زبانوں سے اپنے مطلب کی بات کہلوانے لگے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گائے اور اونٹ کی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا تھا۔ بعض کو لوہے کی تپتی ہوئی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا جاتا تھا۔[2] یہاں تک کہ خود مسلمان ہونے والے کا اپنا قبیلہ ہی اس کے درپے ہو جاتا اور وہ ظالم بڑی سی کھال کے خول میں پانی بھر کر اس میں اسلام قبول کرنے والے شخص کو بند کر دیتے تھے۔ اس طرح اُس بیچارے کا دم گھٹنے لگتا اور سانس میں گرہیں پڑنے لگتی تھیں تو وہ ستم زدہ مجبور ہو کر ان ظالموں کا کہنا مان لیتا۔ ایسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں۔ اُنھوں نے ہر قسم کی تکلیف میں صبر کیا اور ان کے پائے ثبات میں لمحہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔[3]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: کیا مشرکین مسلمانوں پر اتنا زیادہ تشدد کرتے تھے کہ وہ دین کی زبانی کلامی نفی کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اس کے لیے وہ معذور تھے؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: ہاں! اللہ کی قسم! کفار مسلمانوں پر نہایت المناک تشدد کرتے تھے۔ انھیں بُری طرح ستایا جاتا تھا، بھوکا پیاسا رکھا جاتا تھا۔ انھیں اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ شدت الم کی وجہ سے نڈھال ہو جاتے تھے۔ بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہتے تھے۔ یوں بعض انتہائی مظلوم مسلمان اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کے مطلوبہ کلمات بول دینے پر بادلِ ناخواستہ مجبور ہو جاتے تھے۔

مشرکین پوچھتے: کیا اللہ کے علاوہ لات و عزّیٰ بھی تمھارے الٰہ ہیں؟ تو تشدد کا مارا زخموں سے چُور مسلمان کہہ دیتا: ہاں۔ اسی مشقِ ستم کے دوران اگر ایک گندہ سیاہ کیڑا پاس سے گزرتا تو وہ پوچھتے: کیا یہ سیاہ کیڑا تمھارا الٰہ ہے؟ وہ بے چارہ کہہ دیتا: ہاں۔ لیکن اس کا دل اللہ رب العزت پر ایمان سے لبریز ہوتا تھا اور وہ صرف اذیت سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کے مطلوبہ بول کہہ دیتا تھا۔[4]

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 130. [2] رحمة للعالمين:1/63. [3] الروض الأنف:2/88,87. [4] السيرة لابن إسحاق: 1/229، السنن الكبرٰى للبيهقي:8/209.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی طرح کے معاملے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ (النحل 106:16)

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دیا (بخوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' [1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس شخص نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا غضب ہوگا اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ لیکن جو آدمی کفر سے دلی نفرت کرتا ہو، اس کا دل ایمان سے لبریز ہو اور وہ دشمن کے ظلم وستم سے خلاصی پانے کے لیے مجبوراً کفریہ کلمہ کہہ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں سے ان کے قلبی خیالات وعقائد پر مؤاخذہ فرماتا ہے۔ [2]

مسلمانوں پر یہ تکالیف اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت تامہ کے تحت آئی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت 2:29)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔''

اس آیت کریمہ میں استفہام انکاری ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں: ''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو اُن کے ایمان کے مرتبے کے مطابق آزمائے گا۔'' [3]

یہی بات حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ ''وہ کون لوگ ہیں جو سب سے زیادہ سخت آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَ إِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ حَسَبَ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي

[1] تفسیر ابن کثیر، النحل 106:16. [2] السنن الکبرٰی للبیہقي: 209/8. [3] تفسیر ابن کثیر، العنکبوت 2:29.

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔''[1]

ام جمیل قریب پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سُدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آ رہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابوقحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کرسکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَیْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَیْنَا وَ دِینَهُ قَلَیْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔''

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَیْشٍ وَ لَعْنَهُمْ، یَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَیَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَ أَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''[2]

[1] بنيٓ إسرآءيل 17:45. [2] صحيح البخاري: 3533، السيرة لابن هشام: 356/1، دلائل النبوة للبيهقي: 2/195-197، سبل الهدٰى والرشاد: 2/464 و 10/256، فتح الباري: 8/941-944.

نبیِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق

سورۂ لہب کے نزول پر ابولہب بہت مشتعل ہوگیا۔ وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیوں کو طلاق دلانے پر تُل گیا۔ ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بڑے بیٹے عتبہ سے کہا: اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس طرح اس بدبخت نے آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوادی۔

عتبہ کی گستاخی اور اس کا انجام

بدبخت عتبہ نے بڑی بے ہودگی، شقاوت اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں تیرے دین سے انکار کرتا ہوں۔ مزید برآں میں انکار کرتا ہوں اس کا جو (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پھر وہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوگیا، یعنی میں جبرائیل کا انکار کرتا ہوں اور ستارہ جو گرتا ہے، اس کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے آپ ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے رخ انور پر تھوکا مگر یہ تھوک زمین پر گر گیا اور نبیِ اکرم ﷺ اس سے محفوظ رہے۔ بعدازاں اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دے دی۔ یہ انتہائی دلخراش اور روح فرسا بدسلوکی تھی جو عتبہ جیسے گھٹیا، خبیث اور شقی القلب شخص نے روا رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں بددعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ»

”اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔“

ابولہب ملکِ شام میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے اپنے کارندوں اور غلاموں کے ساتھ عتبہ کو بھی شام بھیجا اور اپنے کارندوں سے کہا: تم یقیناً میری بزرگی سے باخبر ہو اور میرا حق پہچانتے ہو۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں رہا۔ یہ بات کہنے کے بعد ابولہب نے سب لوگوں سے اپنے بیٹے کی حفاظت کے لیے عہد و پیمان لیے، پھر یہ قافلہ چل دیا۔

اثنائے راہ میں جہاں بھی یہ قافلہ پڑاؤ ڈالتا، اہل قافلہ عتبہ کی حفاظت کے لیے زبردست انتظام کرتے، اُسے بیچ میں رکھتے اور خود اس کے ارد گرد رہتے تھے۔ وہ اسے کپڑوں اور جملہ سامان کے پیچھے چھپا دیتے تھے۔ ایک رات قافلے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد

شحات (لیبیا) کی مسجد ابوبکر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں بہت زیادہ اذیتوں سے دوچار کیا گیا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو انھیں رسی سے باندھ دیا گیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب بُصریٰ سے واپس آکر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راہب کی بات کی تصدیق کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

نوفل بن خویلد بن اسد قرشی کو، جو اسد قریش کے لقب سے مشہور تھا، حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو اس نے ان دونوں کو پکڑ لیا، پھر دونوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ اس موقع پر بنوتیم نے سیدنا ابوبکر صدیق تیمی اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہما کا بالکل دفاع نہ کیا۔ ان دونوں حضرات کو ایک ہی رسی سے باندھے جانے کی بنا پر قرینین (دو ساتھی) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن خویلد بن عدویہ کے شر سے بچنے کے لیے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! اكْفِنَا شَرَّ ابْنِ الْعَدَوِيَّةِ» ''اے اللہ! ہمیں ابن عدویہ کے شر سے کافی ہو جا۔''[2]

نوفل بن خویلد بن اسد غزوہ بدر (2ھ/624ء) میں مارا گیا۔ ایک قول کے مطابق اسے اس کے برادر زادے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے قول کے مطابق اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔[3]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عتبہ بن ربیعہ کا تشدد

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد اڑتیس (38) تک پہنچ گئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اب برملا اسلام کی دعوت دیجیے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ» ''ابوبکر! ہم اقلیت میں ہیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے بھی علانیہ دعوت کا حکم دے دیا تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا سرعام اعلان کر دیا۔ بعد ازاں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ دیکھیے: بعثت نبوی کے تحت ''سیدنا طلحہ بن عبیداللہ۔'' [2] دلائل النبوة للبيهقي: 2/166,167، البداية والنهاية: 3/28,29. [3] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 148.

اپنے اپنے رشتہ داروں کی ٹولیوں میں شامل ہو کر چلے گئے۔ نبیِ اکرم ﷺ بیت اللہ کے صحن میں بیٹھ گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی خطیب لوگوں کو علی الاعلان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی والہانہ دعوت دے رہا تھا۔

مشرکین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس جرأت رندانہ پر بُری طرح سٹپٹائے اور غضبناک ہو گئے۔ وہ مسلمانوں پر چڑھ دوڑے۔ اس دوران انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بڑی بے رحمی سے پیٹا۔

عتبہ بن ربیعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دو پیوند لگے جوتوں سے مارنے لگا۔ عتبہ نے ان کے مبارک چہرے کو بطور خاص نشانہ بنایا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیٹ پر چڑھ بیٹھا اور مسلسل ضربیں لگا لگا کر ان کے چہرے کو اتنا زخمی کر دیا کہ ناک اور چہرے کی پہچان ہی مشکل ہو گئی۔

بنوتیم کو اس صورتحال کی خبر ملی تو وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے نرغے سے چھڑانے کے لیے سرپٹ دوڑے۔ مشرکین نے بنوتیم کو آتے دیکھا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ وہ شدید زخمی ہو چکے تھے۔ بنوتیم نے انھیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اٹھا کر گھر لے گئے۔ زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت اس قدر نڈھال تھی کہ بنوتیم کو جلد ہی ان کی موت واقع ہونے کا یقین ہو گیا۔ وہ فوراً حرم میں گئے اور اعلان کیا: اللہ کی قسم! اگر ابوبکر وفات پا گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنوتیم کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی کاوشیں کارآمد ثابت ہوئیں اور دن کے آخری حصے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا۔

جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا، انھوں نے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس سوال پر بنوتیم بڑے ناراض ہوئے۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات چیت بند کر دی اور دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ وہ جاتے جاتے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ام خیر (رضی اللہ عنہا) سے کہہ گئے: انھیں کچھ کھلائیے پلائیے۔ ام خیر (رضی اللہ عنہا) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ نبیِ اکرم ﷺ کا حال دریافت کیا۔ ام خیر (رضی اللہ عنہا) کہنے لگیں: مجھے تمھارے ساتھی کا مطلق علم نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے درخواست کی کہ ام جمیل بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے پاس جائیے اور رسول اللہ ﷺ کا حال معلوم کیجیے؟ ام خیر (رضی اللہ عنہا) وہاں سے نکلیں۔ ام جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچیں۔ ان سے نبیِ اکرم ﷺ کا حال پوچھا۔ ام جمیل رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اگر آپ پسند کریں تو میں آپ

کے برابر ہوں گے۔‘‘ [1]

دعوتِ الی اللہ میں کتنی لذت ہے؟ اس کا ذائقہ شناس صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو داعیان الی اللہ کے رہبر اعظم تھے۔ آپ ﷺ کا پیغام بڑا سچا تھا۔ دعوت کے بول اتنے میٹھے تھے کہ دل میں سرایت کر جاتے تھے۔ آپ اللہ کی وحدانیت بیان فرماتے تھے۔ لوگوں سے مخاطبت کی غایت صرف یہ ہوتی تھی کہ اللہ کا پیغام سن لو، سمجھ لو اور مان لو۔ یہ صرف سمجھنے اور مان لینے کا معاملہ ہے، زور اور زبردستی کی چیز نہیں ہے۔ جو مان لے گا، فلاح پائے گا۔ جو نہیں مانے گا، اپنا ہی نقصان کرے گا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا عمومی انداز یہی تھا۔ کیا دوست، کیا دشمن، آپ سبھی کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوت حق دیتے۔ اس راہ میں آپ ﷺ کو بے حد ستایا گیا، نالائقیوں، بدتمیزیوں اور ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ اپنے مقدس پروردگار کی اشد محبت میں اتنے گم تھے کہ آپ شدائد روزگار سے متاثر ہی نہیں ہوئے۔

اُدھر اللہ تعالیٰ کو بھی خوب معلوم تھا کہ آپ کو قرآن کریم سے کتنی تسکین ملتی ہے، چنانچہ جونہی ظالم اور ناشناس لوگ آپ ﷺ کو ستاتے اور آزمائش میں ڈالتے، اللہ تعالیٰ آپ کی تسکین قلب کے لیے قرآن کریم کی کوئی آیت نازل فرما دیتا تھا اور آپ کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کو بھیج دیتا تھا۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں آپ ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ان کی اذیت رسانیوں سے بچاؤ اور تسکین و تقویت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر فوراً وحی نازل فرمائی۔ آزمائشوں میں آپ کو تسلی دینا اور آپ کے لیے آیات نازل فرمانا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم تھا۔

ام جمیل کا طعنہ

ابولہب کی بیوی ام جمیل ایک ظالم مشرکہ عورت تھی وہ رسول اللہ ﷺ کو طعنے دیتی تھی۔ اس کے ایک طعنے کا حال جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اِشْتَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُوْنَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَالضُّحٰى ○ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○﴾ (الضحٰى 93:1-3)

[1] صحيح مسلم: 400، فتح الباري: 936/8.

’’رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے۔ اس وجہ سے آپ (ﷺ) دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت (ام جمیل زوجۂ ابولہب) آئی اور کہنے لگی: ’’اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسے میں نے دو یا تین راتوں سے نہیں دیکھا کہ وہ تمھارے پاس آیا ہو۔‘‘ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ضحیٰ نازل فرمادی: ’’قسم ہے چاشت کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔‘‘ [1]

زمعہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل یکبارگی آدھمکے اور کہنے لگے: اے محمد! کاش تمھارے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا جو تمھاری طرف داری میں بات کرتا جسے لوگ براہ راست سنتے اور دیکھتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○﴾ (الأنعام 6:8، 9)

’’اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو پھر بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ [2]

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل کے قریب سے گزرے تو انھوں نے آپ ﷺ کو برے القابات سے پکارا اور آپ سے استہزا کیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے پریشان ہوئے تو ظالموں کے اس قبیح فعل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○﴾

(الأنعام 6:10)

[1] صحيح البخاري: 4950، صحيح مسلم: 1797، مسند أحمد: 312/4، فتح الباري: 907/8. [2] السيرة لابن هشام: 395/2.

آلِ فرعون کا مومن افضل تھا یا ابوبکر؟ لوگ خاموش رہے تو سیدنا علی ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابوبکر کی زندگی کا ایک لمحہ اس کی پوری عمر سے افضل ہے۔ آلِ فرعون کا مومن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن ابوبکر اپنے ایمان کا ڈٹ کر اظہار و اعلان کرتے تھے۔[1]

عثمان بن عفان ؓ پر ظلم
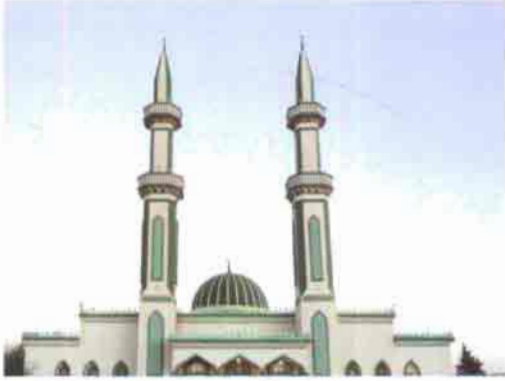
البیضاء (لیبیا) کی مسجد عثمان

حضرت عثمان بن عفان ؓ جب اسلام کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے تو وہ بنوامیہ کے پہلے فرد فرید تھے جنھوں نے بنوہاشم کے سپوت سرور کونین ﷺ کی غلامی قبول کر کے اپنے قبیلے میں سبقت کا اعزاز حاصل کیا۔ بنوامیہ ان کی اس جرأت پر غضب ناک ہو گئے۔ حضرت عثمان ؓ کے بدبخت چچا نے انھیں کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیا اور نیچے سے دھواں دینے لگا، وہ اس عمل کو بار بار دہراتا لیکن حضرت عثمان ؓ کے ایمان اور استقلال میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔[2]

دوسری طرف نبیِ اکرم ﷺ نے بنوامیہ کے اس فرزند کو اپنے سینے سے لگایا، ان کی عزت افزائی کی، بنوامیہ کی تمام کدورتوں اور نفرتوں کو نظر انداز کر کے انھیں اپنے قریبی رفقاء میں بلند مقام سے نوازا۔ ان کی دلجوئی کی تاکہ انھیں اپنے قبیلے کی عصبیت سے محفوظ رکھا جا سکے اور پھر انھیں اپنی فرزندی میں لے کر ان سے اپنی بیٹی بھی بیاہ دی۔ یہ یگانہ اعزاز صرف سیدنا عثمان ؓ ہی کو نصیب ہوا کہ نبیِ اکرم ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی اُنھی سے کی۔ نبیِ ﷺ نے سیدنا عثمان ؓ کو جو بلند مرتبہ مرحمت فرمایا، اسے دیکھ کر بنوامیہ کے دوسرے افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ گویا سیدنا عثمان ؓ کے قبولِ اسلام اور نبیِ ﷺ کے اعلیٰ کردار اور فقید المثال حسن سلوک کی بدولت بنوامیہ کے دلوں میں آپ ﷺ کی اور اسلام کی محبت پیدا ہونے لگی۔

امام المؤذنین بلال ؓ پر کفار مکہ کا تشدد

مشرکین مکہ انسانیت کے ادنیٰ ترین تقاضوں سے بھی بے خبر تھے۔ اُن کی سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ وہ کمزور اور بے سہارا مسلمانوں کو مار مار کر لہولہان کر دیتے تھے تاکہ ان مظلوموں کا بہتا ہوا خون دیکھ کر عام لوگ ڈر جائیں اور اسلام

[1] مسند البزار: 15,14/3، حدیث: 761، فتح الباري: 214,213/7. [2] رحمۃ للعالمین: 62/1.

قبول کرنے کی جرأت نہ کریں۔ اس مقصد کے علاوہ یہ درندے بے نوا مسلمانوں کو اس لیے بھی ستاتے تھے کہ اس طرح انھیں اپنے انتقامی جذبات کی تسکین کا سامان بھی میسر آتا تھا۔ جوں جوں اسلام کا نور پھیلتا جا رہا تھا، مشرکینِ مکہ کا غیظ و غضب بھی بھڑکتا جا رہا تھا۔ ان کے انتقامی جذبوں کا سب سے بڑا ہدف سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بالکل نہتے اور بے سہارا تھے۔ اُن کا کوئی مددگار تھا نہ کوئی قبیلہ جو ان کا دفاع کرتا۔ بلال رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس قدر راسخ الایمان ہوگئے کہ ایمان کے مطالب و مقاصد ان کے دل و دماغ میں اتر گئے۔ ایمان کی بشاشت ان کے رگ و پے میں سما گئی۔ وہ اٹل ارادے کے مالک تھے۔ اپنے اسلام میں انتہائی سچے اور دل کے نہایت پاکیزہ تھے۔ اسلام پر ثابت قدمی کی بنا پر وہ بدترین تکالیف پر بھی صبر و استقلال کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ تپتے ہوئے سنگریزوں پر

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام سے دستبردار کرانے اور مرتد بنانے کے لیے بڑے ہولناک حربے اختیار کیے گئے۔ جب دوپہر کی بھرپور گرمی اپنے عروج پر ہوتی تو امیہ بن خلف جمحی بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کی وادی میں سنگریزوں پر لٹا دیتا، پھر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ اس کے بعد وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہتا: تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو محمد (ﷺ) کا انکار اور لات و عزیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کرلے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس شدید ترین اذیت پر بھی اَحد اَحد، یعنی ''ایک ہی الٰہ ہے، ایک ہی الٰہ ہے'' کی صدا بلند کرتے رہتے تھے۔[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم میں دس لوگوں کی ایک جماعت قریش کے سرداروں میں سے کسی سردار کو پکڑ کر قتل کر دے تاکہ یہ شہر ہمارے حق میں سازگار ہوجائے۔ یہ تجویز سن کر نبیِ اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ کی خوشی آپ کے مبارک چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ اس موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس شہر میں ہمارے بچے بھی ہیں، ہمارے والدین اور ہمارے بھائی بھی موجود ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہی جملے بار بار دہراتے رہے۔ نبیِ اکرم ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطلب سمجھ گئے۔ آپ نے ان کا موقف قبول فرمایا اور پہلی تجویز ترک کر دی۔

جب شام کا وقت ہوا تو مشرکین نے ہمیں پکڑ لیا اور ہم پر اتنا تشدد کیا کہ ہم مجبور ہوکر بادلِ ناخواستہ فتنہ کفر میں

[1] السيرة لابن هشام :318/1.

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝﴾ (القلم 68:10-13)

''اور آپ ہر جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں۔ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے۔ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار اور اجڈ ہے۔ مزید برآں حرام زادہ ہے۔''[1]

عاص بن وائل کا استہزا

نبی اکرم ﷺ کے صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عاص بن وائل کے پاس اپنی تلواروں کی اجرت لینے گئے تو اس نے آپ سے ٹھٹھا کیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (ﷺ) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝﴾ (مریم 19:77-80)

''پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلائیے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پا لی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ہم ان چیزوں کے وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے۔ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔''[2]

نضر بن حارث اور عبداللہ بن زِبَعْری کا جھگڑا

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے کتاب ''السیرۃ'' میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران نضر بن حارث آیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت مسجد میں قریش کے اور بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی تو نضر بن حارث نے آپ کی گفتگو میں دخل اندازی کی، آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر بات چیت کی حتی کہ اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان تمام قریشیوں کے سامنے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں:

[1] السيرة لابن هشام: 361,360/1، أسد الغابة: 55/1، تفسير ابن أبي حاتم، القلم 68:10-13. [2] صحيح البخاري: 2091، صحيح مسلم: 2795، السيرة لابن هشام: 357/1.

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ○ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ○﴾

(الأنبياء 21:98-100)

''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے، تم لازماً اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں نہ پڑتے اور اب سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس میں ان کے لیے چیخنا چلاّنا ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سن پائیں گے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن زِبَعْریٰ سہمی آ گیا، وہ بھی قریشیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعریٰ سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث آیا۔ وہ ابھی ابن عبدالمطلب کے ساتھ کھڑا تھا اور بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اُس سے کہا ہے کہ ہم اور ہمارے یہ تمام معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں، جہنم کا ایندھن ہیں۔ ابن زبعریٰ نے یہ سن کر کہا کہ اگر میری محمد (ﷺ) سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے اس موضوع پر بحث کرتا۔ جاؤ محمد (ﷺ) سے یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے ہیں اور نصرانی مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی پوجا کرتے ہیں۔ کیا فرشتے، عزیر اور مسیح بھی جہنم میں جائیں گے۔ ولید اور اس کے ساتھ مجلس میں موجود دیگر لوگوں کو ابن زِبَعْریٰ کی یہ بات بہت اچھی لگی اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ اپنی اس دلیل کے ساتھ یہ غالب آ گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُعْبَدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ»

''ہر وہ معبود جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی بھی عبادت کی جائے تو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ شیاطین کی اور جس کی عبادت کا شیاطین نے انھیں حکم دیا، اس کی عبادت کرتے ہیں۔''

بہرحال ان کے اس اعتراض کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ○ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ○﴾ (الأنبياء 21:101، 102)

''بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ اس سے دور رکھے

بھائی کی تلاش میں مکہ آئے۔ مالک اور حارث واپس چلے گئے۔ یاسر رضی اللہ عنہ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بن گئے۔ ابوحذیفہ مخزومی نے یاسر رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی۔ اس لونڈی کا نام سمیہ بنت خیاط تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میاں بیوی کو بیٹا عطا فرمایا۔ اُس کا نام انھوں نے عمار رکھا۔ اس موقع پر ابوحذیفہ نے سمیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔[1]

خاندانِ یاسر کی اسلام میں سبقت

جب دعوتِ اسلام کی صدا بلند ہوئی تو اولین مسلمانوں کے ساتھ یاسر، سمیہ اور عمار رضی اللہ عنہم بھی مسلمان ہو گئے۔[2]
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات دار ارقم کے دروازے پر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ میں نے صہیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم یہاں کیسے؟ صہیب رضی اللہ عنہ نے اُلٹا مجھ سے سوال کر دیا: تم بتاؤ، تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور ان کا کلام سنوں۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا بھی یہی مقصد ہے۔ چنانچہ ہم دونوں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہمیں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔[3]

آلِ یاسر کو جنت کی خوشخبری

ایک موقع پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم پر وادی بطحاء میں تشدد کیا جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبْشِرُوا يَا آلَ عَمَّارٍ! فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»

''خوش ہو جاؤ اے خاندانِ عمار! بلاشبہ تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[4]

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: بنومخزوم عمار بن یاسر، ان کے والد اور والدہ کو مکہ سے باہر لے گئے۔ یہ ایک مسلمان گھرانہ تھا۔ عین دوپہر کے وقت جب شدید گرمی پڑتی تو انھیں مکہ مکرمہ کے تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر ہولناک عذاب دیا جاتا۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ! مَوْعِدُكُمُ الْجَنَّةُ»

''اے خانوادۂ یاسر! صبر سے کام لو۔ تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[5]

[1] الطبقات لابن سعد: 246/3، أنساب الأشراف: 178/1. [2] أنساب الأشراف: 179/1. [3] الطبقات لابن سعد: 248,247/3، أسد الغابة: 309/3. [4] الطبقات لابن سعد: 249/3. [5] السيرة لابن إسحاق: 229/1، السيرة لابن هشام: 320,319/1.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ہم مکہ کی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔ اسی دوران ہمارا سامنا عمار، ابوعمار اور ام عمار رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ مشرکین انھیں بڑی سفاکی سے پیٹ رہے تھے۔ یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا حالات ایسے ہی رہیں گے؟ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «اِصْبِرْ» ”صبر کرو!“ پھر دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِآلِ يَاسِرٍ وَّقَدْ فَعَلْتَ»

”اے اللہ! خاندانِ یاسر کو معاف فرما دے اور یقیناً تو نے معاف فرما دیا ہے۔“ [1]

یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت

ابوجہل سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہنے لگا: تو محمد (ﷺ) پر صرف اس لیے ایمان لے آئی ہے کہ تو اس کے جمال پر فریفتہ ہوگئی ہے۔ یہ سن کر سمیہ رضی اللہ عنہا نے اسے سخت جواب دیا تو اس درندے نے سمیہ رضی اللہ عنہا کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ سمیہ رضی اللہ عنہا دین حق کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

بعد ازاں چند ہی دنوں کے بعد یاسر رضی اللہ عنہ بھی ظلم سہتے سہتے خالق حقیقی سے جا ملے۔ [2]

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو آگ سے داغا گیا

ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مشرکین نے آگ سے داغا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے قریب سے گزرے تو آپ نے ان کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ آپ ﷺ ان کے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرما رہے تھے: «يَا نَارُ! كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ» ”اے آگ! عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی۔“ [3] نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مزید فرمایا: «تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ» ”تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔“ [4]

عمار رضی اللہ عنہ کی کسمپرسی

عمار رضی اللہ عنہ اپنے ماں باپ کے بعد کفار کی طرف سے مدتوں طرح طرح کے عذاب سہتے رہے۔ وہ مکہ کے ان کمزور اور کسمپرس لوگوں میں سے تھے جن کا وہاں کوئی قبیلہ نہ تھا جو ان کی حفاظت کرتا۔ نہ خود ان کے پاس کوئی ذاتی دفاعی

[1] الطبقات لابن سعد: 249,248/3، أنساب الأشراف: 184,183/1، صفة الصفوة: 443/1. [2] السيرة النبوية للصلابي: 274/1، أنساب الأشراف: 182/1، الإصابة: 500/6. [3] الطبقات لابن سعد: 248/3، صفة الصفوة: 443/1. [4] صحيح البخاري: 2812، صحيح مسلم: 2916، واللفظ له.

صلاحیت تھی۔ قریش انھیں دوپہر کے وقت خوفناک گرمی میں تپتی ریت پر لٹا دیتے تھے تاکہ وہ عاجز آ کر مرتد ہو جائیں۔ ان پر پیہم ظلم و ستم کی انتہا یہ تھی کہ بسا اوقات سیدنا عمار رضی اللہ عنہ تشدد کی شدت کی وجہ سے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھتے تھے اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔[1]

عمار رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور نبیِ مکرم ﷺ کا دلاسا

ایک دفعہ مشرکین نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو شدید تکلیف دینے کے بعد کہا: ہم تمھیں اسی طرح اذیت دیتے رہیں گے۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کو برا بھلا کہو اور لات و عزّٰی کو محمد کے دین سے بہتر قرار دو۔ عمار رضی اللہ عنہ شدت تشدد کی تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے مجبوراً سفاکوں کے مطلوبہ بول، بول دیے۔ مشرکین نے انھیں چھوڑ دیا۔ بعد ازاں عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم کامیاب ہو گئے؟'' عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیوں؟'' اس پر انھوں نے سارا ماجرا بیان کیا کہ معذوری کی حالت میں بہت مجبور کیے جانے پر میں نے آپ کے بارے میں غلط بات کہہ دی اور لات و عزّٰی کو آپ کے دین پر ترجیح دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''(اُس وقت) تم نے اپنے دل کی کیفیت کو کیسا پایا؟'' انھوں نے جواب دیا: میں نے اپنے دل کو ایمان ہی سے لبریز پایا۔ میرا دل دین اسلام پر لوہے کی طرح تختی سے قائم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم پر کوئی عار نہیں۔ اگر وہ لوگ تمھیں اس طرح کے ظلم کر کے پھر ستائیں تو تم انھیں دوبارہ وہی جواب دے سکتے ہو۔'' چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾

(النحل 106:16)

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا۔''[2]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی آزمائش

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ناز و نعمت میں پلنے والے انتہائی خوش پوش نوجوان تھے۔ ان کے والدین ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ والدہ مالدار خاتون تھیں۔ وہ بڑے چاؤ سے مصعب رضی اللہ عنہ کو سب سے اعلیٰ اور خوبصورت کپڑے

[1] الطبقات لابن سعد: 248/3، أنساب الأشراف: 180/1، السيرة النبوية للصلابي: 274/1، 275. [2] المستدرك للحاكم: 357/2، أنساب الأشراف: 182,181/1.

پہناتی تھیں۔ مزید برآں مصعب رضی اللہ عنہ مکہ میں سب سے اچھی اور سب سے زیادہ خوشبو استعمال کرنے والے تھے۔ وہ بہترین حضرمی جوتے پہنا کرتے تھے۔ [1] بوقت صبح بیدار ہونے سے پہلے ہی ان کی والدہ کھجور، گھی اور پنیر کا بہت لذیذ حلوہ تیار کر کے ان کے سرہانے رکھ دیتی تھیں۔ گویا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی صبح کا آغاز ہی ناز و نعمت سے ہوتا تھا۔ [2]

مصعب رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکال دیا گیا

جب والدین کو مصعب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا پتہ چلا تو انھوں نے مصعب رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکال دیا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا۔ [3] ان کی والدہ نے قسم کھالی کہ جتنی دیر تک مصعب اسلام ترک کر کے اپنے دین پر واپس نہیں آئے گا، کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور نہ سائے میں رہوں گی، چنانچہ وہ دھوپ میں کھڑی ہو جاتی اور نڈھال ہو کر غشی کی حالت میں گر پڑتی۔ وہ اتنی لاغر ہوگئی کہ اسے کھلانے پلانے کے لیے اس کے بیٹے اپنی والدہ کا منہ ایک چھوٹی سی لکڑی کی مدد سے کھولتے تھے اور اسے وقفے وقفے سے حیس (حلوہ) کھلاتے تھے تاکہ وہ مر نہ جائے۔ [4]

مصعب رضی اللہ عنہ زندان میں

جب قوم کو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُن لوگوں نے حضرت مصعب کو قید خانے میں ڈال دیا۔ والدہ کی پریشان کن حالت دیکھ کر اور قوم کی طرف سے قید و بند کی صعوبت اُٹھا کر بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسلام سے منحرف نہ ہوئے۔ مشرکین اپنی پوری کوشش کے باوجود انھیں اسلام سے ہٹا کر مرتد نہ کر سکے بلکہ وہ اپنے اسلامی عقائد پر انتہائی مضبوطی اور استقامت سے ثابت قدم رہے اور قید و بند کی صعوبتوں اور اذیتوں کی مطلق پروا نہ کی۔ [5]

مصعب رضی اللہ عنہ کی کھال اُدھڑ گئی

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ مشرکین نے مکہ میں ہماری گزر بسر انتہائی دشوار کر دی۔ جب ہمیں طرح طرح کی ابتلا و آزمائش میں ڈالا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آسائشوں کی آغوش میں پلنے والے نوجوان تھے۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ انتہائی خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے جس کی پاداش میں انھیں دردناک

[1] الطبقات لابن سعد: 116/3. [2] الروض الأنف: 252/2. [3] الرحيق المختوم، ص: 106. [4] الروض الأنف: 252/2.
[5] الطبقات لابن سعد: 116/3.

عذاب دیا جا رہا ہے۔ مشرکین کا ظلم سہتے سہتے ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ان کی کھال اس طرح ادھڑ گئی جس طرح سانپ کی کینچلی بدل جاتی ہے۔[1]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جب دین اسلام اختیار کر لیا تو اپنے ماضی کے عیش و آرام اور لذت و حلاوت والے مرغوب و محبوب حالات کو یکسر خیر باد کہہ دیا، پھر انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ انھوں نے ٹھیک اسلامی تعلیمات ہی کے مطابق پوری استقامت سے زندگی بسر کی۔ راہ حق میں انھیں کڑی آزمائش اور آشوب سے گزرنا پڑا۔ انھیں اعلیٰ مرتبے سے محروم کر دیا گیا، پھر ان پر فقر و فاقہ مسلط کر دیا گیا۔ ان کے گھر والوں، قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور پورے خاندان کی طرف سے ان کی شدید مخالفت کی گئی، بھوک اور ظلم کے علاوہ انھیں وطن سے دوری جیسی کٹھن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں وہ اپنے محکم دین و ایمان کی بدولت کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ وہ اسلام کی حقانیت پر دل و دماغ کی گہرائیوں تک مطمئن، پہاڑوں کی طرح مضبوط اور غیر متزلزل مردِ مومن تھے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے اُحد کی قبریں

خباب بن اَرَت رضی اللہ عنہ پر تشدد

خباب رضی اللہ عنہ کی مالکہ ام انمار خزاعیہ کو ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر ملی تو اس نے لوہے کا ایک ٹکڑا تپایا اور خباب رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا۔ خباب رضی اللہ عنہ نے اس ظلم کی شکایت نبی ﷺ سے کی تو آپ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! انْصُرْ خَبَّابًا»

”اے اللہ! خباب کی مدد فرما۔“

اس کے بعد یہ ہُوا کہ خود ام انمار ہی کے سر میں تکلیف ہوگئی اور وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگی۔ اُس سے کہا گیا: اپنے سر پر داغ لگواؤ۔ وہ خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے سر پر داغ لگا دو، پھر خباب رضی اللہ عنہ لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے ام انمار کے سر پر لگایا کرتے تھے۔[2]

مشرکین نے خباب رضی اللہ عنہ کو مختلف طریقوں سے تکلیفیں دیں، کبھی مالی تکلیف دیتے تھے، کبھی جسمانی۔ ان کے سر

[1] أسد الغابة: 4/135، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 126. [2] أسد الغابة: 2/103.

سے بال نوچے جاتے تھے، گردن مروڑی جاتی تھی۔ انھیں بارہا تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا گیا۔ پتھروں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھی بھاری پتھر رکھ دیے جاتے تھے تاکہ وہ اٹھ بھی نہ سکیں۔ [1]

خباب رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خباب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچنے والی تکالیف کے بارے میں پوچھا تو خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھا دیا جو مسلسل تشدد سہنے کی وجہ سے پھلبہری کی طرح ہو چکی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آج جیسی تشدد زدہ کمر کبھی نہیں دیکھی۔ خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا: اے امیر المومنین! انھوں نے میرے سامنے آگ جلائی، پھر مجھے اس میں جھونک دیا اور ایک آدمی نے اپنا پاؤں میرے سینے پر رکھ دیا۔ یہ آگ میری چربی سے بجھی اور زمین میری پشت کی مسلسل ٹپکتی ہوئی چربی کی وجہ سے ٹھنڈی ہوئی۔ [2]

عاص بن وائل کی زیادتی

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ عاص بن وائل کے لیے تلواریں بنائیں مگر عاص بن وائل نے ان تلواروں کی مزدوری ادا نہیں کی۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی اجرت کی وصولی کے لیے اس کے پاس گئے۔ عاص کہنے لگا: خباب! تم نے جس نبی کا دین قبول کیا ہے، کیا اُس نے یہ نہیں کہا کہ جنت میں جانے والے لوگ جس قدر سونا، چاندی، کپڑے اور غلام چاہیں گے، حاصل کر لیں گے؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بولے: کیوں نہیں! (یہ بات بالکل سچ ہے) اس پر عاص نے بڑی ڈھٹائی سے کہا: پھر مجھے قیامت تک مہلت دو، میں تمھارا حق وہیں ادا کروں گا۔ اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (ﷺ) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ ﴾

(مریم 19:77-80)

”کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ان چیزوں کے ہم وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے

[1] الرحيق المختوم، ص: 107، السيرة النبوية للمهدي: 213/1 [2] الروض الأنف: 122/2، أسد الغابة: 103/2، السيرة النبوية للصلابي: 281/1.

اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔“ [1]

صحیحین میں ہے، سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار تھا۔ میرے کچھ درہم عاص بن وائل کے ذمے واجب الادا تھے۔ میں اس کے پاس پہنچا اور درہموں کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا: میں اُس وقت تک تمھارا قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا کبھی انکار نہیں کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں مار دے اور پھر زندہ کر دے۔ عاص بن وائل کہنے لگا: اچھا! پھر مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں مر جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں، پھر مجھے مال اور اولاد دی جائے گی تو میں تمھارا مال ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:77، 78)

”کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے رکھا ہے؟“ [2]

خباب رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

جب کمزور مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وستم انتہا کو پہنچ گیا اور انھیں سخت ترین آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چادر اوڑھ کر کعبہ کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے حق میں دعا نہیں فرمائیں گے؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، اس وقت آپ کا چہرہ اقدس سرخ ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللّٰهِ! لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ، أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ»

”تم سے پہلے ایک آدمی کو لایا جاتا تھا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو اس گڑھے میں ڈال

[1] السيرة لابن هشام :357/1، مسند أحمد : 111/5. [2] صحيح البخاري :2091، صحيح مسلم :2795.

دیا جاتا تھا، پھر آرا لایا جاتا اور اس شخص کے سر پر رکھ دیا جاتا تھا، اُس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے۔ یہ سارا ظلم بھی اسے اس کے دین سے روک نہ سکتا تھا۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیوں سے ہڈیوں اور پٹھوں تک گوشت نوچ لیا جاتا تھا اور یہ (ظلم) بھی اسے اس کے دین سے روک نہ سکتا تھا۔ اللہ کی قسم! دین کا یہ معاملہ ضرور مکمل ہوگا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کی مسافت اس طرح طے کرے گا کہ

وادی حضر موت کا ایک منظر

مسجد صالح (صنعاء)

وہ صرف اللہ سے ڈرے گا یا صرف بھیڑیے سے تا کہ وہ اس کی بکری نہ پھاڑ کھائے لیکن تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔'' [1]

خباب رضی اللہ عنہ شدتِ الم میں

صحابی رسول خباب بن ارت رضی اللہ عنہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ لَقِيَ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَقِيتُ.

''میں نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا کہ اسے اتنی تکلیفیں پہنچی ہوں جتنی مجھے پہنچی ہیں۔'' [2]

علی رضی اللہ عنہ کی گواہی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب صفین کی لڑائی سے واپس آئے تو خباب رضی اللہ عنہ کی قبر سے ان کا گزر ہوا۔ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ خباب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ انھوں نے رغبت کے ساتھ اسلام قبول کیا، اطاعت کے ساتھ ہجرت کی، مجاہدانہ زندگی گزاری اور ان کے جسم کو مختلف طریقوں سے (تکلیفیں دے کر) آزمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ [3]

[1] صحيح البخاري: 3612 و3852 و6943. [2] جامع الترمذي: 970. [3] الإصابة: 221/2.

صہیب رومی رضی اللہ عنہ پر قریش مکہ کا تشدد

قریش مکہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ پر اس قدر تشدد کرتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے اور وہ جو کچھ کہہ رہے ہوتے تھے، اُسے خود بھی نہیں سمجھ پاتے تھے۔ ان کے اور ظلم وستم کا نشانہ بننے والے دیگر غریب اور کمزور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (النحل 110:16)

”پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“[1]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صہیب بن سنان ان بے بس لوگوں میں سے تھے جن پر مشرکین مکہ نے ظلم و زیادتی کی انتہا کر دی۔[2]

ہجرت کرنے پر صہیب رضی اللہ عنہ کا تعاقب

سعید بن مسیب رحمہ اللہ صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کے لیے نکلے۔ قریش کے چند افراد نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور قریشیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے: تم لوگ اُس وقت تک میرے نزدیک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہیں۔ میں یہ تیر تم پر آزماؤں گا، اگر تم پھر بھی باز نہ آئے تو میں تمھیں اپنی تلوار سے اس وقت تک تہ تیغ کرتا رہوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں طاقت ہے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو، اگر طاقت رکھتے ہو تو کر دیکھو۔ لیکن اگر تم مصالحت کرنا چاہو تو میرا سارا مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ قریش نے ان کا مال غصب کر کے انھیں مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔[3]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ پر عتاب

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ طفیل بن حارث کے غلام تھے۔ طفیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے (ماں جائے) بھائی تھے۔[4] عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلامی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دار ارقم میں اسلام کی تعلیم و تبلیغ سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ نہایت راسخ الایمان تھے۔ اسلامی تعلیمات پر پوری استقامت سے عمل پیرا رہتے تھے۔ انھیں اسلام قبول

[1] الإصابة: 365/3. [2] الطبقات لابن سعد: 227/3. [3] الطبقات لابن سعد: 228/3. [4] الطبقات لابن سعد: 230/3.

کرنے پر ہولناک تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن وہ انتہائی مضبوط اور بلند حوصلے والے مرد مومن ثابت ہوئے۔[1]

عروہ بن زبیر ؒ فرماتے ہیں: عامر بن فہیرہ ؓ مؤمنین میں انتہائی کمزور اور بڑے بے بس شخص تھے۔ مشرکین مکہ نے ان پر بے پناہ جبر کیا۔ انھیں شدید اذیت دی گئی تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائیں۔[2] ابوبکر صدیق ؓ نے جب انھیں اسلام کی وجہ سے ظلم و تشدد کا نشانہ بنتے دیکھا تو انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔[3]

زبیر بن عوام ؓ پر ظلم

زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ؓ نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب ؓ کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ان کے چچا کو پتہ چلا تو اس نے انھیں بہت بُری طرح زد و کوب کیا۔ بدبخت چچا نے انھیں گھسیٹا اور ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیا۔ پھر وہ نیچے سے انھیں آگ کی دھونی دیتا رہا۔ اس طرح وہ حضرت زبیر ؓ پر مسلسل دباؤ ڈالتا رہا۔ وہ کہتا تھا: اسلام سے دستبردار ہو جاؤ اور کفر کی طرف لوٹ آؤ۔ لیکن حضرت زبیر ؓ نہایت جرأت سے یہی جواب دیتے رہے کہ اب میں ہرگز کفر نہیں کروں گا۔[4]

سعد بن ابی وقاص ؓ کی انوکھی آزمائش

سعد بن ابی وقاص مالک بن وہیب ؓ سترہ (17) سال کی عمر میں دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔[5]

سعد ؓ اپنی والدہ کی طرف سے شدید آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا: میں اُس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک تو اپنے نئے دین کو چھوڑ کر پرانے دین پر واپس نہ آئے گا۔

بیٹے کو مرتد کرنے کے لیے ام سعد کی بھوک ہڑتال

سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ میرے بارے میں نازل ہوئی:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمٰن 15:31)

"اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی

1 أسد الغابة:525/2. 2 الطبقات لابن سعد:230/3. 3 الكامل لابن الأثير:590/1. 4 المستدرك للحاكم:360/3، حلية الأولياء:131/1. 5 صفة الصفوة:356/1.
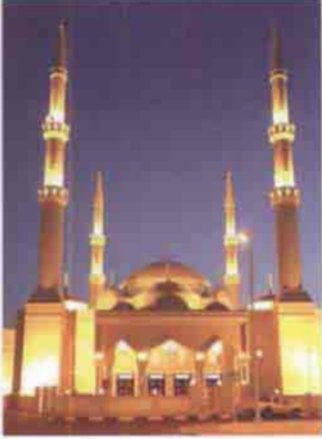
مسجد سعد بن ابی وقاص (ابوظبی)

اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں بھلے طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کرنا۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس آیت مقدسہ کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا: میں اپنی والدہ سے بڑی نیکی سے پیش آتا اور بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا لیکن جب میں مسلمان ہوا تو وہ کہنے لگیں: اے سعد! یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کر لیا ہے اور اس پر کار بند ہے۔ اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ میں مرجاؤں گی، پھر تجھے میری موت کی بنا پر عار دلائی جائے گی۔ میں نے کہا: اے میری پیاری والدہ! اس طرح کا طرز عمل اختیار نہ کیجیے کیونکہ میں اپنا دین ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ماں نے ایک دن اور ایک رات نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا۔ دوسرا دن آیا تو ان پر نقاہت طاری ہوگئی۔ وہ پھر ایک دن اور رات فاقے سے رہیں جس کی وجہ سے انھیں اور زیادہ اذیت سے دوچار ہونا پڑا لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں۔ وہ تیسرے دن اور رات کو بھی فاقے سے رہیں، کچھ کھایا نہ پیا۔ یوں متواتر فاقہ کشی کی وجہ سے وہ انتہائی لاغر ہوگئیں۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو کہا: اے میری والدہ محترمہ! اللہ کی قسم! آپ جان لیں کہ اگر آپ کی سو (100) جانیں بھی ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے آپ کے جسم سے نکل جائیں، تب بھی میں اپنا دین ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ کچھ کھانا چاہیں تو کھا پی لیں، نہ کھانا چاہیں تو نہ کھائیں مگر میں دین اسلام سے ذرہ بھر ہلنے والا نہیں۔ جب والدہ نے اسلام پر میری یہ استقامت دیکھی تو انھوں نے کھانا کھا لیا۔ اس پر مندرجہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]

حکم الٰہی کے سامنے ماں کا حکم مسترد

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: ام سعد نے قسم کھائی کہ جب تک سعد اسلام ترک نہیں کرے گا، وہ کھائے گی نہ پیے گی اور نہ سعد (رضی اللہ عنہ) سے کلام کرے گی۔ پھر وہ سعد رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: تو کہتا ہے کہ اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، میں تیری والدہ ہوں، میں حکم دیتی ہوں کہ اسلام کو چھوڑ دے۔ پھر تین دن تک اس نے کچھ کھایا نہ پیا، اس وجہ سے اسے غشی کے دورے پڑنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر اس کا ایک بیٹا جس کا نام عُمارہ تھا، کھڑا ہوگیا، اُس نے اپنی والدہ کو پانی پلایا، ہوش میں آنے کے بعد والدہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگی۔

[1] أسد الغابة: 309/2، تفسیر ابن کثیر، لقمٰن 31: 15.

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ (العنکبوت 8:29)

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے۔''

﴿ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾ (لقمٰن 15:31)

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کر جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان دونوں سے بھلے طریقے سے اچھا سلوک کرنا۔''[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر قریش مکہ کا تشدد

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی جاں نثار ساتھی تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ صَاحِبُ السَّوَادِ وَالسِّوَاكِ (رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور صاحبِ مسواک) کے لقب سے معروف تھے۔[2]

ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ دورانِ گفتگو کہنے لگے: قریش نے کبھی قرآن مجید نہیں سنا، اُنھیں قرآن مجید کون سنائے گا؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: یہ کام میں کروں گا۔ صحابہ نے کہا: ہمیں آپ کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس کام کے لیے کوئی ایسا شخص درکار ہے جس کے قبیلے والے اُس کا تحفظ کر سکیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے: مجھے یہ کام کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔

اگلے دن چاشت کے وقت جب قریش اپنی مجلسوں میں گپ شپ میں مشغول تھے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم کے پاس بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ ﴿ الرَّحْمَٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:1،2) مشرکین پوچھنے لگے: ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی نے بتایا: محمد (ﷺ) جو کلام لے کر آئے ہیں، وہ پڑھ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن انھوں نے تلاوت جاری رکھی۔ جتنا کلام پاک پڑھنا تھا، وہ پڑھ کر ہی دم لیا۔

جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اُن کے چہرے پر ظالم مشرکوں کی ضربوں کے نشانات تھے۔ صحابہ کہنے لگے: ہمیں یہی خدشہ تھا۔ اسی وجہ سے ہم آپ کو منع کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اب

[1] صحیح مسلم: 1748، بعد الحدیث: 2412. [2] أسد الغابة: 75/3، تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: 127،126.

اللہ کے دشمن میری نظر میں پہلے سے زیادہ حقیر ہو گئے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کل دوبارہ اُنھیں قرآن سنایا جائے تو میں کل بھی یہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ صحابہ کہنے لگے: نہیں، بس ایک مرتبہ ہی کافی ہے۔ [1]

مشرکینِ مکہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے

معتبر قول کے مطابق ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پکے موحد تھے اور بت پرستی سے بہت بیزار تھے۔ مکہ میں ان کی آمد کا مقصد اور اسلام لانے کا واقعہ نویں باب ''بیرون مکہ دعوتِ اسلام'' کے تحت بیان ہوگا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''آپ اپنی قوم غفار میں واپس چلے جائیں۔ انھیں میرے بارے میں آگاہ کریں، پھر جب آپ کو ہمارے غلبے کا علم ہو جائے تو ہمارے پاس آجائیں۔''

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان مکہ والوں کے سامنے کلمۂ توحید کا اعلان ضرور کروں گا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے، مسجد الحرام میں آئے اور بلند آواز سے اعلان کیا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ. ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ سنتے ہی مشرکین کا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا اور مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ آگئے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے خود اپنے آپ کو ان پر ڈال دیا اور قریش سے کہا: افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص غفار قبیلے کا ہے اور تمھارے شام جانے والے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے نکلتا ہے۔ اگر تم اسے مار دو گے تو تمھاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر مشرکین نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ دوسرے دن پھر مسجد الحرام آئے اور پہلے دن کی طرح اپنے اسلام کا بانگ دہل اعلان کیا۔ مشرکین پھر ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ اس دن بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں مشرکین کے ستم سے بچایا۔ [2]

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی آزمائش

ابتدا ہی میں اسلام لانے والوں میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ [3] ان کے والد کا مکہ میں بڑا مقام تھا۔ وہ مسلمانوں پر جبر و تشدد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اپنے اسلام کو اپنے خاندان سے چھپایا۔ جب ان کے والد کو ان کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ بڑا سیخ پا ہوا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو جو اپنے باپ کی طرح اسلام سے محروم تھے، خالد رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بھیجا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

[1] أسد الغابة: 74/3، [2] صحيح البخاري: 3522 و 3861، [3] الإصابة: 202/2.

بیان کرتے ہیں کہ جب میرے بھائی مجھے پکڑ کر لائے تو میرا باپ غصے کے مارے آپے سے باہر ہوگیا، وہ مجھے دیکھتے ہی گالیاں دینے لگا، اُس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، اس نے اُسی لاٹھی سے میری پٹائی شروع کر دی یہاں تک کہ میرے سر پر لاٹھی ماری تو لاٹھی ٹوٹ گئی۔ اس نے کہا: تم محمد (ﷺ) کی پیروی کرتے ہو، کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ اپنی قوم کے خلاف چل رہا ہے، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو جاہل بتاتا ہے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا: ''واللہ! وہ بالکل سچ فرماتے ہیں اور میں ان کی ان باتوں کی صداقت پر پورا یقین رکھتا ہوں۔'' یہ سن کر میرے باپ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا، اس نے کہا: ''کمینے! جہاں چاہو دفع ہو جاؤ۔ واللہ! میں تمھارا کھانا پینا بند کر دوں گا۔'' میں نے کہا: ''اگر آپ کھانا بند کریں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرمائے گا۔'' یہ سن کر باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا اور اپنے دیگر بیٹوں سے کہا: اس سے ہرگز کلام نہ کرنا۔ جو اس سے بولے گا، اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک کروں گا جو میں نے اِس سے کیا ہے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے چھپ کر مکہ کے نواحی علاقے ہی میں وقت گزارتے رہے۔ جب مسلمان دوسری ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر گئے۔ ان کا باپ مسلمانوں کے معاملے میں بہت سخت تھا۔ ایک موقع ایسا آیا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ کہنے لگا: اگر میں اپنی اس بیماری سے صحت یاب ہوگیا تو مکہ میں ابن ابی کبشہ (نبی ﷺ) کے معبود کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے دعا کی: ''اے اللہ! یہ صحت یاب ہی نہ ہونے پائے اور اسی بیماری میں مرجائے۔''[1]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر امیہ بن خلف کا جبر و ستم

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں آگئے تو ان کے قبیلے بنو جمح نے انھیں اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ سب سے بڑھ کر امیہ بن خلف ان کے درپے تھا اور انھیں اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلے کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے ہجرت ہی میں عافیت جانی اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس موقع پر انھوں نے اپنے قبیلہ بنو جمح کے لیے افسوس کا اظہار کیا اور امیہ بن خلف کو خبردار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

أَأَخْرَجْتَنِي مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ آمِنًا   وَأَسْكَنْتَنِي فِي صَرْحٍ بَيْضَاءَ تَقْذَعُ
تَرِيشُ نِبَالًا لَّا يُوَاتِيكَ رِيشُهَا   وَتَبْرِي نِبَالًا رِيشُهَا لَكَ أَجْمَعُ

[1] المستدرك للحاكم: 249/3، الطبقات لابن سعد: 95,94/4، أسد الغابة: 88,87/2، الإصابة: 202/2.

"کیا تو نے مجھے بے خوف و خطر ہو کر وادیِ مکہ سے نکال دیا ہے اور بدکلامی کرتے ہوئے مجھے سفید محل میں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تو تیروں کو پر لگاتا ہے مگر ان سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور تو تیر تراشتا ہے، ان کے سارے پر تیرے لیے اکٹھے کیے جائیں گے۔"[1]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کچھ دیر حبشہ میں مقیم رہے۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے جو پہلی ہجرت حبشہ کے بعد واپس آ گئے تھے۔ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ یہ ظلم و ستم دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہ کسی کی پناہ حاصل کیے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا انتہائی بااثر شخص تھا۔ اُس نے انھیں پناہ دی اور عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہو کر پُر امن زندگی بسر کرنے لگے۔

مسلمانوں پر ظلم کی انتہا اور اللہ ہی کی پناہ پر اکتفا

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ہولناک مظلومیت دیکھی تو ان کا دل سخت مضطرب ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ کسی کو آگ میں جھونکا جا رہا ہے، کسی کو کوڑوں سے پیٹا جا رہا ہے اور کسی کو کڑی دھوپ میں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام آلام و مصائب سے ولید بن مغیرہ کی پناہ کی وجہ سے محفوظ تھے۔ ان کی حساس طبیعت پر یہ بات انتہائی ناگوار گزری کہ دیگر مسلمان تو طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں اور وہ خود آرام سے رہیں۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا: میرے شام و سحر ایک مشرک کی وجہ سے پر امن طور پر بسر ہو رہے ہیں جبکہ میرے دوست اللہ تعالیٰ کے رستے میں آزمائشوں میں گھرے ہوئے ہیں اور انھیں وہ مصیبتیں پیش آ رہی ہیں جن سے کبھی مجھے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ عثمان رضی اللہ عنہ یہ واضح فرق دیکھ کر بڑے ذہنی کرب میں مبتلا ہو گئے۔ وہ فوراً ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے جو اس وقت بیت اللہ کے قریب بیٹھا تھا۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ سے کہا: اے ابوعبد شمس! تو نے پناہ دینے کا عہد خوب نبھایا۔ میں اب تک تیری پناہ میں تھا لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تیری پناہ تجھے لوٹا دوں۔ میرے لیے میرے نبی ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہی کے عمل میں پیروی کا بہترین نمونہ موجود ہے۔

ولید کہنے لگا: اے میرے بھتیجے! شاید تمھیں کسی نے تکلیف دی ہے یا تمھاری عزت پامال کی گئی ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام :332/1.

فرمانے لگے: ہرگز نہیں! بس میں اللہ کی پناہ میں خوش ہوں اور اس کے بعد مجھے کسی اور کی پناہ گوارا نہیں۔
ولید کہنے لگا: بیت اللہ میں (لوگوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ) چلو، جس طرح میں نے تمھیں سب کے سامنے علی الاعلان پناہ دی تھی، تم بھی اسی طرح برملا میری پناہ لوٹاؤ۔ وہ دونوں بیت اللہ میں آگئے۔ ولید لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: یہ عثمان بن مظعون ہے۔ یہ مجھے میری پناہ لوٹانا چاہتا ہے۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے اسے خوب پناہ دینے والا پایا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی اور کی پناہ کا محتاج نہ رکھوں، اس لیے میں اس کی پناہ لوٹا رہا ہوں۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی بزمِ لبید میں تشریف آوری

لبید بن ربیعہ قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا اور اپنے اشعار سے انھیں محظوظ کر رہا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ پناہ لوٹانے کے بعد اس محفل میں جا بیٹھے۔ لبید کہنے لگا:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

”خبردار رہو! اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔“
عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے بالکل سچ کہا۔ لبید اپنا کلام سناتا رہا۔ بالآخر اس نے مقطع پڑھا:

وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَّا مَحَالَةَ زَائِلُ

”اور ہر نعمت آخر کار ختم ہونے والی ہے۔“
یہ سن کر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جھوٹ کہتا ہے۔ جنت کی نعمتیں لامتناہی ہیں، وہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ قریش عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکے، اس لیے انھوں نے لبید سے کہا: مکرر پڑھیے۔ لبید نے دوبارہ پورا شعر پڑھا۔ اس کے پہلے مصرعے کی عثمان رضی اللہ عنہ نے تصدیق اور دوسرے مصرعے کی تکذیب کی۔

عثمان رضی اللہ عنہ کو اذیت رسانی اور ان کا صبر

لبید کہنے لگا: اے قریشیو! تمھارا ساتھی اس طرح تو کبھی ذلیل نہ ہوا تھا، اب یہ کیسے ہونے لگا؟ قریش میں سے ایک آدمی کہنے لگا: اسے قابلِ توجہ نہ جانو، یہ ایک بے وقوف آدمی ہے اور ان بے وقوف لوگوں کا ساتھی ہے جنھوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ تم اس کی وجہ سے ملال نہ کرو۔ اس کے بعد قریشیوں کا ایک انتہائی احمق شخص عثمان بن عبداللہ بن ابوامیہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اُن کی آنکھ پر ورم آ گیا۔

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی کہنے لگے: اے عثمان! پہلے تو ایسی پناہ میں تھا جو تجھے رُسوا کن سلوک سے محفوظ رکھتی تھی، اب تیری آنکھ کو جو تکلیف پہنچی ہے، پہلے تو اس سے محفوظ تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی پناہ تمھاری پناہ سے زیادہ امن اور اکرام والی ہے۔ اب تو میری دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں آزمائش کے لیے تیار ہے۔ مجھے تم سے یہی امید ہے اور میرے لیے میرے نبی ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔

ولید بن مغیرہ کی دوبارہ پناہ دینے کی پیش کش

ولید نے اس موقع پر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو یہ پیش کش کی: اگر تو دوبارہ میری پناہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں حاضر ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بعد مجھے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

لَا إِرْبَ لِي يَابْنَ الْمُغِيرَةِ فِي الَّذِي تَقُولُ وَلٰكِنِّي بِأَحْمَدَ وَاثِقُ

رَسُولٌ عَظِيمُ الشَّانِ يَتْلُو كِتَابَهُ لَهُ كُلُّ مَنْ يَبْغِي التِّلَاوَةَ وَامِقُ

''اے مغیرہ کے بیٹے! تم جو پیش کش کر رہے ہو، مجھے اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں تو احمد ﷺ سے وفا کرنے کا عہد کرتا ہوں، وہ عظیم الشان رسول ہیں، وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور جو اس کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہے، وہ اس کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔''[1]

سعد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا

جب عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر تھپڑ مارا تو اس وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑے بہادر انسان تھے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی پر جارحیت کا یہ منظر دیکھ کر رہ نہ سکے اور عثمان بن عبداللہ پر چڑھ دوڑے۔ انھوں نے جوشِ غضب میں اس کی ناک توڑ ڈالی جس سے اس کا خون بہنے لگا۔ یہ راہِ اسلام میں دشمن کے بہائے جانے والے اولین خونوں میں سے ایک تھا۔[2]

نبی ﷺ نے لبید کے مصرع کی تصدیق فرمائی

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے لبید بن ربیعہ کے جس مصرع کی تصدیق کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے سچا قرار دیا اور اس کی تحسین فرمائی جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

[1] السيرة لابن إسحاق: 219/1، دلائل النبوة للبيهقي: 2/291-293. [2] أنساب الأشراف: 262/1.

«أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ»

''سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید کی یہ بات ہے: خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔''[1]

ابوفُکیہہ رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد

ابوفُکیہہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام یسار تھا۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ بنوعبدالدار انھیں شدید تکلیفیں دیتے۔ انھیں شدید گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگلاخ پتھروں پر لٹایا جاتا، سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا جاتا، اس کربناک حالت میں ان کی زبان باہر نکل آتی اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ مشرکین گمان کرتے کہ یہ مر چکے ہیں لیکن ان میں زندگی کی حرارت موجود ہوتی تھی۔[2]

یسار رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ کو ان کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ ان پر ظلم ڈھانے لگا۔ ان کے پاؤں میں رسی باندھ دی جاتی اور لوگوں سے کہا جاتا: انھیں گھسیٹ کر لے جاؤ اور تپتی ہوئی زمین پر لٹاؤ۔ لوگوں نے انھیں اسی طرح تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ ایک مرتبہ انھیں پیٹا جا رہا تھا کہ ان کے قریب سے ایک گندہ سیاہ کیڑا گزرا۔ امیہ، ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: کیا یہ کیڑا تمھارا رب نہیں؟ انھوں نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ہی میرا، تمھارا اور اس کیڑے کا پروردگار ہے۔ اس جواب پر وہ اور زیادہ مشتعل ہو گیا اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اس مشقِ ستم میں امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف بھی شریک تھا۔ ابی کہنے لگا: اس کی اور پٹائی کرو یہاں تک کہ محمد (ﷺ) آئے اور اسے اپنے جادو کے ذریعے سے نجات دے۔

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو بدستور اسی طرح تکلیفیں دی گئیں یہاں تک کہ ظالموں نے یقین کر لیا کہ اب یہ مر چکے ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی زندگی کا رشتہ سلامت رکھا، افاقہ ہوا اور وہ ہوش میں آ گئے۔ ابھی اسی کیفیت میں تھے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ان کے قریب سے گزر ہوا۔ انھیں ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کی حالت زار دیکھ کر بڑا ملال ہوا، چنانچہ انھوں نے ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔[3]

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ نادار اور ناتواں لوگوں میں سے تھے، نبی ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں آپ ﷺ کے پاس اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش کے سرداروں نے نبی ﷺ کو ان کی طرف انگشت نمائی

[1] صحیح البخاري: 3841، صحیح مسلم: 2256. [2] أنساب الأشراف: 1/220,221. [3] الکامل لابن الأثیر: 1/590,591، سبل الهدیٰ والرشاد: 2/360.

کر کے عار دلائی۔ اس صورتِ حال پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (الأنعام6:52)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجیے جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں۔''[1]

عمر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں لُبینہ رضی اللہ عنہا کی پٹائی

قبیلۂ بنوعدی کے خانوادے بنومؤمل کی ایک لونڈی لبینہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لبینہ رضی اللہ عنہا پر بڑا غصہ تھا۔ وہ انھیں اسلام سے منحرف کرنے کے لیے مارتے اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تو رُک جاتے اور لبینہ رضی اللہ عنہا سے کہتے: یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمھیں مروت کی وجہ سے چھوڑا ہے، دراصل میں تھک گیا ہوں اور اسی تھکاوٹ کی وجہ سے تمھیں چھوڑ رہا ہوں۔

لبینہ رضی اللہ عنہا جواب میں فرماتیں: اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم سے میرا بدلہ ضرور لے گا۔[2]

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں عمرے کی غرض سے مکہ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مختلف طریقوں سے اذیتیں دی جارہی تھیں۔ میں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بنوعمرو بن مؤمل کی لونڈی کو پیٹ رہے ہیں، اس کا گلا دبا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ لونڈی ان کے تشدد کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہوگئی۔ میں نے کہا: ''یہ مرگئی ہے۔'' انھوں نے اسے چھوڑ دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کی پٹائی کرنے لگے۔[3]

زنیرہ رضی اللہ عنہا پر مصائب

زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا بنوعدی کی لونڈی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنومخزوم یا بنوعبدالدار کی لونڈی تھیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے ان کی پٹائی کرتے تھے۔ ابوجہل بھی ان پر بڑا ظلم کرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان پر اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کی بصارت جاتی رہی۔ ابوجہل نے ان سے کہا: تمھیں لات وعزّیٰ نے اندھا کیا ہے۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا نہایت استقلال سے جواب دیتیں: ''لات وعزّیٰ کی کیا مجال ہے۔ انھیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ کون ان کی عبادت کررہا ہے؟ میرے اندھے پن کا حکم آسمان سے آیا ہے اور میرا رب پوری طرح قادر ہے کہ

[1] أسد الغابة:4/357، الإصابة:6/536. [2] السيرة لابن هشام:1/319، الكامل لابن الأثير:1/591، الطبقات لابن سعد:8/256. [3] أنساب الأشراف:1/221.

میری بصارت لوٹا دے۔'' دوسرے دن صبح زنیرہ ؓ جب بیدار ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت بحال کر دی اور وہ پہلے کی طرح صحت یاب ہوگئیں۔ قریش نے یہ ماجرا دیکھ کر کہا: یہ محمد (ﷺ) کے جادو کا اثر ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے لبینہ اور زنیرہ ؓ پر قریش کے مظالم کی وجہ سے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔[2]

نہدیہ اور ان کی صاحبزادی ؓ کی آزمائش

یہ دونوں بنو عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ وہ انھیں بے حد پریشان کرتی اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتی رہتی تھی۔ ایک دن کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک تمھیں تکلیف دینے سے باز نہیں آؤں گی جب تک تمھیں وہ آزاد نہ کرائے جس نے تمھیں پرانے دین سے ہٹا دیا ہے۔ اس عورت نے نہدیہ اور ان کی بیٹی کو آٹا گوندھنے کے لیے دیا۔ اسی دوران سیدنا ابوبکر ؓ ان کے قریب سے گزرے تو وہ اپنی مظلوم لونڈیوں سے کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں تمھیں آزاد نہیں کروں گی۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے فرمایا: اے ام فلاں! انھیں آزاد کردو۔ وہ کہنے لگی: تمھی انھیں آزاد کراؤ کیونکہ تمھی نے انھیں خراب کیا ہے۔ ابوبکر ؓ نے پوچھا: ان دونوں کو کتنے داموں میں فروخت کرو گی؟ اس نے قیمت بتائی۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے کہا: بس میں نے اس قیمت کے بدلے تم سے ان دونوں کو خریدا۔ پھر فرمایا کہ یہ دونوں آزاد ہیں۔ پھر سیدنا ابوبکر ؓ نے نہدیہ اور ان کی بیٹی سے کہا: اس کا آٹا واپس کردو۔ وہ کہنے لگیں: کیا ہم اس کام سے فارغ نہ ہو جائیں، پھر اسے لوٹا دیں گی۔[3]

حمامہ ام بلال ؓ

سیدنا بلال ؓ کی والدہ حمامہ ؓ کو بھی اسلام لانے کی پاداش میں بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انھیں بھی سیدنا ابوبکر ؓ ہی نے خرید کر آزاد کیا۔[4]

غلاموں سے ابوبکر صدیق ؓ کا حُسنِ سلوک

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔ وہ اپنی قوم میں بھی بڑی حیثیت رکھنے والے نہایت اہم فرد تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ مفلسوں کی خبر گیری کرتے تھے، صلہ رحمی ان کا شعار تھا، راہ حق میں مصیبتیں برداشت کرنے والے لوگوں کی مدد کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ان کا دل غریبوں، معذوروں، کمزوروں

[1] أسد الغابة:5/293,292. [2] الكامل لابن الأثير:1/591، أنساب الأشراف:1/222,221، سبل الهدٰى والرشاد:2/361.
[3] السيرة لابن هشام:1/319,318، سبل الهدٰى والرشاد:2/361. [4] سبل الهدٰى والرشاد:2/361.

اور غلاموں کے لیے بڑا نرم اور باعثِ رحمت تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دین حق قبول کرنے والے غلاموں کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خریدا اور ان کی آزادی کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کی، حالانکہ ابھی غلاموں کو آزادی دلانے اور اس پر زبردست اجر وثواب والے احکام بھی نازل نہ ہوئے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ اور صحابیات کو غلامی سے نجات دلا کر آزادی بخشی، ان میں حضرت بلال اور ان کی والدہ حمامہ، عامر بن فہیرہ، ابوفُکَیہہ، لبینہ، نہدیہ، ان کی صاحبزادی اور زنیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔[1]

[1] السیرۃ لابن هشام :1/319,318، سبل الهدیٰ والرشاد :2/361.

ہجرت حبشہ

اللہ کی راہ میں وطن سے بے وطن ہونے والے اولین
محبانِ حق کا سوئے حبشہ سفرِ ہجرت اور اُس کی تفصیلات

”اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔“

(النسآء 4:100)

اس باب میں

رسول اللہ ﷺ دعوتِ اسلام کے کام میں شام و سحر مصروف تھے۔ سعادت مند قلوب پر آپ ﷺ کی مقدس دعوت اثر انداز ہوکر ہر طرف پھیل رہی تھی۔ اس صورتِ حال پر کفار و مشرکین بڑے مشتعل تھے۔ انھیں اسلام کی محکم و منور تعلیمات میں اپنے توہماتی عقائد کی عمارت لرزتی نظر آرہی تھی۔ اس لیے انھوں نے کمزور اور کسمپرس مسلمانوں پر زبردست تشدد شروع کر دیا۔ یہ تشدد ایک دو دن کی بات نہیں تھی یہ تو ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ چنانچہ مظلوم مسلمانوں نے دن رات کی مسلسل اذیت رسانی سے محفوظ رہنے کے لیے ہجرت کی اور حبشہ چلے گئے۔ اگلے اوراق میں آپ ہجرت کرنے والوں کے اسمائے گرامی کے علاوہ قصۂ غرانیق کی حقیقت اور محدثین کرام کی اس واقعے پر تنقید پڑھیں گے۔ پھر مہاجرین حبشہ کی واپسی، دوسری ہجرت حبشہ اور نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کا مطالعہ کریں گے۔ اسی دوران ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہجرت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابن دغنہ کی پناہ قبول کرنا اور پھر لوٹا دینا، قریش کے وفد کا دربارِ نجاشی میں پہنچنا اور خوار ہوکر ناکام لوٹ آنا اور دیگر متعلقہ مضامین ملاحظہ فرمائیں گے۔

پہلی ہجرتِ حبشہ

اسلام عالم انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس کی خاطر ہر قسم کی مشقت و تکلیف سہی جا سکتی ہے۔ ہر چیز کو اسلام پر قربان کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام کو کسی چیز پر قربان کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہجرتِ حبشہ مسلمانوں کے اسلام پر ثابت قدم رہنے اور اس راہ میں زبردست تکالیف و مشکلات برداشت کرنے اور بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کی نہایت روشن دلیل ہے۔

ہجرتِ حبشہ اسلام میں پہلی ہجرت ہے۔ مسلمان اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت آدیس آبابا کا خوبصورت منظر

گھر بار، مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہہ کر حبشہ چلے گئے تا کہ وہاں امن وسکون سے رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

اس ہجرت کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ میسر آ گئی اور اُنھیں کفار و مشرکین کے ظلم وستم سے نجات مل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دین حق کے ان پیروکاروں کے حبشہ جانے سے وہاں دعوت وتبلیغ کے دروازے کھل گئے اور ماحول میں اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کی زبانی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ بذاتِ خود بھی ایمان اور حُسنِ عمل کا مجسم نمونہ تھے اور ان کے بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت دین حنیف کی دعوت پھیلنے کے امکانات روشن سے روشن تر ہوتے جا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدح وتوصیف فرمائی اور اُنھیں بشارتیں بھی دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم کیے جانے کے بعد اللہ (کی راہ) میں ہجرت کی، البتہ ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر بہت بڑا ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کی جزا بیان فرمائی ہے جنھوں نے اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ سے ثواب اور جزا کی امید میں اپنے گھروں، بھائیوں اور دوستوں کو چھوڑ دیا۔ ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان مہاجرین حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو جن پر جب مکہ میں اپنی قوم کی ایذا رسانیاں نہایت شدت اختیار کر گئی تھیں تو انھوں نے مکہ سے بلادِ حبشہ کی طرف ہجرت کر لی تھی تا کہ وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

ان مقدس مہاجرین کے گروہ میں سیدنا عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، رسول اللہ ﷺ کے عم زاد جعفر بن ابوطالب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم سرفہرست تھے۔ جبکہ اہل اللہ کا یہ سارا گروہ اَسّی (80) کے قریب پاکباز مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں دنیا و آخرت میں اچھی جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (النحل 41:16) ''ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اچھے ٹھکانے سے مراد مدینہ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد پاکیزہ رزق ہے۔ [2] اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان مہاجرین

[1] النحل 41:16. [2] تفسیر الطبري، النحل 41:16.

فارس (ایران)
عراق
شام
بحیرہ روم
اردن
مصر
سعودی عرب
عمان
سوڈان
یمن
جبشہ
(ایتھوپیا)
صومالیہ
بحیرہ عرب
بحر ہند
اندرونی چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
ہجرت حبشہ (5 سن رسالت/615ء)
مکہ مکرمہ سے شعیبہ تک
شعیبہ سے نجاشی کے دارالحکومت اکسوم تک
العلاء
خیبر
عرب
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
حجاز
رابغ
مکہ مکرمہ
جدّہ
شعیبہ
طائف
تُربہ
بحیرہ قلزم (احمر)
عسیر
قنفذہ
ابہا
نجران
جازان
فرسان
مأرب
شبوہ
مصوع
دہلک
صنعاء
کمران
زبید
یمن
اکسوم
اریٹیریا
تعز
شقراء
مخا
حبشہ
عصب
عدن
خلیج عدن
کلومیٹر
500
400
300
200
100
0

نے اپنے گھروں اور مالوں کو ترک کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان سے بہتر گھر اور مال عطا فرما دیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی چیز کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے۔ ان مہاجرین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں علاقے بھی عطا فرما دیے اور لوگوں کی گردنوں کا مالک بھی بنا دیا جس کی وجہ سے یہ امراء و حکام بن گئے، پھر لطف یہ کہ ان میں سے ہر ایک پرہیزگاروں کا امام تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو دنیا میں جو عطا فرمائے گا، آخرت کا ثواب اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔[1]

قرآن مجید میں ہجرت کے اشارات

جب کفار و مشرکین مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے، اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف نازل فرمائی۔ اس میں جو تین (اصحاب کہف، موسیٰ و خضر علیہما السلام اور ذوالقرنین کے) واقعات بتائے گئے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کچھ اشارات بھی تھے۔

دریائے نیگرو اور دریائے سولم کے دھاروں کا سنگم

اصحاب کہف کے غار کے اوپر بنی مسجد کے آثار (اردن)

چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے کا تذکرہ کر کے یہ سبق دیا گیا ہے کہ جب دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہو تو کفر و شرک کے مراکز سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے میں یہ حقیقت اُجاگر کی گئی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق ہی برآمد نہیں ہوتے بلکہ ان کے بالکل برعکس بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے، اس کے نتائج یکسر مختلف اور برعکس ہوں گے۔ اگر یہ کفار و مشرکین ایمان نہ لائے تو آگے چل کر یہ انھی مظلوم مسلمانوں کے سامنے اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

اسی طرح ذوالقرنین کے واقعے میں یہ اشارات دیے گئے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے

[1] تفسیر ابن کثیر، النحل 41:16۔

جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مومن اور نیک بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ کامیابی صرف ایمان ہی میں ہے۔ کفر و شرک میں کامیابی کا ہرگز کوئی امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اپنے بندوں میں سے حسب منشا ایسے لوگ کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے بالادست اور سفاک طبقات سے نجات دلاتے ہیں۔

علاوہ ازیں سورۂ زمر بھی اسی وقت نازل ہوئی، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا اور انھیں اس امر سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ نہیں بلکہ بہت کشادہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر 39:10)

”(اے محمد!) کہہ دیجیے: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے رب سے ڈرو۔ جنھوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے، ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“ [1]

ہجرتِ حبشہ کے اسباب

مکہ میں ہر طرف اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ہر جگہ لوگ اسلام ہی کے متعلق گفتگو کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ساری باتیں مشرکینِ مکہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں، لہٰذا انھوں نے اسلام کے فروغ کو روکنے اور مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کے لیے قید و بند کا سلسلہ شروع کر دیا، وہ مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے اور ظلم و ستم کا بازار ایسا گرم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

نبیِ اکرم ﷺ اس وقت مسلمانوں کا دفاع کرنے اور انھیں کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ خود آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید حاصل تھی۔ ابو طالب آپ ﷺ کی زبردست حمایت کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کفار کی ایذا رسانیوں سے ایک حد تک محفوظ تھے۔ کفار کا آپ ﷺ پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ ان حالات میں ایک ہی راستہ تھا کہ مسلمان دین کی خاطر اپنے اعزہ و اقارب، مال اور وطن کی قربانی دے دیں اور ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ امن و سکون سے رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دین اسلام کے مطابق

[1] الرحيق المختوم، ص: 92.

زندگی بسر کریں، چنانچہ کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے نجات پانے اور دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیے جانے کے خوف سے ہجرت کی راہ اختیار کی گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو ہجرت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

«تَفَرَّقُوا فِي الْأَرْضِ»

''زمین میں پھیل جاؤ۔''

صحابۂ کرام ؓ نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم کہاں جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وہاں چلے جاؤ۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا:

«إِنَّ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ مَلِكًا لَا يُظْلَمُ أَحَدٌ عِنْدَهُ، فَالْحَقُوا بِبِلَادِهِ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا مِّمَّا أَنْتُمْ فِيهِ»

''بلاشبہ حبشہ کی زمین میں ایک بادشاہ ہے۔ اُس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، تم اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اس حالت (تنگی) سے جس میں تم ہو، نکلنے کا کوئی راستہ اور فراخی پیدا فرما دے۔''[2]

ہجرت کے لیے ملکِ حبشہ کا انتخاب کیوں؟

نبی کریم ﷺ کے نزدیک ہجرت کے لیے زیادہ پسندیدہ جگہ حبشہ کی سرزمین تھی۔[3] اس پسندیدگی کی بظاہر کئی وجوہ تھیں:

- ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہاں کا بادشاہ أَصْحَمَة بڑا عادل، نیک اور عالم آدمی تھا۔[4] نجاشی اس کا لقب اور عربی میں

[1] المصنف لعبد الرزاق: 384/5، حديث: 9743. [2] السيرة لابن إسحاق: 247/1، السنن الكبرٰى للبيهقي: 203/13، حديث: 18232. [3] المصنف لعبدالرزاق: 384/5، حديث: 9743. [4] الإصابة: 347/1.

نجاشی ٹاؤن (اکسوم) کا تاریخی مقام

اس کا نام عطیہ تھا۔ اس کی سلطنت میں کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ تمام باشندگانِ سلطنت بلا امتیاز امن و سکون سے رہتے تھے۔

- دوسری وجہ یہ تھی کہ حبشہ قریش کی قدیم تجارت گاہ تھی۔ وہ جب بھی وہاں تجارت کے لیے جاتے تو مکمل امن و امان سے فیض یاب ہوتے اور وافر رزق پاتے تھے۔ اس بنا پر وہ حبشہ کی خوب تعریف کرتے تھے۔ [1]
- تیسری وجہ یہ تھی کہ نجاشی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھا۔ عیسائی دیگر اہلِ مذاہب کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں، اس لیے کہ عیسائیوں میں عباد و زہاد بھی پائے جاتے ہیں اور ان میں نرمی اور تواضع بھی زیادہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

''یقیناً آپ اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکوں کو پائیں گے اور یقیناً آپ اہلِ ایمان کے لیے دوستی میں سب سے قریب انھیں پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک ان میں عبادت گزار علماء اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔'' [2]

ہجرت حبشہ کی تاریخ

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچویں سال (تقریباً 615ء) رجب کے مہینے میں ہوئی۔ [3] یہ علانیہ دعوت کا دوسرا سال تھا۔

مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی

پہلی ہجرتِ حبشہ میں دس آدمی اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

- سیدنا عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ ان کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ دخترِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ہجرتِ حبشہ کے لیے سب سے پہلے یہی نکلے۔ انھی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ عُثْمَانَ لَأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ بِأَهْلِهِ بَعْدَ لُوطٍ»

[1] تاريخ الطبري: 68/2، السيرة النبوية لابن خلدون، ص: 93. [2] المآئدة 82:5. [3] الطبقات لابن سعد: 204/1، المواهب اللدنية: 240/1.

''بے شک عثمان پہلے شخص ہیں جنھوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔'' [1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ [2]

- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔
- زبیر بن عوام بن خویلد رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنو اسد بن عبدالعزی بن قصی سے تھا۔
- مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عبدالدار بن قصی سے تھا۔
- عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو زہرہ بن کلاب سے تھا۔
- ابوسلمہ بن عبدالاسد بنو مخزوم بن یقظہ سے تھے اور ان کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنھیں بعد میں ام المؤمنین ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔
- عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو جمح بن عمرو سے تھا۔
- حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ۔ یہ آل خطاب کے حلیف تھے اور قبیلہ عنز بن وائل (یا عنزہ بن اسد بن ربیعہ) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔
- ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ یا ابو حاطب (یا حاطب) بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے تھا۔
- سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو حارث بن فہر سے تھا۔ [3]

یہ حضرات چھپ کر مکہ مکرمہ سے نکلے تا کہ مشرکین مکہ کو ان کی روانگی کا علم نہ ہو سکے۔ ان میں سے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ یہ لوگ حجاز میں شُعیبہ بندرگاہ پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت یہ وہاں پہنچے، اسی وقت

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 297/2، فتح الباري: 237/7، نیز دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 164/7، حديث: 1381. [2] السيرة الحلبية: 4/2، أسد الغابة: 424/5. [3] السيرة لابن هشام: 323,322/1.

بندرگاہ شعیبہ (سعودی عرب)

اکسوم (حبشہ) کا تاریخی ستون

تاجروں کی دو کشتیاں لنگر انداز ہوئیں۔ ان تاجروں نے مسلمان مہاجرین کو دونوں کشتیوں میں سوار کر کے حبشہ کی بندرگاہ مصوّع (موجودہ اریٹیریا میں واقع) پہنچا دیا اور فی کس نصف دینار کرایہ وصول کیا۔[1] مصوّع سے مہاجرین اندرونِ ملک اکسوم چلے گئے۔

مشرکینِ مکہ کی طرف سے مہاجرین کا تعاقب

جب کفارِ قریش کو مذکورہ مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہوا تو وہ فوراً ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ وہ ان کے نشانات قدم دیکھتے گئے اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ سمندر تک پہنچ گئے جہاں سے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو کر حبشہ روانہ ہوئے

[1] الطبقات لابن سعد: 204/1.

بندرگاہ مصوع (اریٹیریا)

شاہ حبشہ نجاشی کا دار الحکومت
اکسوم
مہاجرین حبشہ کا امکانی سفری راستہ
(ماضی کا حبشہ ان دنوں ایتھوپیا اور اریٹیریا میں منقسم ہے)
بحیرۂ احمر
مصوع
عیون
جندع
امبتکالا
سمناوی بحری نیشنل پارک
ارافیلی
ہگاز
اغوردت
ہیکوتا
بارنتو
گیش سیتت نیشنل پارک
اریٹیریا
دبنوا
قوحری
مندفرا
بیت جبریل
راما
بیزت
ادیگرات
اداگاحاموس
فرسے
نبلت
ادوا
اکسوم
دبری کربی
اندااباگونا
انداسلاسی
حبشہ
(ایتھوپیا)
بادیمی
برکوتا
دریائے عطبرہ کا معاون
شائر نیشنل پارک

تھے۔ مسلمان ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ایک مسلمان بھی قریش کے ہاتھ نہ آیا۔ اس طرح کفارِ قریش ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ [1]

مہاجرین کی حبشہ میں پُر سکون زندگی

مہاجرین حبشہ میں پُر سکون زندگی بسر کرنے لگے۔ انھیں اپنے دین کے بارے میں کسی طرح کا کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا۔ وہ آزادی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ انھیں کسی قسم کی کوئی ایذا نہیں پہنچی حتی کہ انھیں وہاں کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہیں سنائی دی جو انھیں ناگوار گزرتی۔ [2]

دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں سے جو اس کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، یہی وعدہ کر رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ﴾

''اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور فراوانی پائے گا۔'' [3]

مشرکین نے بھی سجدہ کر دیا

مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے کے کچھ عرصہ بعد رمضان کے مہینے میں مکہ میں مشرکین کے سجدہ کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ [4] ہوا یہ کہ نبیِ اکرم ﷺ نے لوگوں کے سامنے سورۂ نجم تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ان تمام جنوں، انسانوں، مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا جو وہاں موجود تھے، سوائے ایک بوڑھے شخص امیہ بن خلف کے، اس نے مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی لی، اسے اپنی پیشانی کے قریب لے گیا اور کہنے لگا: بس میرے لیے یہی کافی ہے۔ اس کے بعد وہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفر کی حالت میں مارا گیا۔ [5]

کفار و مشرکین کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ نبیِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورۂ نجم کی تلاوت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اس سورت کے جلال و جمال، مفہوم و معنی اور فصاحت و بلاغت نے انھیں دم بخود کر دیا۔ انھوں نے ایسا کلام کبھی سنا ہی نہیں تھا۔ توحید باری تعالیٰ کے دلائل اور سابقہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا تذکرہ سن کر ان پر دہشت طاری ہوگئی۔ خاص طور پر اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیات تو دل ہلا دیتی اور رونگٹے کھڑے کر دیتی

[1] الطبقات لابن سعد:1/204. [2] مسند أحمد:1/202,201. [3] النسآء 4:100. [4] الطبقات لابن سعد:1/206، فتح الباري: 8/782. [5] صحیح البخاري: 1067 و3972 و4862، صحیح مسلم: 576.

ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیات تلاوت فرمائیں اور اس آخری آیت پر پہنچے:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾

''اب تم (باز آجاؤ اور) اللہ کے لیے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔'' [1]

تو کفار و مشرکین کلامِ ربانی کی زبردست تاثیر، رعنائی اور زیبائی کے آگے اس قدر عاجز، بے خود اور بے بس ہو گئے کہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

قصۂ غرانیق

مشرکین مکہ کے سجدہ کرنے کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے مشرکین کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی اور جب آپ ان آیات پر پہنچے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾

''تم مجھے لات اور عُزّیٰ کی خبر دو اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کی۔'' [2]

تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ کلمات بھی جاری کر دیے:

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

''یہ بلند مرتبہ مورتیاں ہیں اور بلاشبہ ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔''

نبیِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) نے تو اس سے پہلے ہمارے معبودوں کا خیر کے ساتھ کبھی تذکرہ نہیں کیا۔'' نبی ﷺ نے جب یہ سورت مکمل کی اور سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ [3]

قصۂ غرانیق کی روایات کی استنادی حیثیت

قصۂ غرانیق کے متعلق مختلف روایات بیان ہوئی ہیں۔ ائمہ محدثین ؒ نے اس قصے کی خوب تردید کی ہے۔ قرآن کریم کے دلائل سے اسے باطل ثابت کیا ہے اور اس قصے کی تمام روایات کو ضعیف اور باطل قرار دیا ہے۔ ہم ذیل میں ان تمام روایات کی استنادی حیثیت بیان کریں گے اور ہر روایت اور اس کی سند ذکر کرنے کے بجائے صرف اس مقام کا حوالہ دینے پر اکتفا کریں گے جہاں وہ روایت بیان ہوئی ہے:

---

[1] النجم 62:53. [2] النجم 20,19:53. [3] الطبقات لابن سعد: 205/1، تفسیر الطبري، الحج 52:22، المعجم الکبیر للطبراني: 53/12، حدیث: 12450، دلائل النبوة للبیهقي: 287,286/2.

1 سعید بن جبیر کی روایت مرسل ہے۔[1]

یہ مسند بزار میں ان سے موصولاً بھی مروی ہے لیکن راوی کو اس کے موصول ہونے میں شک ہے۔[2] اسی طرح علامہ مقدسی نے بھی اسے بطریق ابن مردویہ موصولاً روایت کیا ہے۔[3] اس کی سند میں ابوبکر محمد بن علی المقرئ مجہول الحال ہے، لہٰذا سعید بن جبیر سے یہ روایت کسی بھی طرح موصولاً صحیح نہیں ہے۔

2 ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث کی روایت بطریق ابن شہاب مرسل ہے۔[4]

ابن ابی حاتم نے اسے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تذکرہ نہیں کیا۔[5] یہ مرسل بلکہ معضل ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے اور ابن شہاب کا تذکرہ نہیں کیا۔[6] یہ بھی معضل ہے۔

3 ابوالعالیہ کی روایت مرسل ہے۔[7]

4 محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس کی روایت میں راوی ابومعشر ضعیف ہے۔[8]

امام ابن جریر نے ابن اسحاق کے طریق سے اکیلے محمد بن کعب قرظی سے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن ابن اسحاق مدلس ہیں اور اسے انھوں نے عنعنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

5 قتادہ کی روایت مرسل یا معضل ہے۔[9]

6 عروہ کی روایت مرسل ہے[10] اور اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

7 ابوصالح کی روایت بطریق سدی مرسل ہے۔[11]

ابن ابی حاتم نے اسے سدی سے نقل کیا ہے اور ابوصالح کا تذکرہ نہیں کیا،[12] لہٰذا یہ معضل ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق کلبی موصولاً بھی روایت کی گئی ہے لیکن کلبی کذاب ہے۔

8 ضحاک کی روایت ضعیف، منقطع اور مرسل ہے۔[13]

ضحاک بہت زیادہ مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا کسی ایک صحابی سے بھی سماع ثابت نہیں۔ اسی طرح اس کی سند میں ابومعاذ فضل بن خالد نحوی مجہول الحال ہے اور حسین متروک ہے۔ اس کے علاوہ امام طبری کے شیخ مجہول ہیں۔

[1] تفسير الطبري، الحج22:52. [2] تفسير ابن كثير، الحج22:52. [3] الأحاديث المختارة: 10/235،234. [4] تفسير الطبري، الحج22:52. [5] تفسير ابن أبي حاتم، الحج22:52. [6] دلائل النبوة للبيهقي: 2/285-287. [7] تفسير الطبري، الحج 52:22. [8] تفسير الطبري، الحج22:52. [9] تفسير الطبري، الحج22:52. [10] المعجم الكبير للطبراني: 9/21-24، حديث: 8316. [11] الدرالمنثور، الحج22:52. [12] تفسير ابن أبي حاتم، الحج22:52. [13] تفسير الطبري، الحج22:52.

9 محمد بن فضالہ ظفری اور مطلب بن عبداللہ بن حنطب کی روایت ضعیف جدًا ہے۔ [1]
اس میں محمد بن عمر واقدی متروک ہیں۔ انھوں نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ پہلی سند میں یونس بن محمد سے اور انھوں نے اپنے والد محمد بن فضالہ سے روایت کیا ہے، یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ دوسری سند میں کثیر بن زید سے روایت کیا ہے، یہ مختلف فیہ ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت مرسل ہے۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب بہت تدلیس کرتے اور مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں۔

10 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت چار طرق سے مروی ہے۔ [2]
پہلے طریق میں کلبی ہے جو کذاب ہے۔ دوسرے میں ایک مجہول راوی ہے۔ تیسرے میں ابوبکر ہذلی ہے جو متروک ہے۔ چوتھے میں محمد بن سعد، ان کے والد سعد بن محمد، ان کے چچا حسین بن حسن، ان کے والد حسن بن عطیہ، ان کے والد عطیہ سب ضعیف ہیں۔

قصۂ غرانیق متن کے اعتبار سے باطل ہے

قصۂ غرانیق کے باطل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی روایات میں شدید اضطراب ہے اور اس میں ایسی باتیں ہیں جو مقامِ نبوت و رسالت کے لائق نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز کی حالت میں تھے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نماز سے باہر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ بھول چوک سے آپ کی زبان سے نکل گئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو اونگھ آئی تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیے۔ تیسری روایت میں ہے کہ شیطان نے کفارِ قریش کو یہ معلوم کرایا کہ نبیِ اکرم ﷺ نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔

ایک روایت میں ہے: ''نبیِ اکرم ﷺ اپنے پروردگار کی طرف سے جو کچھ لائے تھے، اہلِ ایمان اس کی تصدیق کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ پر کسی غلطی، وہم اور لغزش کا ہرگز کوئی شک نہیں کرتے تھے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان نے وہ کلمات سنے۔ انھیں بالکل یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ شیطان کے ڈالے ہوئے کلمات ہیں بلکہ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی کا حصہ ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ایک اور روایت میں ہے: ''مسلمانوں نے شیطان کے ڈالے ہوئے ان کلمات کو نہیں سنا۔''

اس قصے کی بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تمنا کی کہ آپ پر وحی میں کوئی ایسی بات نازل نہ ہو

[1] الطبقات لابن سعد: 205/1. [2] الدر المنثور، الحج 52:22، تفسیر الطبري، الحج 52:22.

جو مشرکین کے معبودوں کی مذمت کرے تاکہ وہ آپ سے دور نہ بھاگیں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم نہ ہوا کہ یہ کلمات شیطان کی طرف سے ہیں یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ سے کہا: ''اللہ کی پناہ! میں تو یہ کلمات آپ کے پاس نہیں لایا، یہ تو شیطان کی طرف سے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ پر افترا پردازی کی اور ایسی بات اللہ تعالیٰ کے ذمے لگائی جو اس نے نہیں کہی۔ میں نے شیطان کی بات مانی، وہ اللہ تعالیٰ کے امر میں میرے ساتھ شریک ہوگیا۔''

یہ سب ایسی باتیں ہیں جو سراسر قرآن مجید سے متصادم ہیں اور مقامِ نبوت و رسالت کے خلاف ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے نبیِ اکرم ﷺ کو بری قرار دینا اور منزہ سمجھنا واجب ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس بات پر قطعی حجت قائم ہوچکی اور امت کا اجماع بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جیسی گھٹیا خصلت سے محفوظ ہیں کہ آپ یہ تمنا کریں کہ آپ پر اس طرح کی کوئی چیز نازل ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا باطل معبودوں کی مدح ہو جبکہ یہ تمنا کرنا کفر ہے، یا شیطان آپ ﷺ پر مسلط ہو جائے اور آپ کے آگے قرآن مجید کو خلط ملط کر دے حتی کہ اس میں ایسی بات شامل کر دے جو اس میں سے نہیں یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام آکر آپ کو متنبہ کریں۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناممکن ہے، یا نبی ﷺ اپنے پاس سے جانے بوجھے یہ بات کہیں اور یہ کفر ہے، یا بھول کر کہیں، آپ ﷺ ان تمام چیزوں سے محفوظ ہیں۔

ہم واضح دلائل اور امت کے اجماع سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس بات سے محفوظ ہیں کہ آپ سے دل یا زبان سے، جان بوجھ کر یا بھول چوک کر کوئی کلمۂ کفر صادر ہو، یا فرشتہ جو وحی لے کر آپ کے پاس آئے، وہ شیطان کی ڈالی ہوئی بات کے ساتھ خلط ملط ہوجائے، یا شیطان کا آپ ﷺ پر کوئی زور ہو، یا جو بات آپ پر نازل نہ ہوئی ہو، آپ اسے جان بوجھ کر یا بھول کر اللہ تعالیٰ کے ذمے لگائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○ ﴾

(الحاقة 69:44-46)

اور اگر یہ (محمد ﷺ) ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتے تو یقیناً ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر البتہ ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔''[1]

[1] الشفا للقاضي عياض: 2/753,752.

قصۂ غرانیق کا قرآن مجید سے تصادم

قصۂ غرانیق کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ قرآن مجید سے متصادم ہے۔ قرآن مجید میں یہ وضاحت موجود ہے کہ شیطان کا اہلِ ایمان پر کوئی زور نہیں چلتا، نہ وہ ان پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے، چہ جائیکہ انبیائے کرام علیہم السلام بالخصوص رسول اللہ ﷺ پر اس کا کوئی زور چلے، اللہ تعالیٰ نے شیطان سے یہ فرمایا تھا:

﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ ﴾

"بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، تیرا زور صرف ان گمراہوں پر چلے گا جنھوں نے تیری پیروی کی۔" [1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾

"بے شک ان لوگوں پر اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔" [2]

اس کے علاوہ شیطان نے خود بھی بارگاہِ الٰہی میں اس بات کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ ﴾

"شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! البتہ میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص و برگزیدہ ہوں۔" [3]

نبیِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر صادق اور خالص و مخلص، مومن اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید نے اس چیز کی بھی خوب وضاحت کر دی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں لگا سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ۝ ﴾

"اور اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتے تو یقیناً ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ایک بھی (ہمیں) ان سے روکنے والا نہ ہوتا۔" [4]

[1] الحجر 42:15. [2] النحل 99:16. [3] صٓ 83,82:38. [4] الحآقة 44:69-47.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ اس مقدس کتاب میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے نہ زیادتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والی اور قابلِ تعریف ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔''[2]

قصۂ غرانیق کی بعض روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ اسی بارے میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾

''اور بلاشبہ قریب تھا کہ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے، کافر آپ کو اس سے پھسلا دیتے تاکہ آپ ہم پر اس کے علاوہ کچھ اور گھڑ لیں اور تب وہ ضرور آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے۔''[3]

یہ دونوں آیتیں اس واقعے کی تردید کرتی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ قریب تھا کہ کفار و مشرکین رسول اللہ ﷺ کو پھسلا دیتے تاکہ آپ اپنے پاس سے کچھ گھڑ لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کچھ گھڑ لینے سے محفوظ اور ثابت قدم رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ ذرا بھی کفار و مشرکین کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ قصۂ غرانیق میں ان آیات کے بالکل برعکس یہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف ان کی طرف مائل ہوئے بلکہ آپ ﷺ نے الفاظ گھڑ کر ان کے باطل معبودوں کی مدح بھی کی، پھر فرمایا:

''میں نے اللہ پر افترا پردازی کی تھی، ایسی بات اللہ کے ذمے لگائی جو اس نے نہیں کہی۔''[4]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تب بھی یہ آیات اسے ضعیف کر دیتیں، پھر یہ کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جبکہ یہ صحیح نہیں۔[5]

[1] الحجر 9:15. [2] حمٓ السجدة 42:41. [3] بني إسرآءيل 17:73، 74. [4] تفسير الطبري، الحج 22:52. [5] الشفا للقاضي عياض: 2/756.

زبان و بیان سے بھی قصۂ غرانیق کی تردید

سورۂ نجم کا سیاق و سباق خود اس من گھڑت قصے کی تردید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں پہلے یہ خبر دی:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾

''اور وہ (محمد ﷺ اپنی) خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہی تو ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔'' [1]

اس کے بعد بتوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝﴾

''تم مجھے لات اور عزیٰ کی خبر دو۔ اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کی۔ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ یہ تو پھر بڑی ہی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یہ تو محض چند نام ہی ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی، وہ لوگ تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آچکی ہے۔'' [2]

قصۂ غرانیق میں بیان ہوا ہے کہ یہ کلمات تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى ...... آیت انیس اور بیس کے بعد کہے گئے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں ان کلمات کی ان آیات کے ساتھ کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی اپنی خواہش سے بات کرنے کی نفی کی گئی ہو، اس کے بعد بتوں کی مذمت ہو، پھر ان کی تعریف ہو، اس کے بعد پھر مذمت ہو؟ کوئی معمولی عقل و دانش رکھنے والا انسان بھی یہ اندازِ گفتگو اختیار نہیں کرتا چہ جائیکہ قرآن مجید میں ایسا کوئی تناقض ہو۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو کم از کم ما قبل اور ما بعد کے ساتھ اس کی کچھ تو مناسبت ہوتی اور نظم میں خرابی اور کلام میں تناقض نہ ہوتا۔

محدثینِ عظام کی قصۂ غرانیق پر تنقید

امام بیہقی ؒ کہتے ہیں: یہ قصہ سنداً ثابت نہیں، پھر انھوں نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس قصے کے

[1] النجم 53:3,4. [2] النجم 53:19-23.

راویوں پر طعن کیا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اسے زنادقہ نے گھڑا ہے۔ انھوں نے اس کے بارے میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ [2]

ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس قصے کی تمام روایات باطل ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ [3]

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قصۂ غرانیق سفید جھوٹ اور موضوع (من گھڑت) ہے، اس لیے کہ اس کی کوئی صحیح سند نہیں۔ [4]

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صحت کا التزام کرنے والوں میں سے کسی نے اسے بیان نہیں کیا، نہ اسے کسی ثقہ راوی نے درست اور متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس اور اس جیسی احادیث میں وہی مفسرین اور مؤرخین دلچسپی رکھتے ہیں جو ہر عجیب وغریب روایت بیان کرنے کے شوقین ہیں اور کتابوں سے ہر صحیح وضعیف روایت فوراً نقل کر لیتے ہیں۔ [5]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی تمام سندیں مرسل ہیں۔ مجھے اس کی کوئی صحیح سند دکھائی نہیں دی۔ [6]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس قصے میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں اور یہ کسی بھی سند سے ثابت نہیں۔ اس کے صحیح نہ ہونے بلکہ باطل ہونے کے باوجود محققین نے کتاب اللہ کے ساتھ اس کا رد کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس قصے کی تمام روایات مرسل ہیں یا منقطع، ان میں سے کسی روایت سے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔ [7]

امام قرطبی، نواب صدیق حسن اور کئی دیگر ائمۂ کرام رحمہم اللہ نے بھی اس قصے کی تردید کی ہے۔ بعض لوگوں نے قصۂ غرانیق کی تاویل کر کے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ [8]

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے قصۂ غرانیق کے رد میں ایک کتاب نَصْبُ الْمَجَانِیقِ لِنَسْفِ قِصَّةِ الْغَرَانِیقِ کے عنوان سے تحریر کی ہے اور اس قصے کا ہر لحاظ سے رد کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی تعاقب کیا ہے جنھوں نے تاویل کر کے اسے ثابت کرنا چاہا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِينَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

---

[1] التفسير الكبير للرازي، الحج 52:22. [2] التفسير الكبير للرازي، الحج 52:22. [3] أحكام القرآن لابن العربي، الحج 52:22. [4] الفصل في الملل والأهواء والنحل: 23/4. [5] الشفا للقاضي عياض: 750/2. [6] تفسير ابن كثير، الحج 52:22. [7] فتح القدير، الحج 52:22. [8] تفسير القرطبي، فتح البيان، الحج 52:22.

بہر حال محدثین کرام ﷭ کی تحقیق کے مطابق یہ قصۂ غرانیق بالکل بے اصل اور من گھڑت ہے۔ قاضی عیاض ﷫ فرماتے ہیں کہ جن مفسرین نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اسے مسند یا مرفوع بیان نہیں کیا، البتہ بزار کی روایت مرفوع ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس روایت کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جو صحیح ہو۔ اب رہ گئی یہ بات کہ مشرکین نے سجدہ کیوں کیا تھا تو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کی عظمت، فصاحت و بلاغت، قوتِ اسلوب، عظمت آیات، حلاوت الفاظ اور جلالتِ شان سے مسحور ہو کر بے اختیار سجدہ کیا تھا، خصوصاً اس وقت قرآن مجید کی شدتِ تاثیر کا کیا عالم ہوگا جب خود سرورِ کائنات ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی!

مہاجرین حبشہ کی واپسی

مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ سے جگہ جگہ یہ افواہ پھیل گئی کہ مشرکین نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ مہاجرین حبشہ نے جب یہ بات سُنی تو وہ کہنے لگے: اگر اہلِ مکہ ایمان لے آئے ہیں تو اب ہمیں بھی اپنے قبیلوں میں لوٹ جانا چاہیے، چنانچہ ان میں سے کچھ مہاجرین وہیں مقیم رہے اور باقی واپس آگئے۔ ان کی واپسی اسی سال شوال کے مہینے میں ہوئی۔ جب وہ اس قدر قریب آگئے کہ مکہ ایک دن کی مسافت سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو انھیں پتہ چلا کہ یہ خبر تو جھوٹی ہے۔ کفار و مشرکین نے نہ صرف اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ تو مسلمانوں پر پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر ظلم ڈھا رہے ہیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازشیں کر رہے ہیں، اس لیے مہاجرین حبشہ میں سے جو بھی مکہ میں داخل ہوا، اس نے قریش کے کسی شخص کی پناہ لی یا وہ چھپ کر داخل ہوا۔[1]

سیدنا عثمان بن عفان ﷛ ابو احیحہ سعید بن عاص بن امیہ کی پناہ لے کر داخل ہوئے۔ ابو احیحہ کے منادی نے بانگ دہل یہ اعلان کیا: ''اے قریش کی جماعت! ابو احیحہ نے عثمان بن عفان (﷛) کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا تم ان

[1] السیرۃ لابن ہشام: 364/1، الطبقات لابن سعد: 206/1، إمتاع الأسماع: 38,37/1.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت ادیس ابابا

حرم مکہ کا فضائی منظر

کے لیے رکاوٹ نہ بنو۔“

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں امن سے رہنے لگے۔ وہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ امیہ کی پناہ میں، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نضر بن حارث بن کلدہ یا اپنے بھائی ابوعزیز بن عمیر کی پناہ میں، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ زمعہ بن اسود کی پناہ میں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسود بن عبدیغوث کی پناہ میں، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ مخزومی کی پناہ میں، عامر بن ربیعہ عنزی رضی اللہ عنہ، جو خطاب بن نفیل کے حلیف تھے، عاص بن وائل سہمی کی پناہ میں داخل ہوئے اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے، اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ میں مکہ آئے۔ [1]

ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی امان کا واقعہ

ابن اسحاق اپنے والد اسحاق بن یسار سے سلمہ بن عبداللہ بن عمر بن ابی سلمہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ سلمہ بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ لی تو بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابوطالب! تم نے ہم سے اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بچایا اور محفوظ رکھا۔ اب تمھیں ہمارے آدمی ابوسلمہ سے کیا سروکار؟ تم اسے پناہ دے کر ہم سے بچا رہے ہو؟ ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: بلاشبہ اس نے مجھ سے پناہ طلب کی ہے۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہ کروں تو اپنے بھتیجے کی بھی حفاظت نہیں کرسکوں گا۔

اس موقع پر ابولہب اُٹھ کھڑا ہوا اور ابوطالب کی حمایت کرتے ہوئے بولا: اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! تم نے اس بوڑھے شخص (ابوطالب) کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ یہ اپنی قوم کے لوگوں کو جو پناہ دیتے ہیں، تم اس سلسلے میں مسلسل دخل اندازی کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم! تم اپنی

[1] السيرة لابن هشام: 365/1، أنساب الأشراف: 262,261/1، السيرة الحلبية: 12/2.

اس حرکت سے باز آجاؤ ورنہ ہم اس کے ہر کام میں اس وقت تک اس کا ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ ابولہب کی یہ بات سن کر بنومخزوم کے لوگ کہنے لگے: اے ابوعتبہ! جو کام تمھیں پسند نہیں، ہم بھی اس کام سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ ابولہب رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کا حامی و مددگار تھا۔ وہ لوگ اپنی اس مخالفت و دشمنی پر قائم رہے۔ ابوطالب نے جو اپنی حمایت میں ابولہب کی باتیں سنیں تو ان کے دل میں ابولہب کے بارے میں یہ امید پیدا ہوئی کہ شاید وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی ان کا ساتھ دے، انھوں نے ابولہب کو اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ترغیب دینے کے لیے کچھ اشعار بھی کہے لیکن ابولہب اس پر آمادہ نہ ہوا۔[1]

[1] السیرة لابن هشام: 372,371/1.

دوسری ہجرتِ حبشہ

جب مسلمان کافروں کے اسلام قبول کرنے کی افواہ پھیلنے کی وجہ سے حبشہ سے واپس مکہ آئے تو کفار ومشرکین نے ان پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم وتشدد شروع کر دیا۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کی پہلی ہجرتِ حبشہ کے موقع پر بچ نکلنے اور حبشہ میں امن وسکون سے رہنے پر پہلے ہی غصے سے بھرے بیٹھے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی ایذا رسانیوں میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہوگیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسری بار حبشہ ہجرت کر رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

''اللہ کے رسول! پہلی ہجرت کے بعد نجاشی کی طرف ہماری یہ دوسری ہجرت ہے اور آپ ہمارے ساتھ نہیں۔''

ان کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْتُمْ مُهَاجِرُونَ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَيَّ، لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيعًا»

''تم اللہ کی طرف اور میری طرف ہجرت کرنے والے ہو۔ تمھارے لیے ان دونوں ہجرتوں کا اجر ہے۔''

اس پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! پھر ہمیں یہی بات کافی ہے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر قریش کی طرف سے مسلمان مہاجرین کو مکہ سے نکلنے میں پہلے سے کہیں زیادہ مشقت اٹھانی پڑی۔ قریش نے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔[1] مشرکین کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان مکہ سے نکل کر کسی اور جگہ امن وسکون سے رہیں، لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ان کے تمام تر حربوں کے باوجود مسلمان نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور کفار ومشرکین ہاتھ ملتے رہ گئے۔ یہ ہجرت بھی بعثت کے پانچویں سال ہی میں ہوئی۔[2]

[1] الطبقات لابن سعد: 207/1. [2] تاریخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 191.

نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی

اس دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی کو ایک خط ارسال فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور مہاجرین کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خط جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ وہ حبشہ پہنچ کر اسے نجاشی کے حوالے کر دیں۔ اس خط کا متن یہ ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ مَلِكِ الْحَبَشَةِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الْمَلِكَ الْقُدُّوسَ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ، فَحَمَلَتْ بِعِيسٰى، فَخَلَقَهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفْخِهِ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ وَنَفْخِهِ، وَ إِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْمُوَالَاةِ عَلَى طَاعَتِهِ، وَ أَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَ بِالَّذِي جَاءَ نِي فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكُمُ ابْنَ عَمِّي جَعْفَرًا وَ مَنْ مَعَهُ نَفَرٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا جَاءُوكَ فَأَقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللّٰهِ، وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوا نَصِيحَتِي، وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى»

’’اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے نجاشی اصحم (اصحمہ) شاہِ حبشہ کی طرف، تم پر سلامتی ہو۔ بلاشبہ میں تمھیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہوں جو (قادر مطلق) بادشاہ، نہایت پاک، امن دینے والا اور نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری، پاکیزہ اور پاک دامن مریم کی طرف ڈالا اور انھیں عیسیٰ (علیہ السلام)

شاہِ حبشہ نجاشی کے نام مکتوبِ نبوی

کا حمل ٹھہر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی طرف سے روح پھونک کر انھیں پیدا فرمایا جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تھا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی تھی۔ بلاشبہ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور تمھیں اسی کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ میری پیروی کرو، مجھ پر اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے اپنے چچازاد جعفر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت تمھاری طرف روانہ کی ہے۔ جب وہ تمھارے پاس پہنچ جائیں تو انھیں اپنے ہاں ٹھہرانا اور تکبر چھوڑ دو۔ بلاشبہ میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے (تمھیں) تبلیغ اور نصیحت کر دی۔ میری نصیحت قبول کرو۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

خط کا متن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اس وقت ارسال فرمایا تھا جب دوسری ہجرتِ حبشہ عمل میں آئی جیسا کہ مکتوب گرامی سے ظاہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو تاکید فرمائی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک میں ٹھہرائے اور ان کا خیال رکھے۔ دلائل النبوۃ بیہقی میں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے خط لے جانے کا ذکر ہے لیکن واضح رہے کہ وہ غزوۂ احد کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری کے آخر میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور مہاجرین کی واپسی کے سلسلے میں اصحمہ نجاشی کی طرف روانہ فرمایا تھا۔[2]

مہاجرینِ ہجرتِ حبشہ ثانی کے اسمائے گرامی

اس مرتبہ بیاسی مرد اور انیس عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے بعض مہاجرین کے ساتھ ان کی اولاد بھی تھی۔ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو بھی ہجرت کرنے والوں میں شمار کیا جائے تو مردوں کی تعداد تراسی (83) بنتی ہے۔[3] امام ابن عبدالبر اور بلاذری رحمہما اللہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی ہجرت کا ذکر کیا ہے[4] لیکن امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ واقدی اور ابن عقبہ وغیرہ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ وہ ہجرت کرنے والوں میں شامل نہیں تھے۔[5]

دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

[1] زادالمعاد: 689,688/3، دلائل النبوۃ للبیہقي: 309/2، واللفظ له. [2] أسد الغابة: 351/3-352، الإصابة: 496/4. مزید دیکھیے: البدایة والنهایة: 81,80/3، عالمیة الإسلام، ص: 107,106، الرحیق المختوم، ص: 350-352. [3] السیرة لابن هشام: 330/1، سیرة خیر العباد لابن القیم، ص: 36. [4] الاستیعاب، ص: 547-549، أنساب الأشراف: 242/1. [5] الروض الأنف: 99/2.

- جعفر بن ابی طالب اور ان کی اہلیہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدنا جعفر بن ابی طالب کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔
- سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجۂ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت عثمان کا تعلق بنو امیہ بن عبد شمس سے تھا۔ سیدنا عمرو بن سعید بن عاص اور ان کی اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت صفوان۔ عمرو کے بھائی خالد بن سعید بن عاص اور ان کی اہلیہ محترمہ امینہ بنت خلف رضی اللہ عنہم۔ انھیں ہمینہ بھی کہا جاتا تھا۔
- عبداللہ بن جحش، ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان، قیس بن عبداللہ، ان کی اہلیہ محترمہ برکہ بنت یسار اور مُعَیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔
- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہم۔ ابو حذیفہ کا تعلق بنو عبد شمس سے تھا۔
- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو مازن بن منصور میں سے تھے اور بنو نوفل کے حلیف تھے۔
- زبیر بن عوام، اسود بن نوفل، یزید بن زمعہ اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے تھا۔
- طلیب بن عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عبد بن قصی سے تھا۔
- سیدنا مصعب بن عمیر بن ہاشم، سُوَیبط بن سعد، جہم بن قیس مع اہلیہ محترمہ ام حرملہ بنت عبدالاسود، ابوالروم بن عمیر بن ہاشم اور فراس بن نضر رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو عبدالدار بن قصی سے تھا۔
- عبدالرحمٰن بن عوف، عامر بن ابی وقاص، مُطَّلِب بن ازہر مع اہلیہ رَملہ بنت ابی عوف، مطلب کے بھائی سیدنا طلیب بن ازہر اور عبداللہ بن شہاب رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو زہرہ بن کلاب سے تھا۔[1]
- سیدنا عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان کا تعلق بنو ہذیل سے تھا۔
- سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ، یہ بنو زہرہ کے حلیف تھے اور ان کا تعلق بنو قُضاعہ سے تھا۔
- سیدنا حارث بن خالد مع اہلیہ سیدہ ریطہ بنت حارث اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم، ان کا تعلق بنو تیم سے تھا۔
- ابوسلمہ بن عبدالاسد مع زوجۂ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، شماس بن عثمان

رسول اللہ ﷺ سے
عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا نسبی رشتہ

کلاب
قصی — عبد مناف — ہاشم — عبدالمطلب — عبداللہ — محمد رسول اللہ
زہرہ — حارث — عبد — عبد عوف — عوف — عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام: 324/1، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 79,78، أنساب الأشراف: 225/1، 226 و 233.

مع اہلیہ محترمہ ام حبیب بنت سعید، ہبار بن سفیان اور ان کے بھائی عبداللہ بن سفیان، سیدنا ہشام بن ابی حذیفہ، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کے حلیف مُعَتِّب بن عوف رضی اللہ عنہم۔ یہ بنوخزاعہ میں سے تھے۔

- عثمان بن مظعون، ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون، حاطب بن حارث مع اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت مجلّل، حاطب کے بھائی حطاب بن حارث مع اہلیہ محترمہ فُکیہہ بنت یسار، سفیان بن معمر مع اہلیہ محترمہ حسنہ اور عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنوجمح سے تھا۔
- خنیس بن حذافہ، ان کے بھائی قیس بن حذافہ اور عبداللہ بن حذافہ۔ ابوقیس بن حارث، ان کے بھائی عبداللہ بن حارث، حارث بن حارث، معمر بن حارث، بِشر بن حارث، سعید بن حارث، سائب بن حارث اور ان کے علاتی بھائی سعید بن عمرو، ہشام بن عاص، عمیر بن رئاب اور ان کے حلیف محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہم۔ یہ بنوزبید سے تھے۔
- معمر بن عبداللہ بن نضلہ، عروہ بن عبدالعزّیٰ، عدی بن نضلہ اور عامر بن ربیعہ یہ بنوعدی سے تھے اور یہ آل خطاب، جو عنز بن وائل سے تھے، کے حلیف تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ بھی تھیں رضی اللہ عنہم۔
- ابوسبرہ بن ابی رہم مع اہلیہ محترمہ ام کلثوم بنت سہیل۔ عبداللہ بن مخرمہ، عبداللہ بن سہیل، سَلِیط بن عمرو، ان کے بھائی حاطب بن عمرو اور سکران بن عمرو مع اہلیہ محترمہ سودہ بنت زمعہ، مالک بن زمعہ مع اہلیہ محترمہ عمرہ بنت سعدیٰ بن وقدان رضی اللہ عنہم یہ بنوعامر سے تھے۔ بنو عامر کے حلیف سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان کا تعلق یمن سے تھا۔
- ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاء، عمرو بن ابی سرح، عیاض بن زہیر، عمرو بن حارث، عثمان بن عبد غنم، سعد بن عبد قیس اور حارث بن عبد قیس رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنوحارث بن فہر سے تھا۔[1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہجرت

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے دوسری ہجرتِ حبشہ میں ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔[2] لیکن محمد بن عمر واقدی وغیرہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔[3] تاہم سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بات وہی ہے جو خود انھوں نے بیان فرمائی ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مدینہ ہجرت کرنے کی اطلاع ملی، اُس وقت ہم یمن میں تھے۔ میں اپنے دو بڑے بھائیوں ابوبُردہ اور ابورُہم سمیت اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ نکل پڑا۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے، ہم کشتی میں سوار ہوئے تو تیز ہوا کی وجہ سے ہماری کشتی بہک

[1] السیرة لابن ہشام:1/323-330، أنساب الأشراف:1/225-261، المنتظم لابن الجوزي:2/375-377. [2] السیرة لابن ہشام:1/324. [3] أنساب الأشراف :1/229، سیرة خیر العباد لابن القیم، ص: 38.

کر نجاشی کے ملک حبشہ جا پہنچی، وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی (جو مکہ سے ہجرت کر کے وہاں آئے ہوئے تھے)۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا: بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہاں رہنے کا حکم دیا ہے، تم بھی ہمارے ساتھ رہو، چنانچہ ہم اُنھی کے ساتھ ٹھہر گئے یہاں تک کہ وہ موقع آ گیا کہ ہم سب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔[1]

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت ناسازگار تیز ہوا کے باعث غیر ارادی طور پر مکہ کے بجائے یمن سے حبشہ جا پہنچے ورنہ ان کا ارادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ جانے کا تھا۔ اس سے پہلے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ آ کر اسلام قبول کر چکے تھے اور واپس یمن روانہ ہو گئے تھے۔[2]

ہجرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ابن دغنہ کی امان اور برک الغماد سے واپسی

مسلمانوں پر مشرکینِ مکہ کے ظلم و تشدد میں کمی آنے کے بجائے دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین نے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو اذیت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں دوسرے مسلمانوں کی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحيح البخاري: 3136. [2] دیکھیے: فتح الباري: 238،237/7، الدرر في اختصار المغازي والسير، ص: 37.

برک الغماد (عسیر، سعودی عرب) میں قدیم مسجد ابوبکر کے آثار

انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر اپنے ماموں زاد حارث بن خالد کے ساتھ ہجرت کے لیے مکہ سے نکل پڑے۔[2] جب بِرْكُ الْغِمَاد (موجودہ اَلْبِرْك) پہنچے، جو مکہ سے یمن کی طرف تقریباً 600 میل دُور ساحل پر واقع ہے،[3] تو وہاں ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بنو قارہ کا سردار تھا، یہ قبیلہ قریش کے ایک خاندان بنوزہرہ کا حلیف تھا۔[4] ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

یہ بات سن کر ابن دغنہ بولا:

فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَابَكْرٍ! لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَأَنَا لَكَ جَارٌ، اِرْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ.

''اے ابوبکر! بلاشبہ آپ جیسا انسان (اہل مکہ کے ظلم وستم سے عاجز آکر) خود نکل سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے۔ آپ تو فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آیئے! واپس چلیے اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب (اللہ تبارک وتعالیٰ) کی عبادت کیجیے۔''[5]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ سے کہا: ''میرے ساتھ مکہ سے نکلنے والا میرے خاندان کا ایک اور شخص بھی ہے۔'' آپ کی مراد آپ کے ماموں زاد سیدنا حارث بن خالد رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن دغنہ کہنے لگا: انھیں رہنے دیں۔ یہ اپنی راہ لیں۔ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف واپس چلیں۔ حارث بن خالد رضی اللہ عنہ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ انھوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو اجازت ہے۔ آپ بخوشی واپس چلے جائیں۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی راہ لوں گا۔

حارث بن خالد رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابن دغنہ کی ترغیب پر اس کی معیت

[1] السيرة لابن هشام: 372/1. [2] أنساب الأشراف: 235,234/1. [3] فتح الباري: 289/7، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 42. [4] فتح الباري: 290/7. [5] صحيح البخاري: 3905.

میں واپس مکہ آ گئے۔[1] ابن دغنہ شام کے وقت قریش کے سرداروں کے پاس گیا اور اُن سے کہا:

''بے شک ابوبکر جیسا شخص خود نکل سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمانوں کی میزبانی کرتا ہے اور حق کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دے دی ہے۔ اب تم میں سے ہر شخص ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔''

قریش کے سرداروں نے ابن دغنہ کی پناہ کا انکار تو نہ کیا، البتہ انھوں نے کہا: ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر ہی میں کیا کریں، وہیں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں، ان چیزوں سے وہ ہمیں تکلیف دیں نہ ان کا اظہار و اعلان کریں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ ہماری عورتوں اور بیٹوں کو فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش کی ان باتوں سے آگاہ کر دیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حبشہ روانگی اور برک الغماد سے واپسی

[1] أنساب الأشراف :1/235,236.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کی پناہ ترک کر دی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ قریش کی مذکورہ شرائط پر عمل پیرا رہے۔ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرتے، اپنی نماز ظاہر نہ کرتے، گھر کے اندر ہی قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پھر اچانک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایک بات آئی جس کے مطابق عمل کرتے ہوئے انھوں نے اپنے گھر کے آگے ایک مسجد بنالی، وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا ہجوم ہونے لگا۔ وہ سب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے اور تعجب کرتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے حد نرم دل اور انتہائی گریہ وزاری کرنے والے تھے۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو بے قابو ہو جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

مشرکینِ قریش کے سرداروں پر اس صورتِ حال سے گھبراہٹ طاری ہوگئی، انھوں نے ابن دغنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آ گیا تو انھوں نے کہا: ہم نے ابوبکر کے لیے تمھاری پناہ اس شرط پر منظور کی تھی کہ وہ اپنے گھر میں محدود رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں گے لیکن وہ اس سے تجاوز کر گئے ہیں، انھوں نے اپنے گھر کے آگے مسجد بنالی ہے۔ یہاں وہ علانیہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں مبتلا کر دیں گے، تم انھیں روکو۔ اگر وہ یہ پسند کریں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر ہی میں محدود رہ کر کریں گے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ شرط تسلیم نہ کریں اور علانیہ عبادت پر اصرار کریں تو انھیں کہہ دو کہ وہ تمھاری امان واپس کر دیں۔ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمھارے ساتھ عہد شکنی کریں۔ ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر کا علانیہ عبادت کرنا کسی صورت قبول نہیں۔

قریش کے سرداروں کی یہ باتیں سن کر ابن دغنہ سیدھا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: جس شرط پر میں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، وہ آپ کو معلوم ہے، یا تو آپ اس شرط پر قائم رہیں یا میری پناہ واپس کر دیں۔ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ عرب کے لوگ یہ سنیں کہ میرے ساتھ ایک ایسے شخص کے معاملے میں عہد شکنی کی گئی ہے جسے میں نے پناہ دی تھی۔ ابن دغنہ کی بات سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جرأتِ ایمانی سے کہا:

فَإِنِّي أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ، وَ أَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

"بلاشبہ میں تجھے تیری پناہ واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔" [1]

[1] صحيح البخاري: 3905، السيرة لابن هشام: 1/373، 374.

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک احمق کی بدسلوکی

ابن دغنہ کی پناہ ترک کرنے کے بعد ایک مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت اللہ کی طرف متوجہ تھے کہ قریش کے بیوقوفوں میں سے ایک احمق نے ان کے سر پر مٹی ڈال دی۔ اسی لمحے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: یہ بیوقوف جو کچھ کر رہا ہے، کیا تم اسے نہیں دیکھ رہے؟ وہ کہنے لگا: آپ نے اپنے لیے یہ مصیبت خود ہی مول لی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے:

أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ.

''میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔ میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔ میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔''[1]

مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی سازش

کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان اپنی جان اور دین بچا کر حبشہ ہجرت کر گئے ہیں، وہاں امن و سکون سے رہ رہے ہیں اور انھیں بہترین ٹھکانا میسر آ گیا ہے تو وہ طیش میں آ گئے۔ انھیں یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ میسر آ جائے اور وہ وہاں امن و امان سے رہیں۔ انھیں مسلمانوں کے مضبوط و مستحکم ہونے اور ان کی دعوت کے ہر طرف پھیل جانے کا بڑا خطرہ محسوس ہو رہا تھا، لہٰذا وہ بڑے مضطرب ہو کر پیچ و تاب کھانے لگے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم اپنے دو مضبوط افراد کو سفیر بنا کر اور بہترین تحائف دے کر شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجیں تاکہ یہ وہاں جا کر ہر ممکن کوشش کریں کہ نجاشی مسلمانوں کو حبشہ سے نکال کر واپس مکہ بھیج دے۔

مکہ سے جو بہترین چیز نجاشی کے پاس جاتی تھی، وہ چمڑا تھا، لہٰذا کفارِ قریش نے نجاشی کے لیے بڑی مقدار میں چمڑا جمع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بڑے بڑے پادریوں کے لیے بھی تحفے تیار کیے۔ اس مہم کے لیے اُنھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن عاص بن وائل سہمی کا انتخاب کیا۔ انھوں نے تمام تحفے ان کے حوالے کیے اور کہا:

''نجاشی سے مسلمانوں کے بارے میں بات چیت کرنے سے پہلے ہر بڑے پادری کو تحفہ پیش کرنا۔ اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کرنا، پھر اس سے درخواست کرنا کہ وہ مسلمانوں سے کوئی بات چیت

[1] السيرة لابن هشام: 374/1، سبل الهدى والرشاد: 411/2.

کیے بغیر انھیں تمھارے حوالے کر دے۔“

کفار و مشرکین کے اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تمام پادریوں کی پرزور حمایت و تائید حاصل کی جائے اور انھیں اپنا ہم خیال بنایا جائے، پھر ان کے ذریعے سے بادشاہ کو قائل کیا جائے۔[1]

کفارِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں کا تعاقب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی شخصی دشمنی نہیں تھی بلکہ دینی عداوت تھی۔ اگر یہ شخصی عداوت ہوتی تو کفار تو مسلمانوں کے مکہ سے چلے جانے پر بہت ہی خوش ہوتے اور ان کا ہرگز تعاقب نہ کرتے۔ دینی عداوت ہونے کی وجہ سے کافر چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو کہیں بھی چین میسر نہ آئے تاکہ ان کا دین پھیلنے نہ پائے۔ یہ ان کی اسلام دشمنی ہی تھی جو حبشہ تک مسلمانوں کا پیچھا کرتی چلی گئی۔

ابوطالب کو جب مشرکین مکہ کی اس گھناؤنی سازش کا علم ہوا تو انھوں نے نجاشی کے لیے کچھ اشعار کہے اور ان اشعار میں اسے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی نصرت وحمایت کرنے کی ترغیب دی۔[2]

سفیرانِ قریش حبشہ میں

کفارِ قریش کے یہ دونوں سفیر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص اپنی مہم پر روانہ ہو کر اکسوم (حبشہ) پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے منصوبے کے مطابق شاہِ حبشہ نجاشی سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کے ہر پادری کو تحفہ پیش کیا اور کہا:

”ہم میں کچھ بیوقوف نوجوان تھے، وہ ہمارے ہاں سے نکل کر آپ کے وطن میں آگئے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور یہ لوگ تمھارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ یہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس سے ہم واقف ہیں نہ تم۔ ہمیں ان کی قوم کے سرداروں نے ان کے بارے میں بات چیت کے لیے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کی بازیابی کے بعد انھیں ان کی قوم کے سرداروں کے حوالے کر دیں۔ پس جب ہم بادشاہ سے ان کے بارے میں بات چیت کریں تو تم بادشاہ کو مشورہ دینا کہ وہ انھیں ہمارے حوالے کر دے اور ان سے کوئی گفتگو نہ کرے۔ بے شک ان کی قوم ان پر خوب نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کے عیب اچھی طرح جانتی ہے۔“

ان کی بات سن کر تمام پادریوں نے انھیں مکمل تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے، ہم تمھاری تائید کرتے ہوئے ایسا ہی کریں گے۔

[1] مسند أحمد: 1/201-203. [2] السيرة لابن هشام: 1/333، 334.

سفیرانِ قریش دربارِ نجاشی میں

قریش کے دونوں سفیر پادریوں سے معاملہ طے کر کے نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، انھوں نے اسے قیمتی تحائف پیش کیے، نجاشی نے یہ تحائف قبول کر لیے۔ بعدازاں انھوں نے نجاشی سے کہا:

"اے بادشاہ! ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان ہیں، وہ فرار ہو کر آپ کے ملک میں آپہنچے ہیں، انھوں نے اپنی قوم کے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ انھوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا۔ وہ ایسا نرالا دین لے کر آئے ہیں جسے ہم پہچانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں ان کی قوم کے سرداروں نے، جو ان کے باپ، چچا اور قریبی رشتہ دار ہیں، ان کے بارے میں بات چیت کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ان نوجوانوں کو پکڑ کر ان کے پاس واپس بھیج دیں۔ وہ ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں اور ان کے عیبوں کو خوب جانتے ہیں۔ انھوں نے اسی وجہ سے انھیں سرزنش بھی کی ہے۔"

قریش کے سفیروں کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کا موقف بھی سنے۔ وہ چاہتے تھے کہ نجاشی مسلمانوں سے پوچھ گچھ کیے بغیر ان کا موقف معلوم کرنے سے پہلے ہی انھیں ہمارے حوالے کر دے کیونکہ انھیں شدید خطرہ تھا کہ اگر نجاشی نے مسلمانوں سے بات چیت کی اور ان کا موقف معلوم کر لیا تو شاید وہ ان سے متاثر ہو جائے اور انھیں ہمارے حوالے نہ کرے اور یوں ہمارا سارا منصوبہ ناکام ہو جائے۔

جب دونوں سفیر اپنی گزارشات کے بعد اپنی آمد کا مقصد بیان کر چکے تو طے شدہ منصوبے کے مطابق نجاشی کے اردگرد موجود پادریوں نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! انھوں نے سچ کہا ہے۔ ان کی قوم ان (مسلمانوں) پر خوب نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کے عیبوں کو اچھی طرح جانتی ہے۔ اُن لوگوں کو ان دونوں سفیروں کے سپرد کر دیجیے تاکہ وہ انھیں اپنے وطن اور قوم کی طرف واپس لے جائیں۔

پادریوں کی یہ بات سن کر نجاشی غضبناک ہو گیا، اس نے صاف کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی فریب نہیں دیا جا سکتا جنھوں نے میری ہمسائیگی اختیار کی ہے، جو میرے ملک میں آئے اور جنھوں نے مجھے دوسروں پر ترجیح دی۔ میں انھیں بلاؤں گا اور ان دونوں سفیروں نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے بارے میں ان سے پوچھ گچھ کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا کہ ان سفیروں نے بتایا ہے، تب میں انھیں ان کے سپرد کر دوں گا اور ان کی قوم کی طرف واپس بھیج دوں گا لیکن اگر وہ ایسے ثابت نہ ہوئے تو میں انھیں ان کے حوالے نہیں کروں گا اور جب تک وہ میری

ہمسائیگی میں رہیں گے، میں ان سے حسن سلوک کرتا رہوں گا۔

مہاجرین کی طلبی

نجاشی نے اپنا قاصد روانہ کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بُلا بھیجا۔ جب قاصد ان کے پاس پہنچا اور انھیں بادشاہ کا پیغام دیا تو وہ سب اکٹھے ہوگئے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: ''تم نجاشی کے پاس جاؤ گے تو کیا کہو گے؟''

انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کا ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔'' یہ عزم کرنے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ نجاشی نے عیسائیوں کے بڑے بڑے عالموں کو بلا رکھا تھا اور وہ اس کے اردگرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا:

''یہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم کے دین سے علیحدہ ہوگئے ہو؟ پھر نہ تم میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ دوسری امتوں میں سے کسی کے دین میں؟''

جعفر رضی اللہ عنہ کی انقلابی تقریر

نجاشی کے سوال پر سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ترجمانی کا اہم فریضہ بڑی جرأت اور قابلیت سے انجام دیا۔ انھوں نے نجاشی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑی جامع اور جچی تلی تقریر کی۔ انھوں نے اس تقریر میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی نہایت خوبصورت تصویر کھینچ دی۔ اسلام کی تعریف میں کی گئی یہ تقریر ہر مسلمان کو بڑی توجہ اور احترام سے پڑھنی چاہیے۔ فرمایا:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ، يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا، نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ، وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ، وَ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَ أَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ

اللّٰهَ وَحْدَهُ لَانُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَ أَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ. قَالَ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ، فَصَدَّقْنَاهُ، وَآمَنَّا بِهِ، وَاتَّبَعْنَاهُ عَلٰى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَ أَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا، فَعَذَّبُونَا وَفَتَنُونَا عَنْ دِينِنَا لِيَرُدُّونَا إِلٰى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَ أَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا قَهَرُونَا وَظَلَمُونَا، وَشَقُّوا عَلَيْنَا، وَحَالُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِينِنَا، خَرَجْنَا إِلٰى بَلَدِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ، وَ رَغِبْنَا فِي جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَنْ لَّا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ!

”اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے۔ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے اور ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا۔ ہم ان کے عالی نسب، سچائی، امانت داری اور پاکدامنی سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اللہ کو تنِ تنہا ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، انھیں چھوڑ دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں سچی بات کرنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے، حرام کاموں سے پرہیز اور خونریزی سے گریز کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ آپ نے ہمیں نماز، روزے اور زکاۃ کا حکم دیا۔ اس موقع پر جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے امور گنوائے، پھر نجاشی سے کہا: ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور جو وہ لائے تھے، ہم نے اس میں ان کی پیروی کی۔ ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس چیز کو اللہ نے ہم پر حرام کر دیا، ہم نے اسے حرام جانا اور جسے ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے اسے حلال مانا۔ ہمارے اس طرزِ عمل کی پاداش میں ہماری قوم نے ہم پر ظلم کیا، ہمیں سخت سزائیں دیں اور ہمیں ہمارے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت سے ہٹائیں اور دوبارہ بتوں کی پرستش پر لگا دیں اور ہم ناپاک چیزوں میں سے جنھیں حلال سمجھتے تھے، انھیں دوبارہ حلال سمجھنے لگیں۔ جب انھوں نے ہمیں مجبور کیا، ہم پر ظلم کیا، ہمیں مشقت میں ڈالا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو اے بادشاہ! ہم

آپ کے ملک میں آ گئے۔ ہم نے اوروں پر آپ کو ترجیح دی، آپ کی امان میں رہنا پسند کیا اور یہ امید رکھی کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ صداقت سے لبریز اور اثر انگیز تقریر سنی تو حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں، کیا اس میں سے کچھ تمھارے پاس ہے؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ نجاشی نے کہا: وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ ان آیات کی تلاوت سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم بھی رو پڑے۔ وہ اس قدر روئے کہ ان کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا:

إِنَّ هٰذَا وَاللّٰهِ! وَالَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسٰى لَيَخْرُجُ مِنْ مِّشْكَاةٍ وَّاحِدَةٍ.

"اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ کلام اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام [1] لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی طاق سے نکلے ہیں۔"

قریش کے سفیروں کو نجاشی کا جواب

اس کے بعد نجاشی نے قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم دونوں چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو کبھی تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھ سے کوئی چال نہیں چلی جا سکتی۔"

دونوں سفیر مایوسی کے عالم میں نجاشی کے دربار سے نکل گئے۔

سفیرانِ قریش کی ایک اور کوشش

دربارِ نجاشی سے نکلنے کے بعد عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: "اللہ کی قسم! میں کل ضرور نجاشی کے پاس جاؤں گا اور اس کے روبرو ان (مسلمانوں) کا ایک ایسا عیب نکالوں گا جس سے میں ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دوں گا۔" عبداللہ بن ابی ربیعہ، عمرو بن عاص کی نسبت زیادہ محتاط تھے۔ انھوں نے عمرو بن عاص سے کہا: ایسا نہ کرو۔ ہر چند ان لوگوں نے ہماری مخالفت کی ہے لیکن ہیں تو یہ ہمارے ہی رشتہ دار۔ عمرو بن عاص نے ان کی نہ مانی، اپنی بات پر اڑے رہے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نجاشی کو اس بات سے ضرور آگاہ کروں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

اگلے دن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) دوبارہ نجاشی کے پاس گئے اور اس سے کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام)

[1] بعض روایات میں یہاں موسیٰ علیہ السلام کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ دیکھیے: دلائل النبوة للبیهقي: 303/2.

کے متعلق بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ آپ انھیں قاصد بھیج کر بلوائیے اور ان سے وہ بات پوچھیے جو وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔ نجاشی نے یہ بات سُنی تو مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ وہ ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوالات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں پر اس سے پہلے ایسا کڑا مرحلہ نہیں آیا تھا، وہ سب اکٹھے ہوکر باہم مشورہ کرنے لگے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھا:

نجاشی تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟

وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم ان کے بارے میں وہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

یہ عزم کر کے مہاجرین نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: تم لوگ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس بار بھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی نے مسلمانوں کی ترجمانی کی۔ انھوں نے جواب دیا:

نَقُولُ فِيهِ الَّذِي جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا: هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُولُهُ وَ رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ.

"ہم ان کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی طرف سے روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے کنواری پاکدامن مریم کی طرف القا کیا تھا۔"

جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا:

مَاعَدَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هٰذَا الْعُودَ.

"تم نے جو کچھ کہا ہے، عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) اُس سے اِس تنکے کے بقدر بھی زیادہ نہیں۔"

نجاشی کی یہ بات سن کر اس کے بڑے بڑے پادریوں نے شدید غصے اور نفرت کا اظہار کیا اور "اُونہہ" کی آواز نکالی، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! چاہے تم "اُونہہ" ہی کہتے رہو (مگر اصل سچائی وہی ہے جو مسلمانوں کے ترجمان نے بیان کر دی ہے)۔

مسلمانوں کے لیے پروانۂ امن

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو پروانۂ امن دیتے ہوئے کہا:

"جاؤ، تم میرے ملک میں بحفاظت امن و امان سے ہو، جو تمھیں برا کہے گا، اس پر تاوان عائد کیا جائے گا۔ جو

تمھیں برا بھلا کہے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں برا کہے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ (نجاشی نے نہایت تاکید سے یہ بات تین بار دہرائی۔ اس نے مزید کہا:) مجھے گوارا نہیں کہ میں تم میں سے کسی شخص کو تکلیف دوں، چاہے اس کے بدلے میں مجھے سونے کا پہاڑ ملے۔ (پھر اپنے درباریوں سے کہا:) ان دونوں (قریش کے سفیروں) کو ان کے تحائف واپس کر دو۔ ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میری بادشاہت لوٹائی تھی، اس وقت مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کے بارے میں رشوت لوں، نہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات مانی تھی کہ میں اس کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔‘‘

قریش کے دونوں سفیر اپنے تحائف لے کر ناکام و نامُراد واپس چلے گئے۔ [1]

کچھ دیگر روایات میں عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کے نجاشی کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ بعض مؤرخین نے تینوں کو جمع کر دیا ہے کہ عمرو بن عاص، عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمارہ بن ولید تینوں ہی اکٹھے گئے تھے۔ [2] اس کے برعکس بعض مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ قریش نے نجاشی کے پاس دو مرتبہ اپنے سفیر روانہ کیے۔ اوّلاً دوسری ہجرتِ حبشہ کے بعد عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو روانہ کیا۔ جب وہ دونوں ناکام ہو کر واپس آئے تو دوسری مرتبہ غزوۂ بدر کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو روانہ کیا۔ [3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے ان کے مطالبات پورے نہیں کیے۔ وہ نجاشی کی نظروں میں گر گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و عظمت میں مزید اضافہ ہوا۔ انھیں شاہِ حبشہ نجاشی کی طرف سے پروانۂ امن مل گیا اور وہ حبشہ میں امن و سکون سے رہنے لگے۔ [4]

عمرو بن عاص مکہ پہنچ کر گھر سے نہیں نکلے

سفیر قریش عمرو بن عاص جب نجاشی کے پاس سے ناکام لوٹے اور انھوں نے نجاشی کو صریحاً مسلمانوں کا ساتھ دیتے دیکھا تو انھیں بہت رنج ہوا۔ وہ خفت زدہ ہو کر اپنے گھر ہی میں بیٹھ رہے، باہر نہیں نکلے۔ مشرکینِ مکہ نے یہ عالم دیکھا تو پوچھنے لگے کہ انھیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ گھر سے باہر کیوں نہیں نکلتے؟ اس پر عمرو بن عاص نے انھیں اپنے نہ نکلنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ اصحمہ نجاشی یہ سمجھتا ہے کہ تمھارا ساتھی نبی ہے۔ [5]

[1] مسند أحمد:1/201-203 و5/290-292، دلائل النبوة لأبي نعيم:1/246-250، دلائل النبوة للبيهقي:2/301-304.
[2] المواهب اللدنية:1/241، الروض الأنف:2/109. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/253، السيرة النبوية لابن كثير، ص:142، سبل الهدٰى والرشاد:2/395. [4] جوامع السيرة لابن حزم، ص:63. [5] دلائل النبوة للبيهقي:2/307.

نجاشی کے خلاف بغاوت

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نجاشی مسلمان ہوگیا تھا، البتہ اہلِ حبشہ کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکا۔ نجاشی نے جب عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بندہ ہونے کو برحق قرار دیا تو حبشہ کے عیسائی اس کے مخالف ہو گئے۔ انھوں نے نجاشی سے کہا کہ تم نے ہمارے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ وہ لوگ نجاشی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اپنا قاصد بھیجا، انھیں کشتیاں فراہم کیں اور یہ پیغام بھجوایا:

''تم لوگ ان کشتیوں میں سوار ہو جاؤ اور اپنے دین پر قائم رہو۔ اگر مجھے شکست ہو جائے تو تم لوگ چلے جانا اور جہاں مناسب سمجھنا، وہاں قیام کر لینا اور اگر مجھے فتح نصیب ہو تو تم بدستور یہیں ٹھہرے رہنا۔''

اس کے بعد نجاشی نے ایک تحریر لکھی جس میں اس نے اپنے متعلق لکھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی طرف سے روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا، پھر اس نے یہ تحریر اپنے چوغے کے اندر دائیں کندھے کی طرف رکھ لی اور حبشہ کے لوگوں کے سامنے آ گیا۔ وہ سب اس کے لیے قطار بنائے کھڑے تھے۔ نجاشی نے کہا: کیا میں سب لوگوں سے بڑھ کر تم پر حقدار نہیں ہوں؟

انھوں نے کہا: کیوں نہیں!

نجاشی نے پوچھا: تم نے اپنے بارے میں میرا سلوک کیسا پایا؟

انھوں نے کہا: بہترین۔

نجاشی نے پوچھا: پھر تمھیں کیا ہوا ہے؟

انھوں نے کہا: آپ نے ہمارے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔

نجاشی نے پوچھا: تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ان کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ اپنے چغہ پوش سینے پر رکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نجاشی کا مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس تحریر سے بڑھ کر نہیں ہیں جس پر اس نے ہاتھ رکھا ہے۔ حبشہ کے لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو وہ نجاشی سے راضی ہو گئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ [1] اس

[1] السيرة لابن هشام :341,340/1.

کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ ہی میں نہایت امن و اطمینان سے مقیم رہے۔

ایک حبشی کا نجاشی کے خلاف معرکہ

بعد ازاں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ حبشہ کا ایک شخص نجاشی سے اس کی بادشاہت کے معاملے میں جھگڑنے لگا۔ وہ نجاشی سے بادشاہت چھیننا چاہتا تھا۔ مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ صورت حال دیکھ کر غمزدہ ہوئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا وہ شخص نجاشی پر غالب آجائے اور ہمارا وہ حق نہ پہچانے جو نجاشی پہچانتا ہے اور ہمارا خیال رکھتا ہے۔

نجاشی نے اس حبشی کی طرف پیش قدمی کی۔ نجاشی اور اس کے درمیان دریائے نیل حائل تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے کون ہے جو میدان جنگ کی طرف جائے اور ہمیں وہاں کے حالات سے آگاہ کرے؟ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ان سب میں نوعمر تھے، وہ کہنے لگے: ''میں جاؤں گا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے ایک مشک میں ہوا بھر کر زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے سینے کے نیچے رکھا اور اس پر تیرتے ہوئے دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر میدان جنگ تک جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں کی صورتِ حال کا

دریائے نیل اور قاہرہ (مصر)

اچھی طرح جائزہ لیا، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف واپس آ گئے۔ ادھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے نجاشی کے غلبے اور اقتدار پر قائم رہنے کی دعا کی۔ وہ میدانِ جنگ کی صورتحال جاننے کے منتظر تھے کہ اچانک زبیر رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، وہ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اپنے کپڑے ہوا میں لہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''خوش ہو جاؤ، نجاشی کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور نجاشی کے اقتدار کو مضبوط کر دیا ہے۔''

یہ خبر سن کر مہاجرین رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ [1]

مہاجرین حبشہ کی مدینہ روانگی

مہاجرین حبشہ میں ہنسی خوشی رہنے لگے، ان میں سے سات مرد اور چند عورتیں حبشہ ہی میں فوت ہو گئیں۔ [2] جب مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ تشریف لے گئے تو مہاجرینِ حبشہ میں سے تینتیس مرد

[1] مسند أحمد: 292/5، السيرة لابن هشام: 338/1. [2] السيرة لابن هشام: 10/4.

اور آٹھ عورتیں جنگ بدر سے پہلے ہی مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ [1]

اُن کے علاوہ ستائیس مرد اور متعدد عورتیں غزوۂ بدر کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔ باقی مہاجرین عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ [2] یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔ [3]

عبیداللہ بن جحش مرتد ہو گیا

حبشہ کے لوگ عیسائی تھے لیکن مہاجرین حبشہ میں اسلام پر قائم رہے۔ عیسائیت کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہوئے، البتہ عبیداللہ بن جحش کو شیطان نے بہکایا اور اس کے آگے عیسائیت کو مزین کر کے پیش کیا۔ یوں اس نے اسلام کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کر لی۔ اسلام کی دعوت کے آغاز سے پہلے بھی یہ شخص عیسائیت کو بہتر اور حق کے قریب تر سمجھ کر عیسائی [4] ہو گیا تھا، پھر جب دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہ مسلمان ہو گیا اور حبشہ ہجرت کر گیا لیکن وہاں جا کر یہ دوبارہ مرتد ہو گیا۔ [5]

شوہر کے بارے میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا خواب

عبیداللہ بن جحش کی اہلیہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''ایک دن میں نے خواب میں اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کو نہایت بری اور بھدی صورت میں دیکھا، میں گھبرا گئی تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی حالت بدل چکی ہے۔ صبح ہوئی تو عبیداللہ بن جحش نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

''ام حبیبہ! میں نے دین کے معاملے میں غور و فکر کیا تو میں نے عیسائیت سے بہتر کوئی دین نہیں پایا، میں نے عیسائیت پہلے بھی اختیار کی تھی، پھر میں نے محمد (ﷺ) کا دین قبول کر لیا، اب میں پھر عیسائی ہو گیا ہوں۔''

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! یہ فعل تمھارے لیے بہتر نہیں ہے، میں نے اسے اپنے خواب سے بھی آگاہ کیا لیکن اس نے کوئی توجہ ہی نہ دی اور وہ شراب کے نشے میں مست ہو گیا حتیٰ کہ اسے (عیسائیت ہی کی حالت میں) موت آگئی۔ [6]

عبیداللہ بن جحش کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس سے علیحدہ ہو گئیں اور اسلام پر پوری مضبوطی سے

---

[1] صحيح البخاري: 3905، الطبقات لابن سعد: 207/1. [2] السيرة لابن هشام: 4/3-10، فتح الباري: 607/7. [3] المنتظم لابن الجوزي: 298/3. [4] ابن ہشام کے بیان کے مطابق یہ عیسائی نہیں ہوا تھا بلکہ دین حنیف کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلا تھا اور گومگو کی کیفیت میں رہا۔ (السيرة لابن هشام: 223/1) [5] السيرة لابن هشام: 10/4، البداية والنهاية: 8/3. [6] الطبقات لابن سعد: 97,96/8.

مہاجرینِ حبشہ کے سفر
مکہ سے اکسوم (615ء)
حبشہ سے خیبر آمد (6ھ/628ء)
اندرونی چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
فارس (ایران)
عراق
شام
اردن
بحیرہ روم
مصر
سوڈان
جزیرہ نمائے عرب
سعودی عرب
عمان
بحیرہ عرب
یمن
حبشہ (ایتھوپیا)
صومالیہ
بحر ہند
عرب
العلاء
خیبر
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
حجاز
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
شعیبہ
طائف
تربہ
عسیر
قنفذہ
ابہا
بحیرہ قلزم (احمر)
نجران
جازان
فرسان
دہلک
مصوع
کمران
زبید
اکسوم
اریٹیریا
حبشہ
عصب
مخا
تعز
عدن
خلیج عدن
صنعاء
مأرب
شبوہ
شقراء
یمن
0
100
200
300
400

ثابت قدم رہیں، بعد ازاں سات ہجری میں نبیِ اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔[1] اس طرح انھیں ام المؤمنین بننے کا اعزاز نصیب ہوا۔

مرتد عبیداللہ بن جحش کا مہاجرین کو طعنہ

عبیداللہ بن جحش مرتد ہو جانے کے بعد حبشہ میں جب بھی مہاجرین کے پاس سے گزرتا تو انھیں طعنے دیتا اور کہتا: ہم نے تو سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم آنکھیں ہی جھپکاتے رہ گئے۔

یہ مثال یوں ہے کہ کتے کا بچہ اپنی پیدائش کے بعد جب دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو پہلے انھیں اچھی طرح جھپکاتا ہے تاکہ وہ دیکھنے کے قابل ہو سکے، اس نے یہ مثال اپنے اور مسلمانوں کے بارے میں بیان کی۔[2]

کیا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی مرتد ہوئے؟

بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں نے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ وہ عیسائی ہو گئے تھے اور حبشہ ہی میں وفات پا گئے۔[3] لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے اور حالتِ اسلام ہی میں مکہ میں فوت ہوئے جیسا کہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی نے لکھا ہے۔[4] علامہ ابن عبدالبر، امام نووی، حافظ ابن کثیر اور ابن جوزی رحمہم اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔[5] امام بلاذری نے بھی اسی قول کو صحیح ترین قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تدفین فرمائی تھی۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام بلاذری کی تصحیح کو اختیار کیا ہے۔[7]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 99/8، الاستیعاب، ص: 441، الإصابة: 141,140/8. [2] السيرة لابن هشام: 224,223/1 و 6/4.
[3] تاريخ الطبري: 411/2. [4] السيرة لابن إسحاق: 279/1، الطبقات لابن سعد: 53/8. [5] الدرر في اختصار المغازي والسير، ص: 45,44، تهذيب الأسماء واللغات للنووي: 613/2، البداية والنهاية: 131/3، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 20. [6] أنساب الأشراف: 252,251/1 و 13/11. [7] الإصابة: 113/3.

باب
7

سیرت انسائیکلوپیڈیا

فروغِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

ہر کچے اور پکے گھر میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں
پہنچنے کے اولین مراحل

”اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے،
بے شک اللہ قوی، بڑا زبردست ہے۔“
(المجادلة 21:58)

اس باب میں

فروغ اسلام کے حالات و واقعات کی تفصیل جمیل میں دو اہم ترین شخصیتوں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی حیرت انگیز تفصیلات۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے مذموم ارادے سے نکلتے ہیں۔ راستے میں اپنی ہی بہن اور بہنوئی کے مسلمانوں ہو جانے کی خبر سن کر جوشِ غضب میں اُن کی طرف چل دیتے ہیں۔ بہن اور بہنوئی پر تشدد کرتے ہیں لیکن قرآن کے مطالعے سے خود ہی اسلام کی سچائی کے قائل ہو جاتے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنی وفاداریوں کا ہاتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں دے دیتے ہیں۔ اس انقلابی واقعہ کے بعد آپ کفار و مشرکین کا ردعمل، عمر رضی اللہ عنہ کو ہلاک کرنے کے لیے کفار کا ہجوم اور عاص بن وائل کی پناہ یابی، شوکتِ اسلام کا ظہور، مسلمانوں کا حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں مسجد الحرام جانا اور پہلی دفعہ علی الاعلان نماز پڑھنا، نجران کے عیسائیوں کا قبول اسلام، شقِ قمر کا واقعہ بعدازاں رومی غلبے کے بارے میں قرآن کریم کے ارشاد اور اسلام کے غلبہ وعروج کی عظیم الشان بشارت کے احوال پڑھیں گے۔ اس خوشخبری سے مسلمانوں کے دلوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ آئندہ اوراق میں یہ سارا پس منظر جزئیات سمیت بخوبی بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

کفار و مشرکین کی اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے باوجود اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ سلیم الفطرت لوگ اسلام کی حقانیت اور صداقت سے متاثر ہو کر اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔ بڑی بڑی نامور اور دلیر شخصیتیں اسلام جیسی عظیم نعمتِ الٰہی سے بہرہ ور ہو رہی تھیں۔ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں کی فہرست میں ایک بڑا نام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ پانچویں سال مسلمان ہو گئے تھے۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 9/3، المنتظم لابن الجوزي :384/2.

میدانِ اُحد میں شہداء کا قبرستان

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کس طرح مسلمان ہوئے؟

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل صفا پہاڑی کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی، برا بھلا کہا اور ایسی مذموم باتیں بھی کہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عیب جوئی کی اور اپنی سرداری کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری ایسے توہین آمیز لہجے میں بیان کی جس سے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ساری نازیبا باتیں صبر اور وقار کے ساتھ برداشت فرماتے رہے، آپ نے ابوجہل کی گھٹیا باتوں کا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔

عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی اپنے مکان میں بیٹھی تھی۔ وہ یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے بعد وہاں سے چلا گیا اور کعبہ کے قریب قریش کی ایک مجلس میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی لمحے حمزہ رضی اللہ عنہ گلے میں کمان لٹکائے شکار سے واپس آئے۔ وہ بہت اچھے شکاری تھے اور اکثر شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس تشریف لاتے تو اس وقت تک اپنے گھر نہیں جاتے تھے جب تک کعبہ کا طواف نہ کر لیتے۔ وہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے قریش کی جس مجلس کے قریب سے گزرتے وہاں ٹھہرتے، شرکائے مجلس کو سلام کرتے، پھر ان سے گفتگو کرتے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے سب سے زیادہ طاقتور، معزز، نہایت غیرت مند اور خوددار نوجوان تھے۔ جب وہ ابن جدعان کی لونڈی کے پاس سے گزرے تو اس نے انھیں پکارا اور کہا:

> "ابوعمارہ! ابھی ابھی آپ کے بھتیجے کو ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام کی طرف سے جس بدسلوکی اور بدزبانی کا سامنا کرنا پڑا ہے، کاش! آپ اسے دیکھ لیتے۔ ابوالحکم نے آپ کے بھتیجے کو یہاں بیٹھے دیکھا تو انھیں شدید اذیت پہنچائی، برا بھلا کہا اور ایسی مذموم باتیں کہیں جنھیں وہ ناپسند کرتے تھے۔ آپ کے بھتیجے کو سخت اذیت دے کر وہ چلا گیا لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔"

اللہ تعالیٰ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کا ارادہ فرما رکھا تھا۔ انھوں نے یہ ماجرا سُنا تو طیش میں آ گئے۔ ان کی رگوں میں غیرت وحمیت کی بجلیاں کوندنے لگیں، آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہ تیزی سے لپکے، کسی کے پاس نہ رکے۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ جونہی ابوجہل ملے گا، میں اسے مزہ چکھادوں گا۔ وہ حرم میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابوجہل اپنی قوم کے لوگوں میں بیٹھا ہوا ہے، وہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر جا پہنچے۔ انھوں نے اپنی کمان پوری قوت سے اس کے سر پر دے ماری، ابوجہل کو بڑا کاری زخم لگا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُسے مخاطب کیا اور کہا:

''کیا تو محمد (ﷺ) کو برا بھلا کہتا ہے جبکہ میں بھی ان کے دین پر ہوں۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو جوابی کارروائی کر کے دکھا!''

ابوجہل کے قبیلے بنومخزوم کے لوگ اس کی مدد کے لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے۔ ابوجہل نے انھیں روکتے ہوئے کہا: ''ابوعمارہ کو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے بھتیجے کو فی الواقع بہت بری گالی دی تھی۔'' وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا۔[1]

شیطان کی حمزہ رضی اللہ عنہ کو ورغلانے کی کوشش

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے جوشِ غیرت وحمیت میں ابوجہل سے اپنے بھتیجے محمد ﷺ کا انتقام تو لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن بعد ازاں جب وہ اپنے گھر پہنچے تو شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''تم تو قریش کے سردار ہو۔ تم نے بھی اس صابی (محمد ﷺ) کی پیروی کر لی اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے، اس سے تو تمھارے لیے مرجانا ہی اچھا تھا۔''

اب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سخت شش و پنج اور ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوگئے اور خود کلامی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں یہ کیا اقدام کر بیٹھا ہوں؟ اُسی لمحے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ رُشْدًا فَاجْعَلْ تَصْدِيقَهُ فِي قَلْبِي، وَ إِلَّا فَاجْعَلْ لِي مِمَّا وَقَعْتُ فِيهِ مَخْرَجًا.

''اے اللہ! اگر یہ ہدایت ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق اُجاگر کر دے ورنہ میں جس حالت میں مبتلا ہوگیا ہوں، اس سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ رات بھر شیطان کے وسوسوں میں مبتلا رہے۔ انھوں نے ایسی اضطراب انگیز اور پریشان کن رات پہلے کبھی نہیں گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''بھتیجے! میں ایک ایسے کام میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ مجھے معلوم نہیں۔ میرے جیسے آدمی کا ایسے معاملے میں مبتلا ہو جانا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ ہدایت ہے یا گمراہی، بہت مشکل اور خلجان والی بات ہے۔ آپ مجھے کوئی بات بتائیں۔ میرے بھتیجے! میری بڑی تمنا ہے کہ اب آپ ہی مجھے کچھ بتائیں۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ

[1] السيرة لابن هشام: 292,291/1، المنتظم لابن الجوزي: 385,384/2، الطبقات لابن سعد: 9/3.

کے عذاب سے خوف دلایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری سنائی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان کا نور ڈال دیا، ان کا سینہ کھول دیا اور انھیں شک اور تردد و تذبذب سے نجات عطا فرمائی۔ وہ فوراً بول اٹھے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ الصَّادِقُ شَهَادَةَ الصِّدْقِ الْعَارِفِ، فَأَظْهِرْ يَا ابْنَ أَخِي! دِينَكَ، فَوَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مَا أَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ وَ أَنِّي عَلٰى دِينِي الْأَوَّلِ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں، یہ ایسی گواہی ہے جو سچی ہے اور ایک صاحبِ معرفت کی گواہی ہے۔ بھتیجے! اپنے دین کا اظہار و اعلان کرتے رہیے۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے لیے وہ سب کچھ ہو جس پر آسمان سایہ فگن ہے اور میں اپنے پہلے ہی دین پر قائم رہوں۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان عظیم لوگوں میں سے تھے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی۔[1] ان کے اسلام قبول کرنے پر قریش کو شدید دھچکا لگا اور وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ اب رسول اللہ ﷺ کو قوت اور حمایت حاصل ہوگئی ہے۔ اب حمزہ رضی اللہ عنہ ضرور ان کی حفاظت کریں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیفیں دیتے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے ان میں کمی آگئی۔[2]

قبولِ اسلام پر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شان میں نہایت بلند پایہ اشعار کہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِينَ هَدٰى فُؤَادِي ... إِلَى الْإِسْلَامِ وَالدِّينِ الْحَنِيفِ

''جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اسلام اور دینِ حنیف کی طرف ہدایت عطا فرمائی تو میں نے اللہ کی حمد کی۔''

لِدِينٍ جَاءَ مِنْ رَّبٍّ عَزِيزٍ ... خَبِيرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيفِ

''مجھے اس دین کی توفیق عطا فرمائی جو ایسے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو غالب ہے، اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور ان پر بڑا مہربان ہے۔''

[1] السيرة لابن إسحاق: 213/1، دلائل النبوة للبيهقي: 214,213/2، المستدرك للحاكم: 193,192/3. [2] السيرة لابن هشام: 292/1.

إِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيفِ

''جب اس کے پیغامات ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو عقلمند انسان کے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔''

رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا بِآيَاتٍ مُبَيَّنَاتِ الْحُرُوفِ

''وہ پیغامات جو ہدایت ہیں، احمد ﷺ انھیں ایسی آیات کے ساتھ لے کر آئے ہیں جن کے حروف بڑے روشن ہیں۔''

وَأَحْمَدُ مُصْطَفًى فِينَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشُوهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيفِ

''اور ہم میں احمد مصطفیٰ ﷺ واجب الاطاعت ہیں، تم انھیں سخت بات کے ذریعے سے مخاطب نہ کرو۔''

فَلَا وَاللّٰهِ! نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ وَلَمَّا نَقْضِ فِيهِمْ بِالسُّيُوفِ

''اللہ کی قسم! ہم انھیں لوگوں کے حوالے نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے ابھی تک ان لوگوں کے بارے میں اپنی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''[1]

[1] السيرة لابن إسحاق :1/213.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے تین روز بعد قریش کی ایک اور نڈر، جرأت مند اور بہادر شخصیت اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز ہوئی۔ یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے [1] جو اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے اور مسلمانوں پر خوب ظلم وستم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بعثت نبوی کے چھٹے سال مسلمان ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

”اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما۔“

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 241/1. [2] الطبقات لابن سعد: 270,269/3.

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب تلواریں

راویِ حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر ﷠ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو دونوں میں سے عمر بن خطاب ﷜ زیادہ محبوب تھے۔[1] اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سیدنا عمر بن خطاب ﷜ کو اپنے دین کے لیے چن لیا۔

اسلام کی طرف میلان

سیدنا عمر بن خطاب ﷜ رفتہ رفتہ اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ پہلی مرتبہ جب انھوں نے اپنے قبیلے بنوعدی بن کعب کے بعض افراد کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ہجرت کے لیے نکلتے دیکھا تو وہ ان کے جانے پر غمزدہ ہوئے اور ان کا دل پسیج گیا۔

ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ ﷝، جو عامر بن ربیعہ ﷜ کی بیوی تھیں، وہ فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! ہم حبشہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ میرا خاوند کچھ ضرورتوں کے لیے باہر نکلا تھا، میں اکیلی تھی کہ اتنے میں عمر آ گئے۔ اس وقت وہ اپنے شرک پر قائم تھے۔ ہمیں ان کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''ام عبداللہ! کہاں جا رہی ہو؟''

میں نے کہا: ''ہاں، اللہ کی قسم! ہم اللہ کی زمین میں ضرور کہیں نہ کہیں جا نکلیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے مشکلات سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔'' یہ سن کر عمر ﷜ کہنے لگے:

صَحِبَكُمُ اللهُ. ''اللہ تمھاری نصرت و حفاظت فرمائے۔''

اُس وقت میں نے ان میں ایسی نرمی دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ چلے گئے، میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے نکلنے کی وجہ سے غمزدہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد میرے خاوند عامر بن ربیعہ ﷜ بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر آ گئے، میں نے ان سے کہا:

''ابوعبداللہ! کاش! آپ ابھی تھوڑی دیر پہلے آ جاتے تو عمر کو، ان کی نرمی کو اور ان کے ہم پر غمگین ہونے کو دیکھ لیتے۔''

یہ سن کر عامر ﷜ نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تمھیں توقع ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں۔''

وہ فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم! عمر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوں گے جب تک (ان کے والد) خطاب کا گدھا

[1] جامع الترمذي: 3681. یہ روایت متعدد صحابۂ کرام ﷡ سے کئی طرق سے مروی ہے۔

مسلمان نہ ہو جائے۔“

عامر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے کہی کہ انھیں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی قطعاً کوئی اُمید نہیں تھی کیونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام کے خلاف سختی اور سنگ دلی کے مظاہرے دیکھ چکے تھے۔[1]

زبانِ نبوت سے قرآن سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی حیرت

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیچھا کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حرم پہنچ گئے ہیں اور آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے، عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سورۃ الحاقۃ کی تلاوت شروع کر دی، عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید سننے لگے اور اس کے بے نظیر نظم و اسلوب پر تعجب کرنے لگے۔ انھوں نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا: ”اللہ کی قسم! یہ تو شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔“

اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ ﴾

”بلاشبہ یہ (قرآن) رسولِ کریم کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔“

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ بولے: ”(ارے یہ شاعر نہیں بلکہ یہ تو) کاہن ہیں۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِينَ ۝ ﴾ (الحآقة 69 :40-47)

”اور نہ (قرآن) کسی کاہن کا قول ہے، تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔ (یہ تو) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتا۔ تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی آخر تک تلاوت فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر بے حد متأثر ہوئے، وہ فرماتے ہیں:

فَوَقَعَ الْإِسْلَامُ فِي قَلْبِي كُلَّ مَوْقِعٍ.

[1] السيرة لابن إسحاق: 220/1، السيرة لابن هشام: 343/1، البداية والنهاية: 77/3.

''(یہ تلاوتِ کلام پاک سن کر) اسلام میرے دل میں پوری طرح جاگزیں ہوگیا۔''[1]

تاہم عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ اپنی پرانی روش پر بدستور قائم تھے۔

نبی ﷺ کے قتل کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی روانگی

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت سخت گرمی میں گلے میں تلوار لٹکا کر نکل پڑے۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جانا چاہتے تھے۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ صفا پہاڑی کے قریب ایک گھر میں جمع ہوئے ہیں۔ راستے میں عمر رضی اللہ عنہ کی نُعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن انھوں نے اپنی قوم کے ڈر سے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں اس صابی (محمد ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش کے معاملے کو جدا جدا کر دیا، ان کے عقلمندوں کو بیوقوف بنا دیا، ان کے دین کو عیب دار کر دیا اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطرناک ارادہ سن کر نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر! اللہ کی قسم! تمھارے نفس نے تمھیں اپنے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ محمد ﷺ کو قتل کرنے کے بعد بنوعبد مناف تمھیں زمین پر یونہی چلتا پھرتا چھوڑ دیں گے! تم واپس اپنے گھر والوں کے پاس کیوں نہیں جاتے اور ان کا معاملہ سیدھا کیوں نہیں کرتے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا: ''میرے کون سے گھر والے؟''

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! تمھارے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو اور تمھاری بہن فاطمہ بنت خطاب (رضی اللہ عنہما) دونوں مسلمان ہوگئے ہیں، انھوں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے، تم ان کی خبر لو۔''

نعیم رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھڑک اُٹھے۔ پھر وہ اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف چل دیے۔ ان دونوں کے پاس اس وقت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ انھیں قرآن مجید پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ بھی تھا جس میں سورۂ طٰہٰ تحریر تھی۔ خباب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو یہ سورت پڑھا رہے تھے۔ اچانک جب انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو خباب رضی اللہ عنہ فوراً گھر میں چھپ گئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیفہ چھپا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب پہنچ کر خباب رضی اللہ عنہ کی قراءت سن چکے تھے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے پوچھا: ''یہ دھیمی دھیمی سی آواز کیا تھی جو میں نے ابھی سنی ہے؟''

[1] مسند أحمد: 17/1، السلسلة الضعيفة: 74/14. یہ روایت ہیثمی نے بھی ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر شریح نے عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد: 56/9، حدیث: 14407)

انھوں نے کہا: ''تم نے کچھ نہیں سنا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! ضرور سنا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم دونوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔''

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر تشدد شروع کر دیا۔ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی مارا اور ان کا سر زخمی کر دیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کی پٹائی کر چکے تو وہ بولے:

''ہاں ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، اب آپ جو چاہیں کر لیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا بہتا ہوا خون دیکھا تو انھیں اپنے فعل پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ پیچھے ہٹ گئے، پھر انھوں نے اپنی بہن سے کہا: ''مجھے وہ صحیفہ دو جسے میں نے کچھ دیر پہلے تمھیں پڑھتے سنا ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ جب انھوں نے صحیفہ دیکھنے کا مطالبہ کیا تو ان کی بہن کہنے لگیں: ''ہم اس صحیفے کے بارے میں آپ سے ڈرتے ہیں (مبادا آپ اسے کوئی نقصان پہنچائیں)۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مت ڈرو، پھر یقین دہانی کے لیے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں پڑھنے کے بعد یہ صحیفہ تمھیں واپس دے دوں گا۔

یہ بات سن کر ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اسلام لانے کی امید پیدا ہوگئی، وہ کہنے لگیں: ''بھائی جان! تم شرک پر ہونے کی وجہ سے پلید ہو، اس صحیفے کو تو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، اٹھو اور غسل کرو۔''

عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور غسل کیا۔ بعد ازاں ان کی بہن نے انھیں وہ صحیفہ دے دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی اور اس آیتِ مبارکہ تک قراءت کی:

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ ۝ إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرْدَىٰ ۝﴾

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، چنانچہ تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس کو (اس

کی) کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ لہٰذا اس (فکرِ آخرت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے ورنہ تو (بھی) ہلاک ہو جائے گا۔" [1]

یہ آیات مقدسہ پڑھتے ہی عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

مَا أَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَ أَكْرَمَهُ!

"یہ کتنا اچھا اور کس قدر معزز کلام ہے!"

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ چھپے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ کلمات سنے تو فوراً باہر نکل آئے اور کہنے لگے: "عمر! اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ میں نے گزشتہ روز ہی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! أَيِّدِ الْإِسْلَامَ بِأَبِي الْحَكَمِ بْنِ هِشَامٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

"اے اللہ! اسلام کو ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے سے مضبوط فرما۔"

عمر! اب تم اللہ کے دین کی خاطر جلدی کرو۔"

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "خباب! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتا بتاؤ تاکہ میں ان کے پاس جاؤں اور اسلام قبول کر لوں۔"

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے قریب ایک گھر میں تشریف فرما ہیں، آپ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی ہے۔"

عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار گلے میں ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے، وہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً ملاقات کے آرزومند تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے ہیں اور آپ کو تلاش کر رہے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کے پاس پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سُن لی۔ ایک صحابی نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں، وہ صحابی گھبرا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور بولے: "اللہ کے رسول! عمر بن خطاب گلے میں تلوار لٹکا کر آئے ہیں۔"

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ڈر گئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا عمر کسی برے ارادے سے آئے ہوں۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "آپ انھیں اندر آنے کی اجازت

[1] طٰہٰ 20:14-16۔

دے دیجیے۔ اگر وہ بھلائی کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم بھی انھیں بھلائی عطا کریں گے اور اگر برے ارادے سے آئے ہیں تو ہم انھیں انھی کی تلوار سے قتل کر ڈالیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو۔''

عمر رضی اللہ عنہ کو باریابی کی اجازت دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان سے حجرے میں ملاقات کی۔ ان کا دامن پکڑ کر سختی سے کھینچا اور فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ؟ مَا أَرَاكَ مُنْتَهِيًا يَا عُمَرُ! حَتّٰى يُنْزِلَ اللّٰهُ بِكَ مِنَ الرِّجْزِ مَا أَنْزَلَ بِالْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ»

''خطاب کے بیٹے! تمھیں کون سی چیز یہاں لے آئی؟ عمر! میرا خیال ہے تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تم پر ویسا ہی عذاب نازل نہ کرے جیسا اس نے ولید بن مغیرہ پر نازل کیا تھا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ عُمَرَ» ''اے اللہ! عمر کو ہدایت عطا فرما۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! میں تو آپ کی خدمت میں اس لیے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں اور اس چیز پر بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہا۔ اس طرح گھر میں موجود تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوگیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بڑے زور سے اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہا۔ ان کی تکبیر کی گونج گھر سے باہر بھی سنائی دی۔[1]

مسلمان ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی

جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں درج ذیل دعا دیتے ہوئے اپنا دست مبارک تین بار

[1] السيرة لابن إسحاق: 1/220-223، السيرة لابن هشام: 1/343-346، فتح الباري: 7/61.

ان کے سینے پر مارا:

«اَللّٰهُمَّ! أَخْرِجْ مَا فِي صَدْرِهِ مِنْ غِلٍّ وَّ أَبْدِلْهُ إِيمَانًا»

''اے اللہ! اس کے سینے میں موجود کینہ نکال دے اور اسے ایمان سے بدل دے۔''

آپ ﷺ نے تین بار یہی دعا فرمائی۔[1]

علامہ ہیثمی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

ابوجہل کو عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہایت جرأت مند، نڈر اور دلیر تھے۔ جس رات انھوں نے اسلام قبول کیا، اسی شب وہ غور کرنے لگے کہ اہل مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ سخت دشمن کون ہے تاکہ وہ اُسے بتا دیں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ انھیں یاد آیا کہ ابوجہل رسول اللہ ﷺ کا سب سے سخت دشمن ہے۔ ابوجہل عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام بن مغیرہ کی چچا زاد بہن تھیں۔[3]

صبح ہوتے ہی عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے گھر گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل باہر نکلا اور انھیں دیکھ کر کہنے لگا:

''میرے بھانجے! خوش آمدید، کہو کیسے آئے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تجھے یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور جو وہ لائے ہیں، میں نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔''

ابوجہل نے یہ سن کر زور سے دروازہ بند کر دیا اور کہنے لگا: ''اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے، اس کا بھی برا کرے۔''[4]

عمر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ قریش میں سب سے زیادہ بات پھیلانے والا کون ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ کام جمیل بن معمر جمحی کرتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے کہنے لگے:

''جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کا لایا ہوا دین قبول کرلیا ہے۔''

جمیل بن معمر نے یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ فوراً اپنی چادر گھسیٹتا ہوا سیدھا مسجد الحرام کی طرف بھاگا۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ جمیل بن معمر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا اور نہایت بلند آواز

[1] المعجم الأوسط للطبراني:308/1، حديث:1096. [2] مجمع الزوائد:62/9، حديث:14417. [3] الاستيعاب، ص: 551. [4] السيرة لابن هشام:350/1.

سے چیخ کر بولا: ’’اے قریش کی جماعت! آگاہ ہو جاؤ، خطاب کا بیٹا عمر صابی ہو گیا ہے۔‘‘

قریش کے لوگ اس وقت کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جمیل بن معمر جب مذکورہ بات کہہ رہا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے کھڑے یہ اعلان کر رہے تھے: ’’اس نے جھوٹ بولا ہے، (میں صابی نہیں ہوا) بلکہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔‘‘

عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر کفار کا ردعمل

کفارِ قریش عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں مارنا شروع کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کو مارتے رہے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے، کفارِ قریش ان کے سر پر کھڑے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے: ’’جو چاہو کر لو، میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہوتے تو ہم تمھارے لیے مکہ کو چھوڑ جاتے یا تم ہمارے لیے اسے چھوڑ دیتے۔‘‘ [1]

عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ

کفارِ قریش کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نہایت دیدہ دلیری سے اپنے اسلام کا اعلان کرنا بہت گراں گزرا، اس لیے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جان سے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور باہم مل کر ان کے گھر پر ہلہ بول دیا۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو لوگ ان کے گھر کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے:
صَبَأَ عُمَرُ ’’عمر صابی ہو گئے ہیں۔‘‘

میں اس وقت بچہ تھا۔ اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ خوف کی حالت میں گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان کے پاس ابوعمرو عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ اس نے ایک دھاری دار یمنی چادر اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کُرتا زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ بنو سہم میں سے تھا اور یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔

عاص بن وائل نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ’’کیا بات ہے؟‘‘

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے تمھاری قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔

یہ سن کر عاص بن وائل نے کہا: ’’تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔‘‘

عمر رضی اللہ عنہ کو عاص بن وائل کی یہ بات سن کر اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص بن وائل باہر نکلا۔ وہ لوگوں سے ملا۔

[1] السيرة لابن إسحاق :224/1، السيرة لابن هشام :349,348/1.

لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ پوری وادی ان سے بھر گئی تھی۔ عاص نے لوگوں سے پوچھا: ''تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''ہم خطاب کے اس بیٹے کے پاس جانا چاہتے ہیں جو صابی ہوگیا ہے۔''

عاص بن وائل نے کہا: ''عمر صابی ہوگئے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ میں انھیں پناہ دیتا ہوں۔ (اب) ان کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں۔''

اس کی یہ بات سنتے ہی لوگ بکھر گئے اور واپس چلے گئے۔[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عاص بن وائل کی عزت اور شان و شوکت پر حیران ہوا کہ لوگ اس کے کہنے پر بلا چون و چرا واپس چلے گئے۔[2]

عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے مسلمانوں کی عزت افزائی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے اسلام اور مسلمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئے اور انھیں بہت عزت حاصل ہوگئی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَازِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ.

''جب سے عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، ہم باعزت رہے۔''[3]

دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرمائے جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس طرح کفر میں سخت تھے، اسی طرح اب اسلام میں بھی بہت سخت اور پختہ ہوگئے۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''اللہ کے رسول! ہم مرجائیں یا زندہ رہیں، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«بَلٰی ۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! ۔ إِنَّكُمْ لَعَلَى الْحَقِّ إِنْ مُّتُّمْ وَ إِنْ حَيِيتُمْ»

''کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بلاشبہ تم حق پر ہو، چاہے تم مرجاؤ یا زندہ رہو۔''

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پھر چھپنا کس لیے؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! آپ ضرور باہر نکلیں۔''

[1] صحيح البخاري: 3865,3864. [2] فتح الباري: 225/7. [3] صحيح البخاري: 3684.

وہ رسول اللہ ﷺ کو دوصفوں کے ساتھ لے کر باہر نکلے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری میں عمر رضی اللہ عنہ۔ ان کے قدموں کی رفتار سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، چلتے چلتے وہ مسجد الحرام میں داخل ہوگئے، کفارِ قریش نے عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو انھیں اس قدر حزن و ملال ہوا کہ اس سے پہلے انھیں ایسا صدمہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا، اس لیے کہ انھوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق قائم کر دیا تھا۔[1]

سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر اور غالب ہوگیا اور اسلام کی طرف علانیہ دعوت دی جانے لگی۔ ہم بیت اللہ کے اردگرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے، پھر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ جس نے ہم پر سختی کی، ہم نے بھی اس سے انتقام لیا اور اس کی بعض اذیت رسانیوں کا جواب دیا۔''[2]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام ایک فتح تھی، ان کی ہجرت مدد تھی اور ان کی امارت رحمت تھی۔ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو انھوں نے کفارِ قریش سے لڑائی کی حتی کہ انھوں نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔''[3]

---

[1] دلائل النبوۃ لأبي نعیم: 243,242/1. [2] الطبقات لابن سعد: 269/3. [3] المعجم الکبیر للطبراني: 165/9، السیرۃ لابن ھشام: 342/1، الطبقات لابن سعد: 270/3.

نجران کے عیسائیوں کا قبولِ اسلام

مہاجرین کے حبشہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے حبشہ اور اس کے گرد و نواح میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا خوب چرچا ہوا۔ یہ خبر نجران کے عیسائیوں کو بھی پہنچی۔ ان کا تقریباً بیس افراد پر مشتمل ایک وفد مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے، وہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور مختلف سوالات پوچھے۔ اس وقت کفارِ قریش کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نجران کے یہ عیسائی اپنی مرضی کے مطابق سب سوالات پوچھ چکے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اللہ عزوجل کی بندگی کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ تلاوتِ قرآن سن کر ان کی آنکھوں
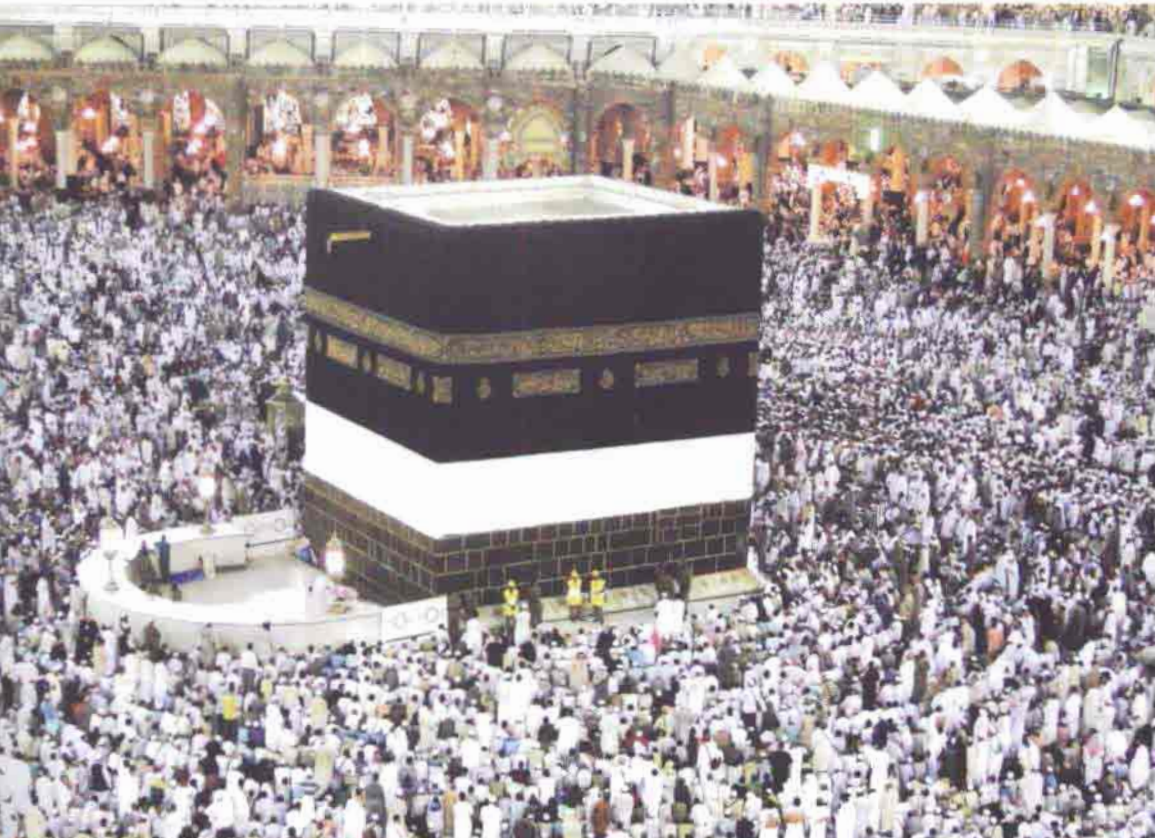
سے آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ وہ ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی، وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف ہماری آسمانی کتاب میں درج ہیں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو ابوجہل کفارِ قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر ان کے پاس آ گیا۔ انھوں نے نجران کے ان لوگوں سے کہا: ''اللہ تمھارے قافلے کو خائب و خاسر کرے، تمھیں تمھارے ہم مذہب لوگوں نے بھیجا ہے جو تمھارے پیچھے ہیں (وہ چاہتے ہیں) کہ تم ان کے لیے اس شخص (محمد ﷺ) کی خبر معلوم کرو، ہم ابھی ان کے پاس تمھارے بیٹھنے سے مطمئن بھی نہیں ہو پائے تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ان کی باتوں کی تصدیق کر دی۔ ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف قافلہ کبھی نہیں دیکھا۔''

نجران کے وفد نے کفارِ قریش کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''تم پر سلام ہو، ہم تمھارے ساتھ جہالت و نادانی سے پیش نہیں آتے، ہمارے لیے وہ ہے جس پر ہم ہیں اور تمھارے لیے وہ ہے جس پر تم ہو۔ ہم اپنی بھلائی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔'' [1]

[1] تفسیر القرطبي، القصص 28:52-55.

شہر نجران (سعودی عرب)

وہ لوگ کفارِ قریش کی باتوں میں نہیں آئے اور اسلام پر قائم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ ﴾ (القصص 28:52-55)

''وہ لوگ جنھیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ (قرآن مجید) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ یہ لوگ اپنا اجر دوبار دیے جائیں گے، اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے، اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں۔ تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔'' [1]
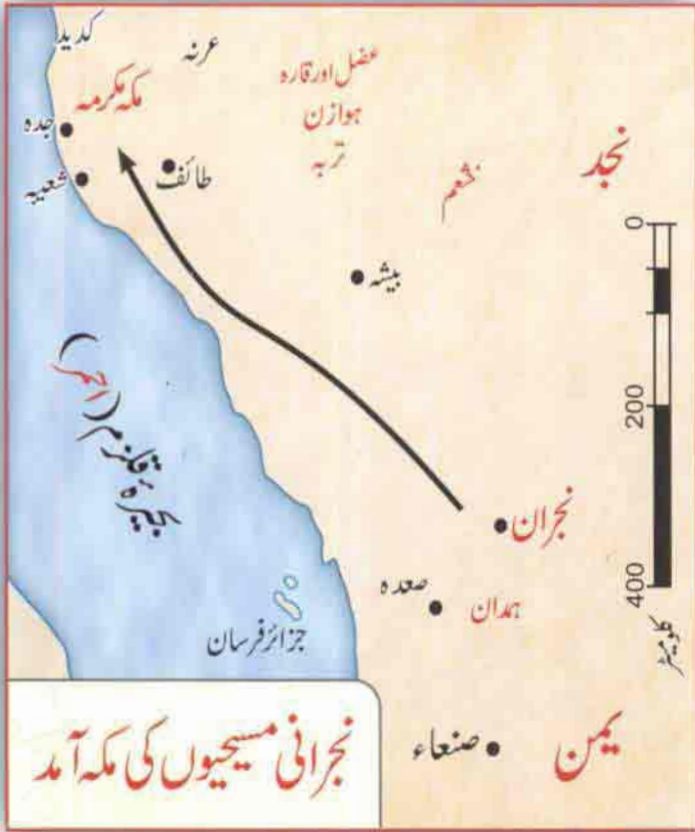
نجرانی مسیحیوں کی مکہ آمد

[1] السيرة لابن إسحاق: 252/1، دلائل النبوة للبيهقي: 307،306/2، السيرة لابن هشام: 392،391/2.

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ ان ستر (عیسائی) علماء کے بارے میں نازل ہوئیں جنھیں نجاشی نے بھیجا تھا، جب وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں سورۂ یٰسٓ پڑھ کر سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سورۂ مبارکہ ختم کی تو ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ وہ بہت روئے اور سب مسلمان ہوگئے۔[1]

[1] تفسیر ابن کثیر، القصص 28:52-55.

واقعۂ شقِ قمر

مشرکینِ مکہ اسلام کی دعوت کو روکنے اور اسے دبانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے۔ وہ جس قدر اسلام کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے، یہ اسی نسبت سے اور زیادہ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ کفارِ مکہ نے ایک ترکیب یہ سوچی کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی خرقِ عادت (انہونی) چیز اور انسان کی امکانی استعداد سے ماورا کوئی کمال دکھانے کا مطالبہ کیا جائے تاکہ آپ کو عاجز اور خاموش کر دیا جائے اور اس طرح لوگوں کو آپ ﷺ سے دور رکھا جائے، ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت پیدا کی جائے اور آپ کو جھٹلانے کا کوئی بہانہ ہاتھ آ جائے۔

اس مقصد کے لیے مشرکین مکہ اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں ان کے سرکردہ لوگ ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود اور نضر بن حارث کے علاوہ ان جیسے اور بھی بہت سے لوگ شامل تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں اس طرح چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں کہ آدھا چاند جبل ابی قبیس پر ہو اور آدھا چاند جبل قُعَیقِعَان پر دکھائی دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: «إِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوا؟»

''اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟''

ان سب نے کہا: ''ہاں۔''

وہ چودھویں کی رات تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دیے اور درخواست کی کہ آپ کو وہ چیز عطا فرمائی جائے جس کا مشرکین نے سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ درخواست قبول فرمائی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آدھا چاند جبل ابی قبیس پر رونما ہوا اور آدھا جبل قُعَیقِعَان پر چمکنے لگا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ یہ اعلان فرما رہے تھے:

«يَا أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الْأَسَدِ وَ الْأَرْقَمَ بْنَ أَبِي الْأَرْقَمِ! اِشْهَدُوا»

جبل ابی قُبیس اور جبل قُعیقعان
جن پر نبی ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے نظر آئے
شمال
عراق کا راستہ
مُحصّب
منیٰ، عرفات اور طائف کا راستہ
المعلاۃ
آبار
جعرانہ
مدینہ منورہ کا راستہ
جبل الاحمر
کداء
قبر خدیجہ ؓ
قبرستان
آبار
(کنوئیں)
جبل ہندی
شعب بنی عامر
جبل قُعیقعان
جبل ابی قبیس
الحجون
کُدیٰ
جدہ کا راستہ
شعب ابی طالب
مروہ
جرول
صفا
دار ارقم
جبل خندمہ
جبل عمر
اجیاد
اللیط
یمن کا راستہ
مسفلہ
بطحاء قریش
جبل ثور
اضاءۃ لبن
کُدیٰ

”اے ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم! تم سب گواہ ہو جاؤ۔“ [1]

نبی ﷺ نے اس معاملے پر لوگوں کو گواہ بنانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو بھی گواہ بنایا اور بارگاہِ ربانی میں عرض کی:

«اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ» ”اے اللہ! تو گواہ رہنا۔“ [2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مکہ والوں نے نبیِ کریم ﷺ سے معجزہ دکھانے کو کہا تو نبیِ کریم ﷺ نے انھیں چاند کے پھٹ جانے کا معجزہ دکھایا۔ [3]

کفارِ قریش کی ہٹ دھرمی

مشرکین مکہ نے جب اپنا یہ مطالبہ پورا ہوتے دیکھ لیا کہ چاند پھٹ گیا ہے اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ انھیں سان گمان بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ یہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ”ارے! یہ تو ابن ابی کبشہ کا جادو ہے۔ تم ذرا انتظار کرو اور دیکھو کہ مسافر لوگ کیا بتاتے ہیں۔ محمد (ﷺ) سب لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے۔ اگر مسافروں نے یہ خبر دی کہ انھوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے جیسے کہ تم نے دیکھا ہے تو پھر محمد (ﷺ) سچے ہیں۔“

اس کے بعد کفارِ قریش کے پاس جس جانب سے بھی کوئی مسافر آیا، اس نے یہی خبر دی کہ اس نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ [4]

اس دوٹوک گواہی کے باوجود بھی کفارِ قریش نہ مانے اور ایمان نہ لائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○﴾

(القمر 54:1,2)

”قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ موڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ) جادو تو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔“ [5]

ایک اور روایت میں کفارِ مکہ کے علاوہ یہود کے علماء کا بھی ذکر ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تھا جس پر انھیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیے گئے لیکن انھوں نے بھی یہی کہا کہ یہ تو بڑا

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 280,279/1. [2] صحيح مسلم: 2800. [3] صحيح البخاري: 4867. [4] دلائل النبوة لأبي نعيم: 281/1. [5] أسباب نزول القرآن للواحدي، ص: 419,418، رقم: 774، دلائل النبوة للبيهقي: 265/2.

پکا جادو ہے۔[1] ممکن ہے کہ علمائے یہود نے بھی یہ مطالبہ اسی وقت کیا ہو جب کفارِ قریش یہ مطالبہ کر رہے تھے۔

شق قمر کا یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی متواتر احادیث سے ثابت ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس واقعے کے راوی انس بن مالک، جبیر بن مطعم، حذیفہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔[2] یہ معجزہ ہجرتِ مدینہ سے تقریباً پانچ برس پہلے رونما ہوا۔[3] اس کے بارے میں صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ایسا معاملہ ایک مرتبہ رونما ہوا تھا۔[4] اور یہ اتنی دیر تک برقرار رہا جتنی عصر سے رات تک کی درمیانی مدت ہوتی ہے۔[5]

واقعۂ شق قمر پر اعتراضات اور ان کا جواب

اس واقعے پر منکرینِ معجزات کئی طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ پہلا اعتراض سورۂ قمر کی پہلی آیت کے معنی کی تاویل سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صیغہ ماضی کا معنی استقبال میں لیا جائے گا اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ''جب قیامت قریب آجائے گی اور چاند پھٹ جائے گا۔'' جیسا کہ ﴿ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ﴾ اور اس جیسی دوسری آیات کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تاویل اور دلیل اس لیے غلط ہے کہ جہاں قیامت کے حوادث کا ذکر آیا ہے، مثلاً: آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جھڑنے لگیں گے۔ زمین پر سخت زلزلے آئیں گے۔ پہاڑ اڑتے پھریں گے وغیرہ، وہاں ان باتوں کو کفار کی طرف سے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں، نہ قرآن میں ایسی آیات کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ کافروں کا چاند کے پھٹنے کو جادو کہنا اور اس پر کفار کی تکرار اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسّی معجزہ تھا جو وقوع پذیر ہو چکا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ فی الواقع ظہور میں آچکا ہے تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ دن کا نہیں رات کا ہے جب کہ اکثر لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر اس وقت آدھی دنیا میں تو سورج نکلا ہوا تھا جہاں یہ واقعہ نظر آنے کا سوال ہی نہ تھا اور باقی آدھی دنیا میں سے بھی صرف ان مقامات پر نظر آسکتا تھا جو منیٰ کے مشرق میں واقع تھے۔ پھر اس واقعے کا کوئی اعلان بھی نہیں ہوا تھا جیسے آج کل جنتریوں اور اخباروں سے معلوم ہو جاتا ہے یا رصد گاہوں کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے، اس لیے کوئی منتظر بھی نہ تھا کہ چاند پھٹے تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :280/1. [2] البداية والنهاية : 116/3. [3] فتح الباري : 771/6. [4] فتح الباري :231,230/7، البداية والنهاية :120/3. [5] دلائل النبوة لأبي نعيم :280/1.

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ چاند گرہن کئی گھنٹوں تک لگا رہتا ہے۔ لوگوں کو پہلے سے خبر بھی دی جا چکی ہوتی ہے، پھر بھی لوگوں کی اکثریت چاند گرہن سے غافل ہوتی ہے اور یہ انشقاق قمر تو صرف تھوڑی دیر کے لیے واقع ہوا تھا۔ اسے کون دیکھتا؟ اور آس پاس کے لوگوں نے شہادت دے ہی دی تھی۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ایسے اہم واقعے کا تاریخ میں بھی ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ سب سے زیادہ مستند تاریخ احادیث کی کتابوں ہی سے دستیاب ہوسکتی ہے اور ان میں یہ واقعہ موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ اس دور میں تاریخ نگاری کا ذوق اور فن اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ کسی مؤرخ کے پاس اتنی شہادتیں جمع ہوتیں اور وہ تاریخ کی کتاب میں اسے درج کر لیتا۔ تیسرا یہ کہ تاریخ بھی اس واقعے کے اندراج سے یکسر خالی نہیں۔ ہندوستان کی مشہور اور مستند ''تاریخ فرشتہ'' میں مذکور ہے کہ مالا بار کے مہاراجہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بالآخر یہ واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہیئت دانوں اور ماہرین علم نجوم نے بھی اس واقعے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاند پھٹنے سے اس کی رفتار میں فرق آتا یا وہ اپنا مدار بدل لیتا اور مدار سے ہٹ کر چلنے لگتا تو یہ باتیں اس قابل تھیں کہ ہیئت دان ان کا ذکر کرتے۔ لیکن جب ان میں سے کوئی چیز بھی واقع نہیں ہوئی تو پھر وہ کیا لکھیں؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ یہ واقعہ خرق عادت ہے اور منکرین کی طرف سے سب سے اہم یہی اعتراض ہے جو انھیں اس واقعے کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے اور وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک پیدا کرتے ہیں اور حقیقتاً ان کا یہ انکار اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا انکار ہے۔ بہرحال یہ بات بھی آج بعید از عقل نہیں رہی۔ ہر سیارے کے مرکز میں آتشیں مادے یا پگھلی اور کھولتی ہوئی دھاتیں موجود ہیں جن کا درجہ حرارت ہزار ہا سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ ان کے اندر موجود لاوا ان عظیم الجثہ کُرّوں کو کسی وقت بھی دولخت کر دیتا ہے، پھر ان کے مرکز کی مقناطیسی قوت، جسے آج کی زبان میں قوت ثقل کہتے ہیں، ان جدا شدہ ٹکڑوں کو ملا کر جوڑ بھی دیتی ہے۔ ایسا عمل فضائے بسیط میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ کہکشائیں اسی طرح وجود میں آئی ہیں۔ آج بھی یہ عمل بند نہیں ہوا بلکہ بدستور جاری ہے۔ علاوہ ازیں شہاب ثاقب بھی کسی سیارے کے اس طرح سے جدا ہونے والے ٹکڑے کا نام ہے جو کبھی علیحدہ ہو کر پھر جُڑ جاتا ہے، کبھی فضا ہی میں جل کر نابود ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار زمین پر بھی آ گرتا ہے۔ فضائے بسیط میں جو کچھ ہو رہا ہے، اگر انسان کو اس کا صحیح طور پر علم ہو جائے تو وہ انشقاق قمر کے اس واقعے پر کبھی تعجب نہ کرے۔ انسان کو کیا معلوم کہ اللہ کی قدرتوں کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور وہ کس قدر زبردست حکمتِ بالغہ سے اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔[1]

[1] تیسیر القرآن، تفہیم القرآن، القمر 1:54، معارف القرآن: 227/8۔

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

فارس اور روم اس وقت کی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ روم کے لوگ عیسائی تھے۔ اہلِ فارس مجوسی مشرک تھے۔ ان دونوں

شاہ فارس کوروش کبیر کا مقبرہ

رومی کولوسیم (روم، اٹلی)

کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فارسیوں کے غلبے کی خبر ملی تو ان پر یہ بات بہت گراں گزری۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ ہی میں تھے۔ آپ ﷺ کو پسند نہ تھا کہ فارس کے مجوسی جو اہلِ کتاب نہیں تھے، وہ روم کے اہلِ کتاب پر غالب آ جائیں۔ کفارِ مکہ کو فارس کی فتح پر بہت مسرت ہوئی، وہ مسلمانوں کی ناگواری پر بھی بہت خوش ہوئے، انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور کہا: ''تم اہلِ کتاب ہو اور عیسائی بھی اہلِ کتاب ہیں۔ ہم اہل کتاب نہیں ہیں۔ ہمارے فارسی بھائی تمھارے اہلِ کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اسی طرح جب تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۣ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:1-7)

دمشق کے پس منظر میں جبل قاسیون

''الم ۔ رومی مغلوب ہو گئے ۔ قریب ترین سرزمین (شام کے علاقے اذرعات) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے چند برسوں میں، اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے تو بالکل غافل ہیں۔'' [1]

ان آیات میں دو پیش گوئیاں تھیں۔ ایک رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی اور دوسری ان کے غلبے کے زمانے میں

[1] تفسير الطبري، الروم30:1-5، الدر المنثور، الروم30:1-6، تاريخ الطبري: 594/1.

قسطنطنیہ اور اس کی فصیل

مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری۔ ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کے وقت دور دور تک ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ ان دونوں پیش گوئیوں میں سے کوئی ایک محض چند سال ہی میں پوری ہوجائے گی۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو مکہ میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ دوسری طرف رومی عیسائیوں کی پسپائی اور مغلوبیت روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی۔ ایرانی فوجوں نے 613ء میں دمشق فتح کیا۔ پھر 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد ایک سال کے اندر اندر وہ اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے پر قابض ہوکر حدودِ مصر تک پہنچ گئے۔ ایشیائے کوچک (ترکی) میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی اور مسخر کرتی آبنائے باسفورس کے کنارے تک جا پہنچیں اور 617ء میں انھوں نے عین قسطنطنیہ (استنبول) کے سامنے خلقدون (قاضی کوئی) پر قبضہ کرلیا۔ قیصر روم ہرقل نے

بیت المقدس (یروشلم) کا وسیع منظر

آبنائے باسفورس اور قصر دولمہ باشی (استنبول)

شاہِ ایران خسرو پرویز سے صلح کی عاجزانہ درخواست کی جسے اس نے مسترد کر دیا۔ قیصر اس حد تک شکست خوردہ ہوگیا کہ اس نے قسطنطنیہ (استنبول) چھوڑ کر قرطاجنہ (تیونس) منتقل ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ 619ء تک پورا مصر ایران کے قبضے میں چلا گیا اور مجوسی فوجوں نے طرابلس (لیبیا) کے قریب پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔[1]

قریش سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شرط

جب سورت الروم کی آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے اور مکہ کے گرد ونواح میں بلند آواز سے یہ آیات تلاوت کرنے لگے:

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفہیم القرآن: 724/3-728.

قرطاجہ یا قرطاجنہ (تیونس) کے آثار

طرابلس (لیبیا) کا ساحل

روم اور فارس کی سلطنتیں
(2ھ / 624ء میں)
بازنطینی (رومی) سلطنت
رومی سلطنت کی حدود
بازنطینی سلطنت کی باجگزار غسانی عرب ریاست
ایرانی سلطنت (فارس)
ایران کی باجگزار عرب ریاستیں
بحر اوقیانوس
فرانس
براعظم یورپ
روس
ترکستان
سپین
براعظم افریقہ
صحرائے اعظم
لیبیا
چاڈ
سودان
حبشہ
صومالیہ
بحر ہند
بحیرۂ عرب
جزیرہ نمائے عرب
نجد
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
بدر
طائف
جدہ
حجاز
یمن
عمان
خلیج عمان
خلیج عدن
بحیرۂ روم
(البحر المتوسط)
بحیرۂ اسود
کوہ قاف
یونان
قسطنطنیہ
اناطولیہ
آرمینیا
قیصریہ
روم
اٹلی
سلطنت فارس
(ایران)
براعظم ایشیا
مدائن
اصفہان
ہرات
مرو
کابل
قندھار
بخارا
سمرقند
ترکمانستان
دمشق
غسانی ریاست
سلطنت حیرہ
مصر
قرطاجنہ
مراکش
الجزائر
افریقیہ
طرابلس
قبرص
کریٹ
مالٹا
سار ڈینیا
خرطوم

﴿ الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ﴾

قریش کے کچھ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''یہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے۔ تمھارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال ہے کہ چند برسوں میں رومی فارسیوں پر غلبہ پالیں گے۔ کیوں نہ ہم تم سے اس بات پر شرط لگالیں؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہیں!''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مشرکین نے شرط لگالی اور کچھ مال گروی رکھ لیا۔ مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ مغلوب رومی فارسیوں پر غالب نہیں آسکتے جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پورا یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوکر رہے گا، اس لیے کہ اس کی خبر خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ''﴿ بِضْعِ ﴾ تین سال سے لے کر نو سال تک کی مدت کا وقت ہوتا ہے، اب تم ہمارے اور اپنے مابین ایک ایسی موزوں مدت طے کرلو جو تمھارے نزدیک انتہائی مدت ہو۔''

انھوں نے آپس میں چھ سال کی مدت مقرر کرلی۔ پھر چھ سال گزر گئے لیکن رومی فارسیوں پر غالب نہ آئے۔ اس صورت حال میں مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گروی رکھا ہوا مال اپنے تصرف میں لے لیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کا ذکر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا جَعَلْتَهُ إِلٰى دُونِ» قَالَ: أُرَاهُ: «الْعَشْرِ»

''تم نے دس سے کم مدت (نو سال) مقرر کیوں نہ کی! (راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

طرابلس (لبنان) کی ایک خوبصورت مسجد

''دس'' کا عدد ہی فرمایا تھا۔)''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چھ سال کی مدت پر اتفاق نہیں کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ فرمایا تھا اور ﴿بِضْع﴾ تین سال سے لے کر نو سال تک ہوتا ہے۔ جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔ اس طرح قرآن مجید کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ اس پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

رومیوں کا یہ غلبہ بدر کے دن ہوا جب مسلمانوں کو مشرکین پر فتح حاصل ہوئی۔[2] چنانچہ مسلمان دو کافر قوموں کو بیک وقت شکست فاش ہونے پر بہت خوش ہوئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شرط لگانے کا درج بالا واقعہ شرط حرام قرار پانے سے پہلے کا ہے۔ اسلام نے ہر قسم کی شرط حرام قرار نہیں دی بلکہ صرف اس شرط کو حرام قرار دیا ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ جہاں تک جائز شرط کا تعلق ہے تو اسلام نے اس کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ امام دارقطنی اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»

''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کام کو حرام یا کسی حرام کام کو حلال کر دے۔''[3]

امام بخاری نے اس حدیث کا پہلا حصہ «اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ» صیغۂ جزم (قَالَ) کے ساتھ معلقاً ذکر کیا ہے۔[4]

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الشروط میں انیس ابواب قائم کر کے مختلف احادیث مبارکہ کی روشنی میں شرط کے احکام و مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کرنا چاہا تو اس کے مالکوں نے یہ شرط عائد کر دی کہ حق ولاء انھی کو حاصل رہے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: ''اسے خرید کر آزاد کر دو، حق ولاء اسی کو حاصل ہے جو آزاد کرے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر مزید ارشاد فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ

[1] جامع الترمذي: 3194,3193. [2] جامع الترمذي: 3192. [3] المستدرك للحاكم: 101/4، سنن الدار قطني: 27/3.
[4] صحيح البخاري، قبل حديث: 2274.
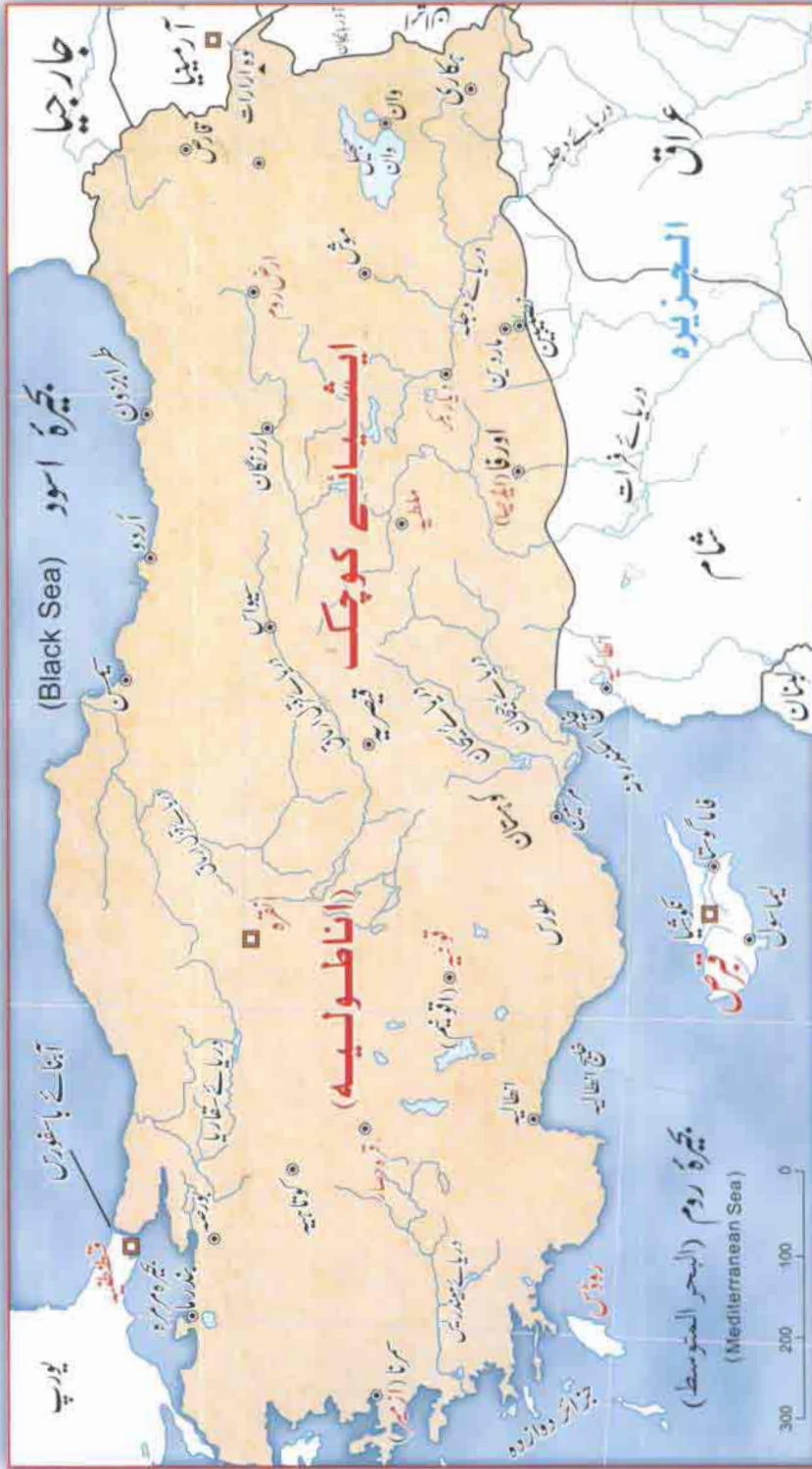
ایشیائے کوچک یا اناطولیہ (ترکی)
بحیرۂ اسود
(Black Sea)
بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
(Mediterranean Sea)
300
200
100
0
یورپ
جارجیا
آرمینیا
عراق
الجزیرہ
شام
لبنان
قبرص
ایشیائے کوچک
(اناطولیہ)
آبنائے باسفورس
قسطنطنیہ
بحیرہ مرمرہ
بندرما
بورصہ
دریائے سقاریا
دریائے قزل ارماق
انقرہ
کوتاہیہ
قرہ حصار
سمرنا (ازمیر)
دریائے مندریس
قونیہ
(اقونیم)
انطالیہ
خلیج انطالیہ
روڈس
طورس
کوہستان
مرسین
خلیج اسکندرونہ
انطاکیہ
دریائے سیحان
دریائے جیحان
قیصریہ
سیمسن
اردو
طرابزون
سیواس
دریائے قزل ارماق
ارزنگان
ارض روم
قارص
کوہ ارارات
موش
جھیل وان
وان
ہکاری
ملطیہ
دیار بکر
دریائے دجلہ
ماردین
نصیبین
اورفا (ایڈیسا)
دریائے فرات
نکوشیا
فاماگوستا
لیماسول

فَلَيْسَ لَهُ وَ إِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ»

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اسے اس کا کوئی حق حاصل نہیں، خواہ اس نے سو (100) شرطیں ہی کیوں نہ لگائی ہوں۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا صحیح بخاری میں چوبیس مقامات پر حوالہ دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام و مسائل کا استدلال کیا ہے۔ بہر حال ہر شرط حرام نہیں ہے۔ جو کتاب و سنت کے مطابق ہے، وہ حلال ہے اور جو کتاب و سنت کے منافی ہے، وہ حرام ہے۔ واللہ اعلم.

[1] صحيح البخاري: 2155.

باب 8

سیرت انسائیکلوپیڈیا

غم والم کے گھرے سائے

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان کا شعب ابی طالب میں
انتہائی سفاکانہ سماجی و معاشی بائیکاٹ، شفیق چچا ابوطالب
اور غم خوار اہلیہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا
کے سانحاتِ ارتحال

”اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔“

”(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔“

(الکوثر 108:1-3)

اس باب میں

نبی مکرم ﷺ پوری قوت اور پامردی سے لگاتار دعوتِ حق دے رہے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مشرکین نے آپ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ انھوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے سارے خاندان کو پورے تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا اور آپ کا ہر اعتبار سے مکمل بائیکاٹ کیا۔ یہ انتہائی اذیت ناک اور رُوح فرسا دن تھے جو رسول اللہ ﷺ نے کمال ضبط و صبر سے بسر فرمائے۔ اس واقعے کے علاوہ اس باب میں زبیدی اور ابوجہل کا معاملہ اور ابوجہل پر رسول اللہ ﷺ کی ہیبت کا تذکرہ بھی ہے۔ بعدازاں آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے چچا ابوطالب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت ملاحظہ فرمائیں گے۔ پھر ابوطالب کے انتقال پُر ملال، خدیجہ رضی اللہ عنہا کی الم انگیز رحلت اور کفار کی ایذا رسانیوں کا حال پڑھیں گے۔

پیہم رنج و ملال

راہِ حق کے مرحلے آشوب و آزمائش سے کبھی خالی نہیں رہے۔ اِس مقدس راستے میں جا بجا بڑے سخت مقام آتے ہیں۔ کبھی سچائی کا اظہار و اعلان کرنے والی زبان طوفان بدتمیزی سے بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی سودے بازی کی جاتی ہے۔ کبھی لالچ دیا جاتا ہے۔ کبھی جان لینے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر گزرنے والے جانکاہ مصائب و مکروہات صرف ایک یا دو دن کی بات نہیں تھی۔ آپ ﷺ پر شدائد و مصائب کے ریلے پورے 13 برس گزرتے رہے۔ ایک موقع ایسا بھی آجاتا ہے کہ حق کی صدائیں دبانے کے لیے علمبردارِ حق کا سماجی بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے۔ سچائی کے کانٹوں بھرے راستے کی یہ منزل سب سے زیادہ سخت اور صبر آزما ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے محترم خاندان کو اِس ہولناک آزمائش سے بھی گزرنا پڑا اور وہ پورے صبر اور وقار سے اِس مرحلے سے بخیر و خوبی گزر گئے۔ آیئے اس ظالمانہ سماجی بائیکاٹ کے واقعات کا جائزہ لیجیے اور اندازہ لگایئے کہ اعلانِ حق کی پاداش میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل خاندان کو کتنی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا مذموم منصوبہ

اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفارِ قریش کے تمام ہتھکنڈے یکے بعد دیگرے بری طرح ناکام ہو رہے تھے، اسلام کی روشنی ہر طرف پھیلتی جا رہی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مہاجرین حبشہ میں امن و امان سے رہ رہے تھے۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے انھیں کفارِ قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اور انھیں اپنے ملک میں رہنے کے لیے پروانۂ امن عطا کر دیا تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی یہ آئے دن ارتقائی صورتحال کفارِ قریش کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگئی۔

کفارِ قریش کی اسلام دشمنی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑے غضبناک تھے۔ انھوں نے باہم مل بیٹھ کر یہ گھناؤنا منصوبہ بنایا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ وہ ابوطالب کے پاس آئے اور انھیں فیصلہ کن انداز میں خبردار کیا کہ اگر تم نے اب بھی رسول اللہ ﷺ کو نہ روکا تو ہم انھیں

دھوکے سے قتل کر ڈالیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب ہم نے حجت تمام کر دی اور تمھارے لیے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔[1]

کفارِ قریش چاہتے تھے کہ یہ مذموم اور گھناؤنا کام قریش کے علاوہ کوئی اور آدمی کرے۔ انھوں نے اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنوہاشم سے رابطہ کیا اور انھیں یہ پیشکش کی: ''ہم سے دگنی چوگنی دیت لے لو۔ قریش کے علاوہ کوئی اور شخص ہونا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کو قتل کر کے ہمیں راحت پہنچائے اور تم بھی اپنے آپ کو راحت پہنچاؤ۔'' بنوہاشم نے ان کی یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں کسی قسم کی سودے بازی کے روادار نہ ہوئے اور بنومطلب نے بھی بنوہاشم کا ساتھ دیا۔[2]

بنوہاشم اور بنومطلب کو یکجا ہونے کا حکم

ابوطالب نے جب یہ دیکھا کہ کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تلے بیٹھے ہیں تو انھوں نے بنوہاشم اور بنومطلب کو جمع کیا اور ان سب کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھاٹی میں داخل کر لیں اور آپ ﷺ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھیں جو آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ابوطالب کی تاکید پر دونوں خاندانوں کے سارے مسلمان اور کافر افراد اس کام کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے جو کافر تھے، انھوں نے خاندانی حمیت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کی اور جو مسلمان تھے، انھوں نے ایمان و یقین سے سرشار ہو کر یہ فریضہ سرانجام دیا۔ بنوہاشم میں سے واحد شخص ابولہب تھا جو علیحدہ ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفارِ قریش کا ساتھ دیا۔

اسلام دشمنی پر ابولہب کا فخر

ابولہب کو رسول اللہ ﷺ اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑنے اور ان کی مخالفت کرنے پر کوئی ندامت یا افسوس نہیں تھا بلکہ وہ ایسا کر کے فخر محسوس کرتا تھا۔ اپنی قوم سے علیحدہ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اس کی ملاقات ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی تو اس نے پوچھا: اے عتبہ کی بیٹی! بتا کیا میں نے لات اور عزّٰی کی مدد نہیں کی؟ میں تو ان لوگوں سے علیحدہ ہو گیا جو ان دونوں سے الگ ہوئے اور جنھوں نے ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی۔ ہند نے کہا: اے ابوعتبہ! ہاں، اللہ تجھے جزائے خیر دے۔[3]

[1] أنساب الأشراف: 268/1. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 377/2. [3] السيرة لابن هشام: 351/1، أنساب الأشراف: 267,266/1.

شعب ابی طالب میں داخلہ

ابوطالب رسول اللہ ﷺ، بنو ہاشم اور بنومطلب کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں داخل ہوگئے۔ شعب دو پہاڑیوں کے درمیان کھلی جگہ (گھاٹی) کو کہتے ہیں۔ شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کی قیام گاہیں تھیں۔ اسے شعب بنی ہاشم اور شعب ابن یوسف بھی کہا جاتا ہے۔[1] آج کل اسے شعب علی کہتے ہیں۔ یہ بیت اللہ سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مشرق میں شارع غزّہ کے دائیں جانب واقع ہے۔[2] بنو ہاشم اور بنومطلب کے سب لوگوں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے، ہم کفار و مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے قریب نہیں پھٹکنے دیں گے۔

بنو ہاشم اور بنومطلب کا مکمل بائیکاٹ

جب کفارِ قریش کو معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنومطلب متحد ہو کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے ڈٹ گئے ہیں اور ان سب نے بلا امتیاز، چاہے وہ مسلمان ہیں یا کافر، رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کا عہد و پیمان کر لیا ہے تو وہ حیران رہ گئے، اس لیے کہ انھیں ایسے اقدام کی ہرگز توقع نہیں تھی، چنانچہ وہ سب خیف بنی کنانہ میں اکٹھے ہوئے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وادی حنین کی طرف چلنے کا ارادہ کیا تو فرمایا:

«مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ»

''ان شاء اللہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے جہاں انھوں (کفارِ قریش) نے کفر پر معاہدہ کیا تھا۔''[3]

ایک قول کے مطابق خیف بنی کنانہ وادی محصب کا دوسرا نام ہے۔ یہیں مسجد الخیف قائم ہے۔ یہیں حجاج کرام 8 ذوالحجہ کو پہنچ کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کر کے 9 ذوالحجہ کی صبح کو میدان عرفات کی طرف روانہ

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 382/2. [2] أطلس العالم، ص: 19. [3] صحيح البخاري: 3882.

مسجد الخیف (منیٰ)

میدان عرفات میں جبل رحمت پر حجاج کرام

ہوتے ہیں۔[1]

اب کفارِ قریش نے قتل کا منصوبہ ترک کر دیا اور ایک خوفناک سازش تیار کی جس کے تحت انھوں نے بنو ہاشم اور بنومطلب کا مکمل طور پر بائیکاٹ کر دیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنومطلب کے خلاف ایک دستاویز تیار کی جائے۔ اس میں ان کے خلاف یہ عہد و پیمان ہو کہ ان سے رشتہ لیں گے نہ انھیں رشتہ دیں گے، ان سے خرید و فروخت کریں گے نہ ان کے ساتھ بیٹھیں گے، ان کے گھروں میں جائیں گے نہ ان سے کوئی میل جول رکھیں گے، ان سے صلح کی پیشکش قبول کریں گے نہ ان پر ترس کھائیں گے۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

جب سب کفارِ قریش ان باتوں پر متفق ہو گئے تو انھوں نے ان باتوں کی ایک دستاویز لکھوائی، اس پر تین مہریں لگائیں، پھر آپس میں ان باتوں پر عمل کرنے کا عہد و پیمان کیا۔[2]

بائیکاٹ کی دستاویز کس نے لکھی؟

اس میں اختلاف ہے کہ یہ ظالمانہ پیمان کس نے لکھا تھا۔ محمد بن اسحاق اور ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ دستاویز منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھی۔[3] واقدی نے طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کو کاتب قرار دیا ہے۔[4] ابن ہشام نے لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ کاتب نضر بن حارث تھا۔[5] امام سہیلی کہتے ہیں کہ قریش میں سے جو افرادِ نسب بیان کرنے والے ہیں، انھوں نے اس کاتب کے بارے میں دو نام بتائے ہیں:

① بغیض بن عامر بن ہاشم۔ ② منصور بن عبد شرحبیل بن ہاشم۔

زبیر نے دستاویز لکھنے والے کے بارے میں ان کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ زبیری لوگ اپنی قوم (قریش) کا نسب زیادہ جانتے ہیں۔[6] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے قول کی تائید کرتے ہوئے منصور بن عکرمہ ہی کو مشہور کاتب قرار دیا ہے۔[7] ہشام بن محمد کلبی نے بغیض بن عامر بن ہاشم کو کاتب ٹھہرایا ہے۔[8] امام بلاذری اور امام ابن قیم نے بھی اسی بات کو زیادہ پختہ اور صحیح قرار دیا ہے۔[9] لہٰذا یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ دستاویز لکھنے والا شخص بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔[10]

[1] معجم البلدان، مادة: المحصب، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 273,272/1، دلائل النبوة للبيهقي: 312,311/2، الطبقات لابن سعد: 209,208/1، السيرة لابن هشام: 350/1. [3] السيرة لابن هشام: 350/1، الطبقات لابن سعد: 209/1. [4] البداية والنهاية: 84/3. [5] السيرة لابن هشام: 350/1. [6] الروض الأنف: 160/2. [7] البداية والنهاية: 84/3. [8] الجمهرة لابن الكلبي، ص: 66. [9] أنساب الأشراف: 412/9، سيرة خير العباد، ص: 40. [10] الجمهرة لابن الكلبي، ص: 66.
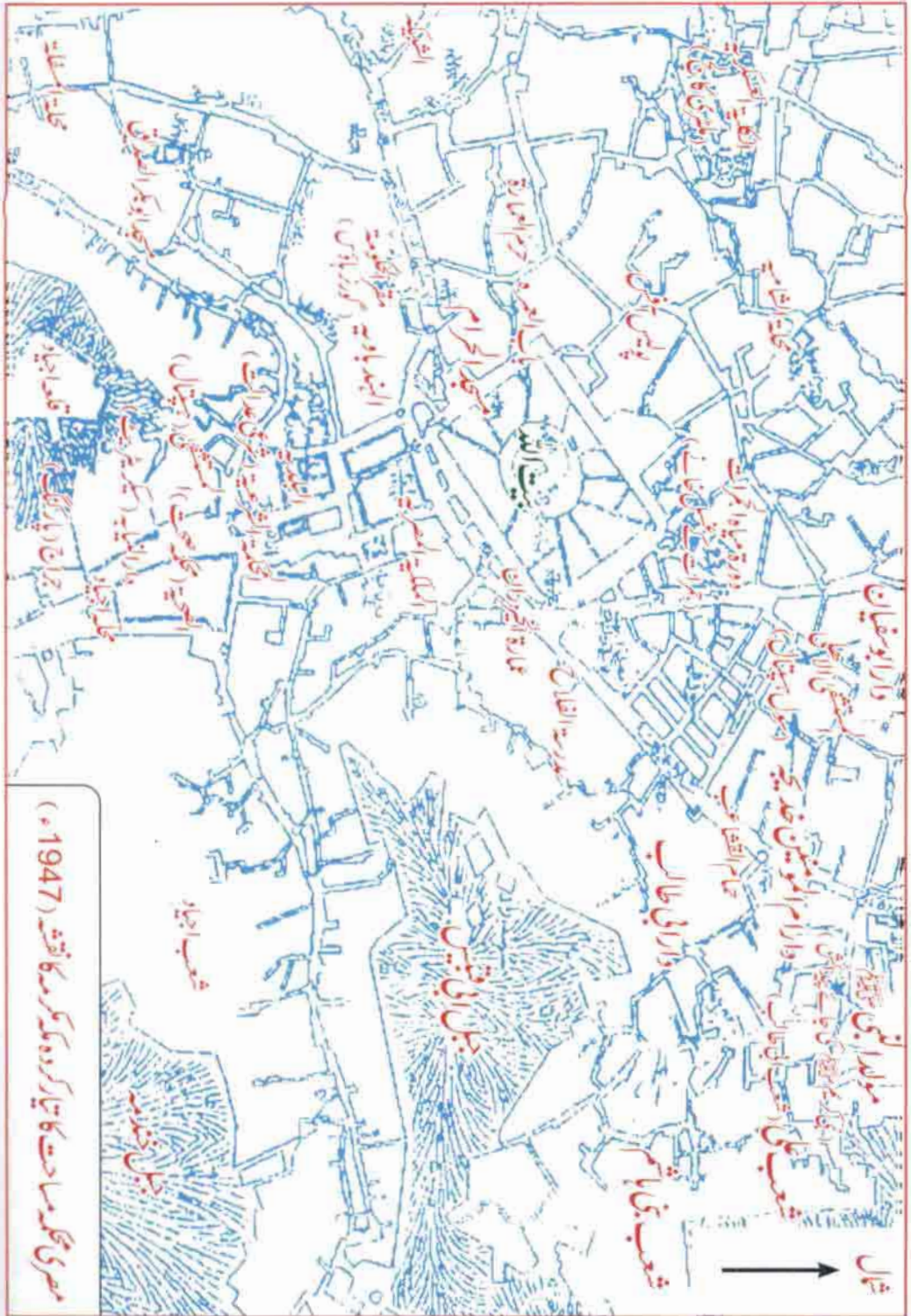
مصری محکمہ مساحت کا تیار کردہ مکہ مکرمہ کا نقشہ (1947ء)

بائیکاٹ کی دستاویز خانہ کعبہ میں

کفارِ قریش نے اپنے آپ کو اس عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے یہ ظالمانہ دستاویز کعبہ کے اندر لٹکا دی۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ دستاویز ابوجہل کی خالہ ام جُلاس بنت مُخَرِّبَہ حنظلیہ کے پاس رکھوائی گئی تھی۔ کفارِ قریش نے شعب ابی طالب میں بنو ہاشم اور بنومطلب کا محاصرہ کرلیا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال (617ء میں) محرم کے آغاز میں پیش آیا۔[1]

تین سال تک دردناک آزمائش

رسول اللہ ﷺ، ابوطالب، بنو ہاشم اور بنومطلب کے مسلمانوں اور کافروں سمیت تمام افراد تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔[2] انھوں نے یہ وقت سخت آزمائش اور زبردست مشقت و اذیت میں گزارا۔ وہ صرف حج کے موسم میں باہر نکلا کرتے تھے۔[3] ان کے لیے بازار یکسر بند کر دیے گئے۔ کھانے پینے کی چیزیں اور دیگر ضروری سامان باہر سے خرید و فروخت کے لیے مکہ آتا تھا اور جونہی آتا تھا، کفارِ قریش فوراً اس پر جھپٹ پڑتے تھے اور سارا سودا خود خرید کر لے جاتے تھے۔ اس طرح ان سفاکوں کا مقصد یہ تھا کہ محصورین کوئی چیز نہ خریدنے پائیں اور بھوکے ہی مرجائیں۔[4]

ولید بن مغیرہ نے کفارِ قریش کے درمیان یہ اعلان کرا دیا کہ محصورین میں سے تم جسے بھی کھانے پینے کی کوئی چیز خریدتے دیکھو تو فوراً قیمت بڑھا چڑھا کر خرید لو اور اسے وہ چیز لینے کا موقع ہی نہ دو۔ اگر تم میں سے کسی کے پاس وہ شے خریدنے کے لیے رقم نہ ہو تب بھی وہ چیز خرید لے، اس کی نقد قیمت میں ادا کر دوں گا۔[5]

ستم بالائے ستم یہ کہ جونہی باہر سے کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا اور محصورین میں سے کوئی اپنے بچوں کے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنے بازار آ جاتا تو ابولہب فوراً اس قافلے کے پاس جا پہنچتا اور تاجروں سے کہتا: ''اے تاجروں کی جماعت! محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کے لیے اپنے سامان کی قیمت اتنی بڑھا دو کہ وہ تم سے کچھ خرید ہی نہ سکیں۔ تمھیں میری تونگری اور وعدہ پورا کرنے کا بخوبی علم ہے، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھیں کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔''

ابولہب کے کہنے پر وہ تاجر اس قدر قیمت بڑھا دیتے تھے کہ محصورین کا کوئی شخص کچھ بھی نہ خرید پاتا اور خالی ہاتھ واپس چلا جاتا تھا۔ اس کے بچے بھوک کے مارے بلکتے تھے لیکن اس کے پاس انھیں کھلانے کی کوئی چیز نہیں

[1] الطبقات لابن سعد:209/1. [2] الطبقات لابن سعد:209/1، دلائل النبوة للبيهقي:312/2، أنساب الأشراف:270/1، فتح الباري:242/7. [3] الطبقات لابن سعد:209/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي:312/2، دلائل النبوة لأبي نعيم:273/1. [5] السيرة لابن إسحاق:201/1.

ہوتی تھی۔ بعد میں یہ تاجر ابولہب کے پاس جاتے۔ وہ انھیں بھاری منافع دے کر ان کا مال خرید لیتا تھا۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنے نکلے تو ابوجہل نے ان پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے زمعہ بن اسود کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم جو چیز خریدنا چاہتے ہیں، ابوجہل ہمیں وہ خریدنے ہی نہیں دیتا، تم اسے ڈانٹو۔ ان کے کہنے پر زمعہ بن اسود نے ابوجہل کو ڈانٹا تو وہ باز آ گیا۔[2]

شعب ابی طالب میں محصور لوگوں کو انتہائی سخت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کیکر اور دوسرے درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان کی رفعِ حاجت بکری کی مینگنیوں کی شکل میں ہوتی تھی۔[3]

بھوک سے بلکتے بچوں کی دلخراش صدائیں شعب ابی طالب سے باہر دور تک سنائی دیتی تھیں۔ کفارِ قریش میں سے بعض سنگدل یہ آوازیں سن کر خوش ہوتے تھے، تاہم بعض لوگوں پر یہ فریادیں گراں بھی گزرتی تھیں۔[4] کچھ محصورین اسی محاصرے کے دوران بھوک اور تکلیف کی وجہ سے فوت ہو گئے۔[5] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسی محاصرے کے دوران شعب ابی طالب ہی میں ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔[6]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ماجرا

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی شعب ابی طالب کے محصور لوگوں میں شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ مجھے بہت بھوک لگی۔ اس رات میرے پاؤں تلے کوئی چیز آ گئی، میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا اور نگل گیا۔ میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ وہ چیز کیا تھی۔''

اس کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''ایک رات میں پیشاب کرنے باہر گیا۔ میں نے اپنے پیشاب تلے کسی چیز کی آواز سنی۔ میں نے دیکھا تو وہ اونٹ کے چمڑے کا ایک خشک ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے اُٹھا لیا اور دھویا، پھر اسے آگ میں بھون کر پیس لیا، پھر اس سفوف کو پانی کے ساتھ پھانک لیا، میں نے تین دن تک اسی پر گزارا کیا۔[7]

ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کی فکر

ابوطالب کو برابر یہ خوف لاحق رہتا تھا مبادا کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت یا چھپ کر دھوکے سے

[1] الروض الأنف: 161/2. [2] أنساب الأشراف: 272،271/1. [3] الروض الأنف: 161/2. [4] الطبقات لابن سعد: 209/1.
[5] دلائل النبوة لأبي نعيم: 279/1، أنساب الأشراف: 270/1. [6] الإصابة: 122/4. [7] الروض الأنف: 161/2.

قتل کر دیں، چنانچہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو ابوطالب رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ آپ اپنے بستر پر چلے جائیں تاکہ جو بھی آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے، وہ دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں۔ جب کچھ رات گزرتی اور لوگ سو جاتے تو ابوطالب اپنے کسی بیٹے، بھائی یا بھتیجے کو حکم دیتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو جائے، پھر وہ آپ ﷺ کو دوسری جگہ کسی اور بستر پر سلا دیتے۔[1]

ابوطالب کا قصیدہ لامیہ

ابوطالب کا جو مشہور قصیدہ لامیہ ہے، ابن ہشام نے اس کا تذکرہ اپنی سیرت کی کتاب میں ابن اسحاق کے حوالے سے کیا ہے اور اسے شعب ابی طالب میں داخلے سے بہت پہلے لکھا ہے۔[2] لیکن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابوطالب نے شعب ابی طالب میں محصوری کے موقع پر قصیدہ لامیہ تیار کیا تھا۔[3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ابوطالب نے قصیدہ لامیہ شعب میں داخل ہونے کے بعد ہی کہا تھا۔ واللہ اعلم۔[4]

سردار ابوطالب کا یہ قصیدہ چورانوے (94) اشعار پر مشتمل ہے۔ مفتی بلاد ہرسک شیخ علی فہمی رحمہ اللہ نے ابوطالب کے اس قصیدے کی طلبة الطالب في شرح لامية أبي طالب کے نام سے بہترین شرح لکھی ہے جو 1327ھ میں مطبع روشن ہرسک کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔

اس قصیدے میں ابوطالب نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ کسی قیمت پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور انھیں کفارِ قریش کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوگوں کو حق کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب بھی دی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ بہت عظیم اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے۔ ابوطالب کے علاوہ کوئی اور ایسا قصیدہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کا درجہ معلقاتِ سبعہ سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے۔ ابلاغ اور ادائے معنی میں بھی یہ ان سب سے زیادہ بلیغ ہے۔''

اس قصیدے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نَتْرُكُ مَكَّةَ ... وَنَظْعَنُ إِلَّا أَمْرُكُمْ فِي بَلَابِلِ

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نُبْزَى مُحَمَّدًا ... وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ ... وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

---

[1] السيرة لابن إسحاق:202/1، دلائل النبوة للبيهقي:312/2. [2] السيرة لابن هشام:272/1-280. [3] سيرة خير العباد، ص:40. [4] البداية والنهاية:83/3.

”بیت اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ فرض کرو ہم چلے بھی گئے تو تم سخت پریشان ہو جاؤ گے۔ بیت اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے کہ محمد (ﷺ) ہم سے چھین لیے جائیں گے، ابھی تو ہم نے ان کے دفاع کے لیے تیروں اور نیزوں سے مقابلہ ہی نہیں کیا۔ یہ سفید جھوٹ ہے کہ ہم انھیں تمھارے حوالے کر دیں گے یہاں تک کہ ہم سب نثار ہو کر ان کے اردگرد قتل کر دیے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں کی بھی پروانہ کریں۔“

وَمَا تَرَكَ قَوْمٌ لَا أَبَا لَكَ! سَيِّدًا يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُّوَاكِلِ
وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِّلْأَرَامِلِ
يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِي رَحْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

”کسی قوم نے آپ (ﷺ) جیسے سردار کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا جو تحفظ کی چیزوں کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ بدزبان اور کمزور نہیں۔ وہ بدرجۂ غایت خوبصورت ہے۔ اس کے چہرے کی وساطت (دعا) سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا محافظ ہے۔ آلِ ہاشم کے فقراء و مساکین اس کی پناہ میں آتے ہیں تو وہ سب اس کے جود و کرم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔“

لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ لَدَيْنَا وَلَا يُعْنِي بِقَوْلِ الْأَبَاطِلِ

”یقیناً انھوں نے جان لیا ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں اور وہ کسی باطل قول کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔“

حَدِبْتُ بِنَفْسِي دُونَهٗ وَحَمَيْتُهٗ وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرَا وَالْكَلَاكِلِ

”میں نے اپنے آپ کو پیش پیش رکھ کر انھیں (محمد ﷺ کو) تکلیفوں سے بچایا ہے اور اونٹوں کے کوہانوں اور سینوں کے ساتھ (تمام تر قوتوں کی بازی لگا کر) ان کی حمایت اور حفاظت کی ہے۔“ [1]

مسلمانوں کو گندم پہنچانے پر ابوجہل کی مزاحمت

قریش میں سے کچھ لوگ محصورین کے ساتھ شعب ابی طالب میں صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے۔ وہ خفیہ طور پر انھیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچا دیتے تھے۔ انھی میں ایک فرد ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ

[1] البداية والنهاية :3/52-55

ایک مرتبہ اپنی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گندم پیش کرنے کے لیے شعب ابی طالب کی طرف جارہے تھے، ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی، انھیں راستے میں ابوجہل مل گیا، اس نے انھیں گندم لے جانے سے روکا اور کہنے لگا: تم یہ گندم بنوہاشم کے پاس لے جارہے ہو؟ اللہ کی قسم! تم اسے اُس وقت تک نہیں لے جاسکتے جب تک کہ میں تمھیں مکہ میں رسوا نہ کر دوں۔

اتنے میں وہاں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ابوالبختری بن ہاشم آ گیا، اس نے ابوجہل سے کہا: تجھے ان سے کیا سروکار؟ ابوجہل نے کہا: یہ بنوہاشم کے لیے گندم لے جارہے ہیں۔ ابوالبختری نے اس سے کہا: ان کی پھوپھی (ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا) نے ان کے پاس گندم رکھوائی تھی۔ تجھے کیا حق ہے کہ انھیں اپنی پھوپھی کے پاس وہ گندم لے جانے سے روکے۔ چل دُور ہو جا اور ان کا راستہ چھوڑ دے۔ ابوجہل نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس طرح بات بڑھ گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ اسی دوران ابوالبختری کو غصہ آیا، اس نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اُٹھا کر ابوجہل کو دے ماری اور اسے زخمی کر دیا، پھر اسے اپنے پاؤں تلے خوب روندا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی قریب کھڑے تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مشرکین کو اتنا بھی گوارا نہ تھا کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو کیونکہ انھیں یہ واقعہ جان کر خوشی ہوگی۔ [1]

ہشام بن عمرو کی طرف سے صلہ رحمی

ہشام بن عمرو بنوہاشم سے صلہ رحمی کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ان کے والد عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حُبیب بن نصر بن جذیمہ، نضلہ بن ہاشم بن عبدمناف کے اخیافی (ماں جائے) بھائی تھے۔ ہشام بن عمرو اپنی قوم میں بلند مرتبے والے تھے، وہ اونٹ پر کھانے پینے کی چیزیں لاد کر شعب ابی طالب کی طرف لے آتے تھے۔ جب شعب ابی طالب کے دہانے پر پہنچ جاتے تو اونٹ کے سر سے نکیل اتار دیتے، پھر اس کے پہلو پر ضرب لگاتے تو وہ فوراً شعب ابی طالب میں داخل ہو جاتا تھا۔ [2]

ایک رات ہشام بن عمرو کھانے پینے کی چیزوں سے لدے ہوئے تین اونٹ شعب ابی طالب لے گئے۔ کفارِ قریش کو اس کا علم ہوگیا۔ صبح کے وقت وہ سب ان کے پاس جا پہنچے اور ان سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے، انھوں نے کہا: میں آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا جس سے تمھاری مخالفت ہو۔

یہ سن کر وہ سب واپس چلے گئے۔ ہشام بن عمرو موقع پا کر دوبارہ سامانِ خوراک سے لدے ہوئے ایک دو اونٹ

[1] السيرة لابن إسحاق: 203,202/1، السيرة لابن هشام: 354,353/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 206/1، أنساب الأشراف: 271/1، السيرة لابن هشام: 374/1-377.

شعب ابی طالب لے گئے۔ اس پر کفارِ قریش ان سے بہت سختی سے پیش آئے اور انھیں مارنے کا ارادہ کیا لیکن ابوسفیان بن حرب نے کفارِ قریش سے کہا: انھیں چھوڑ دو، انھوں نے اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم بھی ایسا ہی سلوک کرتے جیسا انھوں نے کیا ہے تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔ قریش نے محصورین کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ دشمنی اس سے بہتر انداز میں بھی ہوسکتی ہے۔ ابوسفیان کی یہ بات سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ [1]

بنو ہاشم اور بنومطلب زبردست مصائب، تکلیفوں اور مشقتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو کفار کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے ہر مصیبت نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ کسی قسم کی کمزوری اور لچک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان پُر آشوب حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ پر دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ یہ اہم ترین فرض ادا کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی نہ رُکے۔ دن رات خفیہ اور علانیہ لوگوں کو برابر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ [2]

دیمک نے بائیکاٹ کی دستاویز چاٹ لی

بعد ازاں ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سماجی و اقتصادی بائیکاٹ کی اس ظالمانہ تحریر پر دیمک کو مسلط کر دیا۔ دیمک نے اس تحریر میں موجود ظلم اور قطع رحمی کی ساری باتوں کا صفایا کر دیا اور صرف بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ'' کے الفاظ باقی رہنے دیے۔ یہ عکرمہ اور بعض دیگر اہلِ علم کا قول ہے۔ [3] موسیٰ بن عقبہ نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ دیمک نے اللہ تعالیٰ کے نام کو چاٹ لیا اور ظلم و شرک اور قطع رحمی کی عبارتوں کو باقی رہنے دیا۔ [4] ابن اسحاق نے دونوں باتیں لکھ دی ہیں۔ [5] حلبی نے پہلی روایت کو زیادہ پختہ قرار دیا ہے۔ [6] بہرحال مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ظلم اور قطع رحمی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی بذریعۂ وحی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے ابوطالب کو دستاویز کی ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ ابوطالب کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ انھوں نے پوچھا: بھتیجے! تمھیں یہ بات کس نے بتائی ہے؟ یہاں ہمارے پاس تو کوئی آتا ہی نہیں۔ تم بھی کسی کے پاس نہیں جاتے اور میں تمھیں خوب جانتا ہوں، تم جھوٹی بات کہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 413/2، دلائل النبوة لإسماعيل الأصبهاني، ص: 198، الجزء المتمم للطبقات لابن سعد: 306/1. [2] السيرة لابن هشام: 354/1. [3] الطبقات لابن سعد: 209/1، 210، السيرة لابن هشام: 377،376/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 315/2. [5] السيرة لابن إسحاق: 203/1 و 208. [6] السيرة الحلبية: 34/2.

رسول اللہ ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«أَخْبَرَنِي رَبِّي هٰذَا»

''میرے پروردگار نے مجھے اس کی خبر دی ہے۔''

یہ سن کر ابوطالب نے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پروردگار حق ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ سچے ہیں۔''

ابوطالب نے قریش کو حقیقتِ حال بتلا دی

اس کے بعد ابوطالب نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ انھوں نے ان لوگوں کو اس ڈر سے یہ بات نہیں بتائی مبادا یہ خبر پھیل جائے اور مشرکین کو اس کا علم ہو جائے اور وہ اس تحریر کے بارے میں کوئی سازش کریں۔ ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر نکلے اور مسجد الحرام میں آ گئے۔ کفارِ قریش اس وقت کعبہ کے سائے تلے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ابوطالب کو آتے دیکھا تو ایک دوسرے کو ان کے آنے کی خوشخبری دی۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ محاصرے اور مصیبت سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ جب ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر کفارِ قریش کے پاس پہنچے تو انھوں نے ابوطالب کو خوش آمدید کہا اور کہنے لگے: ''تمھارے لیے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم ایسے شخص کے قتل پر راضی ہو جاؤ جس کے قتل میں تمھاری بہتری اور اتحاد ہے اور اس کے زندہ رہنے میں تمھارے لیے اختلاف اور بگاڑ ہے۔''

ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: ''میں تم سے ایک ایسے معاملے کے بارے میں بات چیت کرنے آیا ہوں جس سے امید ہے کہ اصلاح اور اتحاد ہو جائے گا، تم ہمارا یہ معاملہ قبول کر لو۔''[1] اس کے بعد ابوطالب نے انھیں تحریری دستاویز کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا اور کہا کہ مجھے یہ بات میرے بھتیجے (محمد ﷺ) نے بتائی ہے اور انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لہٰذا تم تحریر منگوا کر دیکھ لو۔ اگر وہ اُسی حالت میں ہو جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو پھر تم ہمارے بائیکاٹ سے باز آ جاؤ اور اس تحریر سے دستبردار ہو جاؤ اور اگر ایسا نہ ہو تو میں اپنے بھتیجے کو تمھارے حوالے کر دوں گا، پھر تمھاری مرضی کہ انھیں قتل کر دو یا زندہ چھوڑ دو۔ یہ بات سن کر کفارِ قریش نے کہا: ''آپ نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں۔''

انھوں نے آپس میں اس پر معاہدہ کیا، پھر تحریر منگوا کر دیکھی تو وہ ٹھیک اُسی طرح نکلی جیسے کہ صادق و مصدوق

[1] السيرة لابن إسحاق:1/203،204.

رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں خبر دی تھی۔ [1] کفارِ قریش اسے دیکھتے ہی اپنی بات سے پھر گئے، انھوں نے حسبِ عادت اسے ماننے سے انکار کر دیا اور اسے جادو قرار دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو تمھارے ساتھی (محمد ﷺ) کے جادو کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ پلٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر سختی کرنے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان پر عمل کرنے میں پہلے سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوطالب اور ان کے ساتھیوں نے کہا:

ہمارے علاوہ اور لوگ جھوٹ اور جادو کے زیادہ قریب ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم جو ہمارے بائیکاٹ پر اکٹھے ہوئے ہو تو تمھارا یہ اقدام منتر اور جادو کا نتیجہ ہے۔ اگر تم جادو پر اکٹھے نہ ہوتے تو تمھاری یہ تحریر تمھارے ہی ہاتھوں میں ہوتے ہوئے خراب نہ ہوتی۔ اب بولو ہم جادوگر ہیں یا تم؟

یہ سن کر کفارِ قریش بڑے شرمندہ ہوئے اور ان کے سر جھک گئے۔ [2] ابوطالب کہنے لگے: ''اب تم ہمیں کس وجہ سے محبوس اور محصور رکھو گے، اب تو معاملہ واضح ہو چکا!'' اس کے بعد ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان چلے گئے، وہاں انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! انْصُرْنَا مِمَّنْ ظَلَمَنَا وَ قَطَعَ أَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنَّا.

''اے اللہ! ان لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا، قطع رحمی کی اور ہمارے بارے میں اس (ظلم) کو حلال سمجھا جو ان پر حرام تھا۔''

پھر ابوطالب اپنے ساتھیوں کو لے کر شعب میں واپس آ گئے۔ [3]

ہشام بن عمرو کی اشرافِ قریش کو ترغیب

دوسری طرف قریش کے پانچ معزز لوگ اس ظالمانہ تحریر کو پھاڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، ان کے نام یہ ہیں:
1 ہشام بن عمرو بن ربیعہ۔ 2 زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ۔ 3 مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف۔ 4 ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث بن عبدالعزّٰی۔ 5 زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد۔

ان میں بنیادی کردار ہشام بن عمرو نے ادا کیا۔ انھی نے باقی اشرافِ قریش کو بھی دستاویز چاک کرنے پر اُکسایا۔ ہشام بن عمرو سب سے پہلے زہیر بن ابی امیہ کے پاس گئے۔ زہیر کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی تھی۔ ہشام بن عمرو نے زہیر سے کہا: ''زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور شادی

[1] الطبقات لابن سعد:210/1، السيرة لابن هشام:377/1. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم:275,274/1، دلائل النبوة للبيهقي: 314,313/2. [3] الطبقات لابن سعد:210/1.

کرو جبکہ تمھارے ماموں کس حالت میں کہاں پڑے ہوئے ہیں، وہ تمھیں معلوم ہے۔ ان کا مکمل بائیکاٹ ہو رہا ہے۔ نہ کوئی ان سے کچھ خریدتا ہے، نہ اُن کے ہاتھ کچھ بیچتا ہے۔ انھیں رشتہ دیا جاتا ہے نہ ان سے رشتہ لیا جاتا ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے ماموں ہوتے، پھر تم اسے ان سے قطع تعلق پر زور دیتے تو وہ کبھی تمھاری بات قبول نہ کرتا۔''

یہ سن کر زہیر نے کہا: اے ہشام! تم پر افسوس! بھلا میں کیا کروں؟ میں تو اکیلا آدمی ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا آدمی ہوتو میں اس دستاویز کو پھاڑنے کے لیے ابھی اٹھ کھڑا ہوں گا۔

ہشام نے کہا: ایک آدمی تو تمھیں مل گیا ہے۔

زہیر نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: میں ہوں۔

زہیر نے کہا: تیسرا آدمی بھی تلاش کرو۔

ہشام بن عمرو، مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے مطعم! کیا تم اس پر راضی ہو کہ بنوعبدمناف کی دو شاخیں ہلاک ہوجائیں جبکہ تم خود ان کی حالتِ زار دیکھ رہے ہو اور اس ظلم میں قریش کے ہمنوا بنے ہوئے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے قریش کو اس تباہ کاری کا موقع دیا تو تم انھیں اس تباہی کی طرف اپنے سے بھی زیادہ تیز پاؤ گے۔

مطعم بولا: تم پر افسوس! میں کیا کروں؟ میں تو اکیلا ہوں۔

ہشام نے کہا: تمھیں دوسرا آدمی مل گیا ہے۔

مطعم نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: میں ہوں۔

مطعم نے کہا: اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔

ہشام نے کہا: میں نے تیسرا آدمی بھی ڈھونڈ لیا ہے۔

مطعم نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ۔

مطعم نے کہا: اچھا! پھر چوتھا آدمی تلاش کرو۔

اب ہشام بن عمرو، ابوالبختری کے پاس گئے اور اس سے بھی وہی گفتگو کی جو مطعم سے کی تھی۔ انھوں نے اسے بنوہاشم اور بنومطلب کی قرابت اور ان کا حق یاد دلایا۔ ابوالبختری نے پوچھا: کیا کوئی ان کے معاملے کی تائید کرنے

والا بھی ہے؟

ہشام نے کہا: ہاں!

ابوالبختری نے پوچھا: کون ہے؟

ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔

اس پر ابوالبختری نے کہا: اب پانچواں آدمی تلاش کرو۔

اس کے بعد ہشام بن عمرو، زمعہ بن اسود کے پاس گئے۔ انھوں نے ان سے بات چیت کی اور محصورین کی قرابت اور ان کا حق یاد دلایا۔ زمعہ نے پوچھا: تم مجھے جس کام کا احساس دلا رہے ہو، کیا کوئی اور بھی اس پر متفق ہے؟

ہشام نے کہا: ہاں، پھر انھیں ان سب کے نام بتائے۔

دستاویز چاک کرنے کی مہم

ان پانچوں افراد نے طے کیا کہ رات کو مکہ کے بالائی حصے الحجون کے شروع میں اکٹھے ہوں گے۔ پروگرام کے

الحجون (مکہ مکرمہ)

مطابق وہ سب رات کو وہاں جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ ہم اس دستاویز کو چاک کر کے رہیں گے۔ زہیر بن ابی امیہ نے کہا: میں اس کام کی ابتدا کروں گا اور سب سے پہلے بات کروں گا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ زہیر بن ابی امیہ بھی عمدہ پوشاک میں ملبوس ہو کر بیت اللہ میں داخل ہوئے، انھوں نے کعبہ کے سات چکر لگائے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے مکہ کے باسیو! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں جبکہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہلاک ہوتے رہیں۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے، انھیں رشتہ دیا جائے نہ ان سے رشتہ لیا جائے۔ اللہ کی قسم! یہ بہت بڑا ظلم ہے جب تک یہ ظالمانہ قرابت شکن تحریر پھاڑی نہیں جائے گی، اس وقت تک میں کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا اور نہ آرام سے بیٹھوں گا۔ اس وقت ابوجہل بھی مسجد الحرام میں موجود تھا، وہ کہنے لگا: تم نے جھوٹ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ دستاویز چاک نہیں کی جائے گی۔

اس پر زمعہ بن اسود نے زہیر کی تائید کرتے ہوئے ابوجہل کو جواب دیا: اللہ کی قسم! تو سب سے بڑا جھوٹا ہے، جب یہ دستاویز لکھی گئی تھی، اس وقت بھی ہم اس پر راضی نہیں تھے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ادھر ابوالبختری بھی بول پڑا: زمعہ نے سچ کہا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہم اس پر راضی نہیں، نہ ہم اسے مانتے ہیں۔

اس کے بعد مطعم بن عدی نے کہا: تم دونوں نے سچ کہا۔ جو شخص اس کے علاوہ کوئی بات کہتا ہے، وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے، اس سے اللہ کے حضور بری ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔ یہ صورتحال دیکھ کر ابوجہل کہنے لگا: یہ تو سوچا سمجھا معاملہ لگتا ہے اور گزشتہ رات ہی کو طے کیا گیا ہے اور اس بارے میں مشورہ اس جگہ کے علاوہ کسی اور مقام پر کیا گیا ہے۔

اس وقت ابوطالب بھی مسجد الحرام ہی کے ایک کونے میں موجود تھے، وہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مطعم بن عدی دستاویز چاک کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے دیکھا کہ دیمک نے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ چھوڑ کر باقی ساری دستاویز ہڑپ کر لی ہے۔[1]

ابن سعد نے اس ظلم اور بائیکاٹ کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں عدی بن قیس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ یہ لوگ مسلح ہو کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور انھیں کہا کہ تم اپنے گھروں میں

[1] السيرة لابن إسحاق: 1/206-208، السيرة لابن هشام: 1/374-376.

واپس آ جاؤ، چنانچہ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ کفارِ قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ شرمندہ ہوگئے اور سمجھ گئے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ محاصرہ اور بائیکاٹ بعثت کے دسویں سال ختم ہوا۔[1] ابوطالب نے اس موقع پر قصیدہ دالیہ کے اشعار کہے جن میں انھوں نے ان لوگوں کی مدح کی جنھوں نے اس ظالمانہ دستاویز کو چاک کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔[2] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اشعار میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے۔

اراشی اور ابوجہل کا قصہ

اراش یا اراشہ کا ایک شخص اپنے اونٹ لے کر مکہ آیا۔ اراش کی نسبت علاقے اور خاندان دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ یہ علاقہ شام میں ہے اور خاندان عمالیق کی طرف منسوب ہے،عربوں میں اس نسب کے حامل بہت سے لوگ ہیں۔[3] ابوجہل نے اراشی سے اونٹ خرید لیے لیکن ان کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی قریش کی ایک مجلس میں آیا، رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد الحرام ہی میں تشریف فرما تھے، اراشی نے کہا: اے قریش کی جماعت! تم میں سے کون ہے جو ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) سے میرا حق لینے میں میری مدد کرے؟ میں ایک پردیسی ہوں، مسافر ہوں۔ ابوالحکم نے میرا حق مار لیا ہے۔

اس مجلس میں موجود قریش کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کر دیا اور اراشی سے کہا: کیا تو اس بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ رہا ہے؟ جا اس کے پاس چلا جا، وہ تیری مدد کرے گا اور تجھے تیرا حق لے دے گا۔

کفارِ قریش نے اُس غریب پردیسی کو ٹھٹھا مذاق کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا، حالانکہ ابوجہل کو رسول اللہ ﷺ سے جو عداوت تھی، وہ اسے خوب جانتے تھے۔ بے چارا اراشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے بندے! ابوالحکم بن ہشام نے میرا حق مار لیا ہے۔ میں ایک پردیسی ہوں۔ مسافر ہوں۔ میں نے قریش کے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارا اور اپنا حق لے کر دینے کو کہا تو انھوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ اب آپ مجھے اس سے میرا حق لے کر دیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے!

رسول اللہ ﷺ کا ابوجہل کے گھر جانا

رسول اللہ ﷺ تو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی کسی کا حق مار لیتا تو اس سے صاحبِ حق کو اس کا حق

[1] الطبقات لابن سعد: 210/1، أنساب الأشراف: 273/1. [2] السیرة لابن هشام: 377/1-380. [3] معجم البلدان، مادة: أراش و عجب، تاج العروس، مادة: أراش.

لے کر دیتے تھے۔ جب اس اراشی نے آپ ﷺ سے کہا کہ چلیے ابوجہل سے میرا حق دلوایئے تو رسول اللہ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ ابوجہل کی طرف تشریف لے گئے۔ کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ آپ اس اراشی کا حق دلانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے فوراً اپنے میں سے ایک شخص سے کہا: اٹھو! محمد (ﷺ) کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی، ابوجہل گھر میں موجود تھا، اس نے پوچھا: ''کون ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ ہوں، باہر آؤ۔''

ابوجہل پر دہشت طاری ہو گئی

ابوجہل فوراً دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ دہشت کے مارے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے بغض و عداوت رکھنے کے باوجود جب بھی آپ کو دیکھتا تھا، مرعوب ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«أَعْطِ هٰذَا الرَّجُلَ حَقَّهُ» ''اس شخص کو اس کا حق دو۔''

ابوجہل کہنے لگا: اچھا، آپ یہیں ٹھہریے، میں ابھی اس کا حق لا کر دیتا ہوں۔ ابوجہل فوراً اندر گیا اور اونٹوں کی رقم لا کر اراشی کے حوالے کر دی، پھر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اراشی کو رخصت کیا اور فرمایا:

«اِلْحَقْ بِشَأْنِكَ» ''اب جا کر اپنا کام کرو۔''

وہ اراشی قریش کی اسی مجلس کی طرف واپس آیا جس سے اس نے فریاد کی تھی۔ اس نے وہاں کھڑے ہو کر کہا: اللہ انھیں (محمد ﷺ کو) جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھے بڑی آسانی سے میرا حق لے دیا ہے۔ یہ کہہ کر اراشی چلا گیا۔ اتنے میں وہ شخص بھی واپس آ گیا جسے کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنے بھیجا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس! تو نے کیا دیکھا؟

اس شخص نے کہا: میں نے بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) نے ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔ محمد (ﷺ) نے اس سے کہا کہ اس شخص کو اس کا حق ادا کرو۔ وہ کہنے لگا کہ آپ یہیں ٹھہریے، میں ابھی لا کر دیتا ہوں۔ پھر وہ اندر گیا اور رقم لا کر اس کے حوالے کر دی۔

ادھر ابوجہل بھی وہاں پہنچ گیا۔ کفارِ قریش نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس! تجھے کیا ہوگیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے تو تجھے کبھی اس طرح کرتے نہیں دیکھا۔ ہم نے تو اس شخص کو محمد (ﷺ) کے پاس بغرضِ مذاق بھیجا تھا۔

ابوجہل کہنے لگا: تم پر افسوس! مجھے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! جب انھوں (محمد ﷺ) نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے ان کی آواز سنی تو میں شدید مرعوب ہوگیا، پھر میں باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر ایک طاقتور اونٹ تھا۔ میں نے اس جیسی کھوپڑی، موٹی گردن اور کچلیاں کبھی کسی اونٹ کی نہیں دیکھیں۔ اس نے اپنا جبڑا کھول رکھا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے چبا لیتا، اس لیے میں نے اس شخص کو اس کا حق دے دیا۔

یہ سن کر کفارِ قریش نے حسبِ عادت کہا: ''یہ تو بس ان کے جادو ہی کا کچھ حصہ ہے۔''[1]

زبیدی اور ابوجہل کا واقعہ

ابوجہل نے اراشی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اسی طرح کا معاملہ اس نے بنوزبید کے ایک شخص کے ساتھ بھی کیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ بنوزبید کا ایک شخص وہاں آیا اور اس نے کہا: اے قریش کی جماعت! بھلا تمھارے پاس مال کیسے آئے گا؟ تجارتی قافلے تمھاری طرف کیسے آئیں گے؟ کوئی تاجر تمھارے پاس کیسے مقیم ہوگا جبکہ تم اس پر ظلم کرتے ہو جو تمھارے پاس حرم میں آجاتا ہے۔

وہ شخص باری باری مسجد الحرام میں موجود تمام حلقوں میں کھڑے ہو کر یہی بات کہہ رہا تھا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«مَنْ ظَلَمَكَ؟» ''تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

اس پر اس شخص نے اپنی ساری روداد رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دی اور کہا: ''مجھ پر ابوالحکم (ابوجہل) نے ظلم کیا ہے۔ میں اپنے تین بہترین اونٹ لے کر آیا۔ ابوجہل نے مجھ سے وہ اونٹ اصل قیمت کے تیسرے حصے کے عوض خریدنے چاہے۔ میں نے اپنے اونٹ گھاٹے میں بیچنے سے انکار کر دیا۔ اب اس کی ناراضی کے ڈر سے کوئی مجھ سے اونٹ نہیں خرید رہا۔ اس نے میرے اونٹوں کو ناقابلِ فروخت بنا دیا ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «وَأَيْنَ أَجْمَالُكَ؟» ''تیرے اونٹ کہاں ہیں؟''

اس نے بتایا کہ وہ حزورہ میں ہیں۔ یہ مکہ کے بازاروں میں سے ایک بازار تھا۔[2] رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] السيرة لابن هشام:1/390,389، أنساب الأشراف:1/146,145، دلائل النبوة للبيهقي:2/194,193. [2] معجم البلدان، مادة: حزورة.

کے ساتھ ان اونٹوں کی طرف گئے۔ آپ نے انھیں دیکھا تو وہ واقعی بڑے اچھے اور حسین و جمیل اونٹ تھے۔ آپ نے اس شخص سے ان اونٹوں کا اس کی منہ مانگی قیمت پر سودا کر لیا۔ پھر آپ نے وہ اونٹ لے کر ان میں سے دو اونٹوں کو اس قیمت پر فروخت کر دیا جتنی قیمت اس زبیدی نے تینوں اونٹوں کی مانگی تھی۔ آپ نے اسے وہ قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تیسرا اونٹ بھی بیچ ڈالا اور اس کی رقم بنو عبدالمطلب کی بیواؤں کو دے دی۔

رسول اللہ ﷺ کا ابوجہل کو ڈانٹنا

اس وقت ابوجہل بازار کی ایک جانب چپ چاپ بیٹھا تھا، وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ڈانٹتے ہوئے خبردار فرمایا:

«يَا عَمْرُو! إِيَّاكَ أَنْ تَعُودَ لِمِثْلِ مَا صَنَعْتَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ فَتَرٰى مِنِّي مَاتَكْرَهُ»

''اے عمرو! دوبارہ اس طرح نہ کرنا جس طرح تم نے اس دیہی شخص کے ساتھ کیا ہے ورنہ تم میری طرف سے وہ کچھ دیکھو گے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔''

ابوجہل آپ ﷺ کو دیکھ کر شدید مرعوب ہوگیا۔ اس میں ہمت ہی نہ رہی کہ وہ آپ کے سامنے کوئی بات کرے۔ جب آپ ﷺ نے اُسے انتباہ کیا تو وہ فوراً کہنے لگا: ''اے محمد! میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ اے محمد! میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔''

جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے گئے تو امیہ بن خلف اور وہ مشرکین جو اس وقت وہاں موجود تھے، ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم محمد (ﷺ) کے سامنے جھک گئے تھے، تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا ان کا رعب و دبدبہ تم پر طاری ہوگیا تھا؟

یہ بات سن کر ابوجہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔ ان کے رُوبرُو میری عاجزی اس وجہ سے تھی کہ میں نے ان کا جادو دیکھ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ آدمی ہیں جن کے پاس نیزے ہیں۔ انھوں نے وہ نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ اگر میں محمد (ﷺ) کی مخالفت کرتا تو وہ نیزے میرے بدن میں گھونپ دیتے۔ [1]

رکانہ کی رسول اللہ ﷺ سے کشتی

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف قریش کے بہت مضبوط اور طاقتور شخص تھے۔ ان کا نسب

[1] أنساب الأشراف: 147,146/1، سبل الهدٰى والرشاد: 420/2.

چوتھی پشت میں عبد مناف پر نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ ان کی ملاقات مکہ کی کسی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا رُكَانَةُ! أَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ وَتَقْبَلُ مَا أَدْعُوكَ إِلَيْهِ؟»

''اے رکانہ! تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے اور جس چیز کی طرف میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں، اسے قبول کیوں نہیں کرتے؟''

آپ ﷺ کی یہ بات سن کر رکانہ نے کہا: اگر میں یہ جان لیتا کہ آپ جو کہتے ہیں، وہ حق ہے تو میں آپ کی پیروی کر لیتا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَرَءَيْتَ إِنْ صَرَعْتُكَ، أَتَعْلَمُ أَنَّ مَا أَقُولُ حَقٌّ؟»

''بھلا بتاؤ اگر میں تمھیں پچھاڑ دوں تو کیا تم یقین کر لو گے کہ میں جو کہتا ہوں، وہ حق ہے؟''

رکانہ نے کہا: ''ہاں!'' ان کا خیال تھا کہ میں ایک مضبوط اور طاقتور پہلوان ہوں۔ بھلا محمد (ﷺ) میرا مقابلہ کیسے کر پائیں گے، آج تک تو مجھے کوئی پچھاڑ نہیں سکا! رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«فَقُمْ حَتّٰى أُصَارِعَكَ» ''اٹھو تا کہ میں تم سے کشتی لڑوں۔''

رکانہ کشتی کرنے کے لیے اٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں پکڑتے ہی زمین پر چت لٹا دیا۔ رکانہ اپنے آپ پر قابو ہی نہ رکھ سکے، انھوں نے ہارنے کے بعد پھر کہا: ''اے محمد! دوبارہ کشتی کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ کشتی کی اور انھیں پھر پچھاڑ دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رکانہ حیران ہو گئے، انھیں اپنے ہار جانے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے محمد! یہ بہت عجیب بات ہے کہ آپ نے مجھے پچھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُرِيكَهُ إِنِ اتَّقَيْتَ اللّٰهَ وَاتَّبَعْتَ أَمْرِي»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس سے بھی زیادہ عجیب چیز دکھاؤں بشرطیکہ تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔''

رکانہ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُو لَكَ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الَّتِي تَرٰى فَتَأْتِينِي»

''میں اس درخت کو جسے تم دیکھ رہے ہو، تمھاری خاطر بلاؤں گا تو وہ میرے پاس آ جائے گا۔''

رکانہ نے کہا: درخت کو بلائیے۔

رسول اللہ ﷺ نے درخت کو بلایا تو وہ آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے اس درخت سے فرمایا:

«اِرْجِعِي إِلَى مَكَانِكِ»

''اپنی جگہ واپس چلا جا۔''

وہ درخت فوراً اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد رکانہ بن عبد یزید اپنے قبیلے کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے بنو عبد مناف! اپنے صاحب (محمد ﷺ) کا روئے زمین کے جادوگروں سے مقابلہ کراؤ، اللہ کی قسم! میں نے ان سے بڑا جادوگر کبھی نہیں دیکھا، پھر رکانہ نے جو کچھ کیا اور دیکھا تھا، وہ سب کچھ انھیں بتایا۔ [1]

ایک اور روایت میں ہے کہ رکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار کشتی لڑی۔ آپ ﷺ نے تینوں بار انھیں پچھاڑ دیا اور ہر مرتبہ جیتنے پر سو بکریاں وصول کیں۔ تیسری بار جب آپ نے انھیں گرا دیا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! آپ سے پہلے کسی نے میری کمر زمین سے نہیں لگائی۔ میں آپ سے زیادہ کسی اور سے بیزار نہیں تھا مگر اب:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی بکریاں واپس کر دیں۔ [2]

اس کے برعکس ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ بعد میں مسلمان ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبر، ابن اثیر اور حافظ ابن حجر ؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ [3]

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

شعب ابی طالب سے نکلنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ابوطالب سخت بیمار ہو گئے۔ وہ خاصے بوڑھے ہو چکے تھے۔ جب کفارِ قریش کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عاصی (عاص) بن سعید اور امیہ بن خلف قریش کے لوگوں سے کہنے لگے: حمزہ اور عمر (رضی اللہ عنہما) مسلمان ہو چکے ہیں۔ محمد (ﷺ) کا دین سارے قبائل میں پھیل چکا ہے۔ ابوطالب دانش مند، معزز اور بزرگ شخص ہیں اور تمھارے ہی دین پر ہیں۔ وہ بیمار ہیں، آؤ ان کے ہاں چلو۔ ہم ان سے

[1] السيرة لابن هشام: 391,390/1. [2] البداية والنهاية: 102/3. [3] الاستيعاب، ص: 269، أسد الغابة: 200,199/2، الإصابة: 414,413/2.

مفاہمت کریں۔ وہ ہماری کچھ باتیں اپنے بھتیجے سے منوائیں اور کچھ ہم ان کی مان لیں۔ اگر تم نے عمر بن خطاب اور حمزہ بن عبدالمطلب سے رجوع کیا تو یہ بے فائدہ ہوگا کیونکہ وہ تو پہلے ہی تمھارے دین کی مخالفت کر چکے ہیں، پھر لازماً تمھارے اور تمھاری قوم (قریش) کے مابین جنگ ہوگی۔ اللہ کی قسم! ہمیں ڈر ہے کہ وہ لوگ ہم پر غالب آ جائیں گے۔

اس کے بعد قریش کے معزز ترین افراد اکٹھے ہو کر ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور دیگر اشرافِ قریش شامل تھے۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا: ہمارے نزدیک آپ کا جو مقام اور مرتبہ ہے، وہ آپ خوب جانتے ہیں۔ جو بیماری آپ کو لاحق ہو چکی ہے، اس سے بھی آپ بے خبر نہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں یہ آپ کے آخری ایام نہ ہوں۔ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو معاملہ چل رہا ہے، وہ آپ کو معلوم ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں اور ان کے بارے میں کچھ عہد و پیمان ہم سے لیں اور ہمارے بارے میں کچھ عہد و پیمان ان سے لے دیں تاکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے باز رہیں۔ وہ ہمیں اور ہمارے دین کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور ہم انھیں اور ان کے دین کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ ابوطالب کے پاس ایک شخص کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ابوجہل کو یہ خطرہ ہوا مبادا رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے قریب بیٹھ جائیں جس کی وجہ سے ابوطالب کا دل آپ ﷺ کے بارے میں نرم ہو جائے۔ یہ سوچ کر ابوجہل خود اس جگہ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب کے قریب کوئی جگہ نہ ملی تو آپ دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا: بھتیجے! یہ تمھاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ یہ تم سے مفاہمت کی بات کرنے آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ کچھ عہد و پیمان تمھیں دیں اور کچھ عہد و پیمان تم سے لیں۔ تم ان کی طرف پوری طرح مائل نہ ہونا۔

ابوطالب کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش سے فرمایا:

«قُولُوا أَسْمَعْ قَوْلَكُمْ» ”کہو، میں تمھاری بات سنوں گا۔“

کفارِ قریش میں سے ابوجہل نے بات شروع کی۔ اس نے کہا: آپ ہمارا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں، ہم پر اور ہمارے معبودوں پر الزام تراشی نہ کریں، ہم بھی آپ کو اور آپ کے پروردگار کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ان کا یہ مطالبہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ أَعْطَيْتُكُمْ مَا سَأَلْتُمْ، أَمُعْطِيَّ أَنْتُمْ كَلِمَةً وَّاحِدَةً لَّكُمْ فِيهَا خَيْرٌ، تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ»

"تم نے جو مطالبہ کیا ہے، اگر میں اسے مان لوں تو کیا تم ایک کلمہ مان لو گے؟ تمھارے لیے اس میں بھلائی ہے۔ اس کی وجہ سے تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم تمھاری فرماں برداری کریں گے۔"

ابوجہل نے ٹھٹھا مذاق کرتے ہوئے کہا: ہاں، تمھارے باپ کی قسم! ہم تو ایسے دس کلمے ماننے کو تیار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَقُولُونَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَتَخْلَعُونَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ»

"تم کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے علاوہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، ان سب کو چھوڑ دو۔"

یہ سن کر کفارِ قریش نے تالیاں بجائیں، پھر بولے: اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دو، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

اس کے بعد کفارِ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم جو کچھ چاہتے ہو، یہ صاحب اس میں سے کوئی بات نہیں مانیں گے، لہٰذا چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہو یہاں تک کہ اللہ تمھارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر وہ سب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾ (صٓ 38:1-7)

"صٓ۔ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی! بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا، وہ تکبر اور مخالفت میں (پڑے) ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں تو (عذاب آنے پر) انھوں نے (مدد کو) پکارا جبکہ وہ خلاصی کا وقت نہ تھا۔ اور انھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا: یہ تو ایک جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا؟ بے شک یہ تو یقیناً ایک بڑی عجیب چیز ہے۔ اور ان کے سردار (آوازِ حق سن کر یہ کہتے ہوئے) چل دیے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ بے شک یہ چیز ہے جو (خاص) ارادے سے پیش کی جا رہی ہے۔ ہم نے یہ بات پچھلے دین میں نہیں سنی۔ یہ تو بس گھڑی ہوئی بات ہے۔"

ابوطالب کو قبولِ اسلام کی دعوت

جب رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش کو حق کو جھٹلاتے دیکھا تو فرمایا:

«لَقَدْ دَعَوْتُ قَوْمِي إِلٰى أَمْرٍ، مَا اشْتَطَطْتُ فِي الْقَوْلِ»

''میں نے اپنی قوم کو ایک حقیقت کی طرف دعوت دی ہے، کوئی ظلم و زیادتی کی بات تو نہیں کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: ہاں، بھتیجے! اللہ کی قسم! تم نے کسی حد سے بڑھی ہوئی بات کا مطالبہ نہیں کیا۔

ابوطالب کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو اچھی لگی۔ آپ ﷺ کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لینے لگی کہ ابوطالب اسلام قبول کر لیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! بِكَ عَلَيَّ كَرَامَةٌ، وَيَدُكَ عِنْدِي حَسَنَةٌ، وَلَسْتُ أَجِدُ الْيَوْمَ مَا أُجْزِيكَ بِهِ، غَيْرَ أَنِّي أَسْأَلُكَ كَلِمَةً وَّاحِدَةً تَحِلُّ لِي بِهَا الشَّفَاعَةُ عِنْدَ رَبِّي أَنْ تَقُولَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، تُصِيبُ بِهَا الْكَرَامَةَ عِنْدَ الْمَمَاتِ، فَقَدْ حِيلَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الدُّنْيَا، وَ تَنَزَّلُ بِكَلِمَتِكَ هٰذِهِ الشَّرَفَ الْأَعْلٰى فِي الْآخِرَةِ»

''چچا جان! میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ آج میں آپ کا بدلہ اتارنے کے لیے کوئی چیز نہیں پاتا سوائے اس کے کہ میں آپ سے ایک کلمے کا مطالبہ کروں۔ اس کی وجہ سے میرے لیے اپنے رب کے حضور آپ کی سفارش کرنا حلال ہو جائے گا۔ بس آپ یہ اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کلمے کی وجہ سے موت کے وقت آپ کو عزت حاصل ہوگی۔ اب آپ کے اور دنیا کے درمیان موت حائل ہو رہی ہے۔ آپ اس کلمے کی وجہ سے آخرت میں بلند مرتبے پر فائز ہوں گے۔''

ابوطالب نے اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ خواہش دیکھی تو کہا: بھتیجے! اللہ کی قسم! اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد تمھیں اور بنوعبدالمطلب کو برا بھلا کہا جائے گا اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں تمھیں خوش کرنے کے لیے یہ کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ [1]

[1] السيرة لابن إسحاق: 267,266/1، السيرة لابن هشام: 419-417/2.

ابوطالب کی بنوعبدالمطلب کو ایک نصیحت

ابوطالب بیمار ہوئے تو انھوں نے بنوعبدالمطلب کو بلایا اور کہا: ''تم جب تک محمد (ﷺ) کی بات سنو گے اور ان کی پیروی کرو گے، بھلائی میں رہو گے، لہٰذا ان کی پیروی اور تصدیق کرو، تم ہدایت پا جاؤ گے۔'' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا:

«تَأْمُرُهُمْ بِالنَّصِيحَةِ وَ تَدَعُهَا لِنَفْسِكَ»

''آپ انھیں تو اس بات کی نصیحت فرما رہے ہیں مگر اپنے لیے اسے اختیار نہیں کر رہے۔''

نبیِ کریم ﷺ کی یہ بات سن کر سردار ابوطالب نے کہا: ہاں، اگر تم مجھ سے اس کلمے کا مطالبہ اس وقت کرتے جب میں تندرست تھا تو میں تمھاری بات (دعوتِ توحید) مان لیتا۔ اب موت کے وقت مجھے گھبراہٹ پسند نہیں۔ قریش کے لوگ سمجھیں گے کہ میں نے موت کے وقت تو یہ کلمہ قبول کر لیا اور جب تندرست تھا، اس وقت اسے چھوڑے رکھا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ (الأنعام26:6) ''اور وہ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود اس سے دور رہتے ہیں۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ دوسروں کو محمد ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے روکتے تھے لیکن جو چیز آپ ﷺ لائے تھے، خود اپنے آپ کو اس کی پیروی سے دور رکھتے تھے۔[2]

ابوطالب کی اشرافِ قریش کو وصیت

ابوطالب نے مرض الموت میں قریش کے سردار اور معزز لوگ جمع کیے اور انھیں انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں وصیت کی:

اے قریش کی جماعت! تم اللہ کی مخلوق میں سے اس کے منتخب و چنیدہ لوگ ہو۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ جان لو کہ تم نے عرب کی تمام فضیلتوں اور شرف و عزت کو حاصل کر لیا ہے۔ انھی کی وجہ سے تمھیں لوگوں پر برتری ملی ہے اور لوگ انھیں حاصل کرنے کے لیے تمھیں وسیلہ بناتے ہیں۔ تمام لوگ تمھارے دشمن ہیں اور تمھارے خلاف جنگ پر متحد ہیں۔ میں تمھیں کعبہ کی تعظیم کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ بلاشبہ اس میں رب کی رضامندی، معیشت کی اصلاح اور تمھاری ثابت قدمی ہے۔ صلہ رحمی کرو اور قطع رحمی سے باز رہو کیونکہ صلہ رحمی

[1] السيرة لابن إسحاق:268/1. [2] السيرة لابن إسحاق:269/1.

سے عمر میں اضافہ اور (رشتہ داروں کی) تعداد میں زیادتی ہوتی ہے۔ بغاوت، سرکشی اور قطع تعلقی چھوڑ دو۔ انھی وجوہ سے سابقہ قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ پکارنے والے کی پکار قبول کرو، مانگنے والے کو عطا کرو۔ بے شک اس میں زندگی اور موت کا شرف ہے۔ سچی بات کرو اور امانت ادا کرو۔ بلاشبہ اس سے خواص میں محبت اور عوام میں عزت پیدا ہوتی ہے۔

میں تمھیں محمد (ﷺ) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ قریش میں امین اور عرب میں سچے ہیں۔ میں تمھیں جن باتوں کی وصیت کر رہا ہوں، یہ سب خوبیاں ان میں موجود ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تو عرب کے فقیروں، اردگرد کے صحرائی باشندوں اور پسماندہ لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے اس کی دعوت قبول کرلی، اس کے کلمے کی تصدیق کی اور اس کے دین کی تعظیم کی، پھر وہ انھیں موت کے میدانوں میں لے گئے تو قریش کے سردار اور بہادر لوگ گھٹیا اور حقیر ہوگئے۔ ان کے گھر ویران ہوگئے۔ ان کے کمزور لوگ بادشاہ بن گئے۔ قریش میں سے جو ان (محمد ﷺ) کا زیادہ بڑا مخالف تھا، وہ اتنا ہی زیادہ ان کا محتاج ہوگیا اور جو ان سے زیادہ دور تھا، وہ ان کے نزدیک آکر زیادہ خوش نصیب ہوگیا۔ عرب کے لوگوں نے اپنی الفت و محبت کو ان کے لیے خالص کر دیا، اپنے دلوں کو ان کے بارے میں صاف کرلیا اور اپنی قیادت انھیں سونپ دی۔

اے قریش کی جماعت! اپنے خاندان کے آدمی (محمد ﷺ) کی پیروی کرو، ان کے مددگار ہو جاؤ۔ جنگ میں ان کے حمایتی بنو۔ اللہ کی قسم! تم میں سے جو بھی ان کی راہ اختیار کرے گا، وہ ہدایت یافتہ ہوجائے گا اور جو بھی ان کا طریقہ اختیار کرے گا، وہ سعادت مند بن جائے گا۔ اگر مجھے کچھ مدت مل جاتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوجاتی تو میں پُر آشوب حالات میں ان کے لیے کافی ہوجاتا اور مصیبتوں کو ان کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا۔[1]

ابوطالب کی رسول اللہ ﷺ کو وصیت

ابوطالب زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور حمایت کرتے رہے۔ انھوں نے قریش کی مخالفت اور عداوت مول لے لی لیکن رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ مسلسل آپ ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ اپنی موت کے وقت بھی انھیں آپ ﷺ کی حفاظت کی فکر لاحق تھی۔ انھوں نے مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کو بلایا اور وصیت کرتے ہوئے کہا:

بھتیجے! جب میں مرجاؤں تو تم بنونجار میں اپنے (دادا عبدالمطلب کے) ماموؤں کے پاس چلے جانا۔ وہ اپنے گھروں

[1] سبل الهدى والرشاد: 429/2، شرح الزرقاني على المواهب: 46/2-48.

میں موجود چیزوں کی سب لوگوں سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔[1] چنانچہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو مدینہ کے قریب وادیِ قبا میں پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنے دادا عبدالمطلب کی ننھیال بنونجار کے سرداروں کو پیغام بھیجا تو وہ مسلح ہو کر آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے آ گئے۔ آپ ان کے حصار میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔[2] مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے انھی کے ہاں قیام فرمایا۔[3] علاوہ ازیں بنونجار کے لوگ باری باری نبی ﷺ کی خدمت میں کھانا پہنچایا کرتے تھے۔[4] نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا:

«خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ، ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ، ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ»

''انصار کے گھرانوں میں بہترین گھرانہ بنونجار کا ہے، پھر بنوعبدالاشہل کا، پھر بنوحارث بن خزرج کا، پھر بنوساعدہ کا اور انصار کے ہر گھرانے میں خیر ہے۔''[5]

ابوطالب کو مسلمان کرنے کی آخری کوشش

رسول اللہ ﷺ کی دلی تمنا تھی کہ ابوطالب اسلام قبول کر لیں۔ آپ ﷺ انھیں موقع بموقع مسلمان ہونے کی

[1] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 233. [2] الطبقات لابن سعد: 235/1. [3] فتح الباري: 147/7. [4] أنساب الأشراف: 314/1. [5] صحيح البخاري: 3789-3791.

مسجد قبا (مدینہ منورہ)

دعوت دیتے رہتے تھے۔ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا:

«يَا عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ»

''اے چچا! کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، ایک ایسا کلمہ جس کے ذریعے سے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے لیے گواہی دوں گا۔''

اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ خود ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش کے لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے کلمہ پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ ابوطالب کو کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کی دعوت دیتے رہے اور ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے حتی کہ ابوطالب نے جو آخری بات کی، وہ یہ تھی: میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

ابوطالب نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»

''اللہ کی قسم! میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے آپ کے بارے میں روک نہیں دیا جاتا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (التوبة 9:113)

''نبی کے اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان پر یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ بلاشبہ وہ دوزخی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (القصص 28:56)

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت

پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔" [1]

ابوطالب کی وفات

ابوطالب کی وفات کب ہوئی؟ اس بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر سیرت نگار اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بعثت نبوی کے دسویں سال شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد فوت ہوئے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد وفات پا گئے۔ [2] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ [3] اس حساب سے ان کی وفات کا مہینہ رجب بنتا ہے۔ [4] امام ابن حزم اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے نصف شوال کا ذکر کیا ہے۔ [5] علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ دس نبوی میں رمضان کی بارہ تاریخ کو فوت ہوئے۔ [6] ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 49 سال، آٹھ مہینے اور گیارہ دن ہوئی تو آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا جبکہ ان کی عمر ستاسی سال تھی۔ [7]

ابوطالب اپنے آباء و اجداد ہی کے دین پر فوت ہوئے۔ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ وہ تمام روایات جن میں ابوطالب کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ ہے، ان میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ [8] ابوطالب کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ کے بوڑھے گمراہ چچا فوت ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«اذْهَبْ فَوَارِ أَبَاكَ، ثُمَّ لَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي»

"جاؤ، اپنے والد کو زمین میں دفنا دو، پھر تم اس وقت تک کچھ بھی نہ کرنا جب تک کہ میرے پاس نہ آ جاؤ۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گیا اور اپنے باپ کو دفن کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا۔ میں نے غسل کیا۔ آپ نے میرے لیے دعا فرمائی۔ [9]

ابوطالب کی تدفین مکہ ہی میں مقام الحجون میں ہوئی۔ [10] عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: آپ اپنے چچا (ابوطالب) کے کیا کام آئے؟ اللہ کی قسم! وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے

---

[1] صحيح البخاري: 1360، صحيح مسلم: 24، واللفظ له. [2] الاستيعاب، ص: 57. [3] سيرة خير العباد، ص: 41. [4] شرح الزرقاني على المواهب: 38/2. [5] سبل الهدى والرشاد: 428/2، المنتظم: 7/3. [6] شرح الزرقاني على المواهب: 38/2. [7] المواهب اللدنية: 262/1. [8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوطالب کے اسلام قبول کرنے والی روایات کی تردید کی ہے اور ان لوگوں کا بھی بھرپور جواب دیا ہے جو ابوطالب کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ دیکھیے: الإصابة: 7/197-203، مزید ملاحظہ فرمائیں: البداية والنهاية: 3/121-124. [9] سنن أبي داود: 3214. [10] أنساب الأشراف: 289/2.

لوگوں پہ غضبناک ہو جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

''وہ جہنم کی اُتھلی جگہ میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔'' [1]

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ، وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ»

''جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ انھوں نے دو جوتے پہنے ہوئے ہوں گے، ان کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔'' [2]

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعثت کے دسویں سال اور ہجرتِ مدینہ سے تین سال پہلے اس دنیائے فانی کو خیر باد

[1] صحيح البخاري: 3883 و6208 و6572، صحيح مسلم: 209. [2] صحيح مسلم: 212.

قبرستان معلاۃ (مکہ) جہاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دفن ہیں

کہہ گئیں۔ [1] ابن عبدالبر ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ ابوطالب کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد فوت ہوئیں۔ بعض نے تین دن، بعض نے سات دن اور بعض نے لکھا ہے کہ پینتیس دن بعد فوت ہوئیں۔ [2] ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ کی وفات رمضان المبارک کی گیارہ تاریخ کو ہوئی۔ [3] ام المؤمنین سیدہ خدیجہ ؓ چونسٹھ سال اور چھ ماہ کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مثالی رفاقت کے چوبیس برس گزارے۔ [4] انھیں مکہ کے معروف قبرستان معلاۃ میں دفنایا گیا۔ ان کی تدفین کے وقت خود رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں اترے۔ ان کی وفات کے وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ [5]

ام المؤمنین خدیجہ ؓ وفا شعار، خدمت گزار اور نہایت پرہیز گار خاتون تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے کاموں میں انتہائی خلوص سے مدد کیا کرتی تھیں۔ مشکل حالات میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتی اور غمگساری کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنا سب کچھ رسول اللہ ﷺ پر نچھاور کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«مَا أَبْدَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا مِّنْهَا، قَدْ آمَنَتْ بِي إِذْ كَفَرَ بِيَ النَّاسُ، وَصَدَّقَتْنِي إِذْ كَذَّبَنِي النَّاسُ، وَوَاسَتْنِي بِمَالِهَا إِذْ حَرَمَنِيَ النَّاسُ، وَرَزَقَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَلَدَهَا إِذْ حَرَمَنِي أَوْلَادَ النِّسَاءِ»

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر بیوی عطا نہیں فرمائی۔ جب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، یہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے محروم کیا، اس وقت انھوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی جبکہ دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔“ [6]

رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین خدیجہ ؓ کی وفات تک کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ [7]

سیدہ خدیجہ ؓ کا مقام

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ، مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّي، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَّا صَخَبَ

1 صحيح البخاري: 3896. 2 الاستيعاب، ص: 57. 3 الطبقات لابن سعد: 217/8. 4 الاستيعاب، ص: 874-878.
5 أنساب الأشراف: 273/1 و 35/2، الإصابة: 103/8. 6 مسند أحمد: 118/6. 7 صحيح مسلم: 2436.

فِيهِ وَلَا نَصَبَ»

''اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) آ رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے۔ اس میں سالن، کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو انھیں ان کے رب کی جانب سے اور میری طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک گھر کی بشارت دیں جس میں نہ کوئی شور ہوگا نہ کوئی تکان۔'' [1]

رنج وغم کی پرچھائیاں اور مشرکین کی جسارتیں

رسول اللہ ﷺ کے لیے ابوطالب جیسے ہمدرد اور حمایتی چچا کی وفات اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی مومنہ اور غمگسار رفیقۂ حیات کی جدائی بڑی آزمائش تھی۔ ان کے یکے بعد دیگرے فوت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ بے حد غمزدہ ہوئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ ہو گیا کہ آپ گھر ہی میں رہتے اور بہت کم باہر نکلتے تھے۔ [2]

ابوطالب کی وفات کے بعد کفارِ قریش کی جسارت بڑھ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایسی شدید اذیتیں دینے لگے جن کی انھیں اس سے پہلے جرأت نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَانَالَتْ مِنِّي قُرَيْشٌ شَيْئًا أَكْرَهُهُ حَتّٰى مَاتَ أَبُوطَالِبٍ»

''ابوطالب کی وفات تک قریش نے مجھے ایسی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جو میرے لیے بارِ خاطر ہوتی۔'' [3]

ابوطالب کی وفات کے بعد جب کفارِ قریش نے آپ ﷺ کو بے حد تکلیفیں پہنچائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسْرَعَ مَا وَجَدْتُ فَقْدَكَ يَا عَمِّ!»

''چچا جان! آپ کے بچھڑ جانے کو میں نے کتنی جلد محسوس کر لیا ہے۔'' [4]

تمام تر نامساعد حالات، تکلیفوں اور سختیوں کے باوجود آپ ﷺ پوری مستعدی سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آپ نے کبھی کسی لچک اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔

ابولہب کا نبی ﷺ کی حفاظت کرنا

رسول اللہ ﷺ کا چچا ابولہب آپ ﷺ کا شدید مخالف تھا۔ اس نے آپ سے دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

[1] صحيح البخاري: 3820و7497. [2] الطبقات لابن سعد: 211/1. [3] السيرة لابن هشام: 416/2. [4] تاريخ دمشق: 251/70، المعجم الأوسط للطبراني: 45/3.

تھی۔ اسے جب یہ صورت حال معلوم ہوئی کہ قریش نے ابوطالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو شدید اذیتیں دینی شروع کر دی ہیں تو اس کی خاندانی غیرت وحمیت نے جوش مارا، وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”اے محمد (ﷺ)! آپ نے جس کام کا ارادہ کیا ہے، اسے جاری رکھیں۔ ابوطالب کی زندگی میں آپ جو کچھ کرتے تھے، اب بھی وہی کریں۔ لات کی قسم! اس وقت تک کوئی شخص آپ کے قریب نہیں پھٹک سکتا جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔“

اس کے بعد جب ابن عیطلہ نے نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا تو ابولہب اس کے پاس جا پہنچا اور اسے سرزنش کی۔ ابن عیطلہ چیخ کر یہ کہتے ہوئے پیچھے کو مڑا: اے قریش کی جماعت! ابوعتبہ (ابولہب) صابی ہو گیا ہے۔

قریش کے لوگوں نے یہ بات سنی تو وہ ابولہب کے پاس پہنچ گئے۔ ابولہب نے ان سے کہا: میں عبدالمطلب کے دین سے علیحدہ نہیں ہوا۔ میں نے تو اپنے بھتیجے کو ظلم سے پناہ دی ہے تاکہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں، اسے جاری رکھیں۔ یہ سن کر کفار قریش نے کہا: آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ آپ نے صلہ رحمی کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کچھ دن اسی طرح رہے۔ آپ ﷺ باہر آتے جاتے تھے۔ قریش کا کوئی شخص آپ کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ وہ سب ابولہب سے خوفزدہ تھے۔

کفارِ قریش کا ابولہب کو بھڑکانا

کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ابولہب کی پناہ ختم کرانے کی سازش شروع کر دی۔ عقبہ بن ابومعیط اور ابوجہل ابولہب کے پاس آئے۔ ان دونوں نے اس سے کہا: کیا تمھارے بھتیجے نے تمھیں بتایا ہے کہ تمھارے باپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟

ان کا یہ سوال سن کر ابولہب نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا: اے محمد! عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا: «مَعَ قَوْمِهِ» ”ان کا ٹھکانا ان کی قوم کے ساتھ ہے۔“

ابولہب نے واپس آ کر ان دونوں کو آپ ﷺ کا یہ جواب بتایا تو وہ کہنے لگے کہ محمد یہ سمجھتے ہیں کہ عبدالمطلب آگ میں جائیں گے۔ ابولہب پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: اے محمد! کیا عبدالمطلب آگ میں جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَمَنْ مَاتَ عَلٰى مِثْلِ مَا مَاتَ عَلَيْهِ عَبْدُالْمُطَّلِبِ دَخَلَ النَّارَ»

”ہاں، جو بھی اس جیسے دین پر فوت ہوگا جس پر عبدالمطلب فوت ہوئے، وہ آگ میں جائے گا۔“

نبیِ اکرم ﷺ کا یہ جواب سنتے ہی ابولہب طیش میں آ گیا اور اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہمیشہ آپ کا دشمن ہی رہوں گا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عبدالمطلب آگ میں جائیں گے!

اس واقعے کے بعد ابولہب اور دیگر کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 211/1.

بیرونِ مکہ دعوت اسلام

طائف میں اسلام کی دعوت وتبلیغ، اہلِ طائف کی رسول اللہ ﷺ پر وحشیانہ سنگ باری، سوید بن صامت کی حق شناسی اور دیگر واقعات

”چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں“

(الحجر 15:94)

اس باب میں

طفیل دوسی رضی اللہ عنہ مکہ آئے، مشرکین نے استقبال کیا، ساتھ ہی کہا: یہاں ایک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رہتے ہیں۔ انھوں نے گھر گھر پھوٹ ڈلوا دی ہے، ان کی باتیں نہ سننا۔ مگر انھوں نے اچانک کعبہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام الٰہی پڑھتے سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور مسلمان ہوگئے۔ اس دلربا واقعے کے بعد آپ سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا حال پڑھیں گے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کے دردناک مناظر دیکھیں گے۔ طائف کے ناآشنائے انسانیت سرداروں نے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر سنگ باری کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک خون سے رنگین ہوگئے۔ جبرائیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کش کی کہ آپ چاہیں تو میں پہاڑوں کو ملا کر اہلِ طائف کو پیس ڈالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرنا۔ مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی آنے والی نسلیں اسلام قبول کرلیں گی۔ یہ جواب ہر داعیِ دین کے لیے مینارۂ نور ہے۔
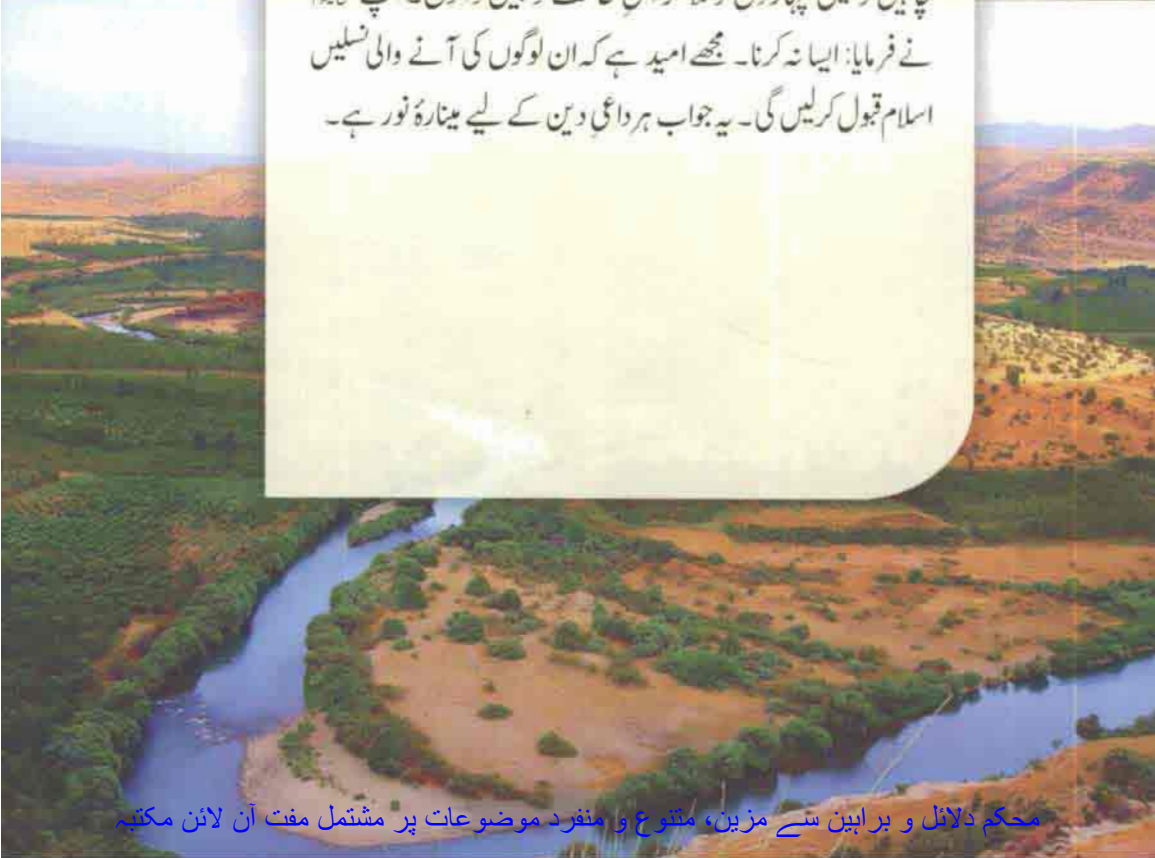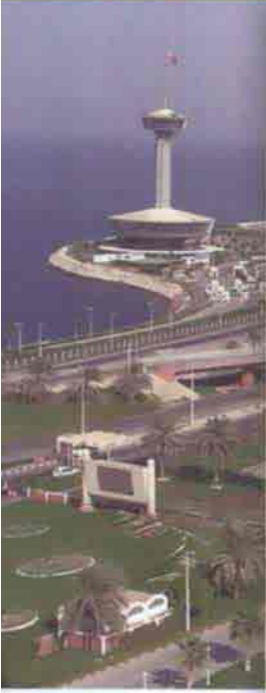
بیرونِ مکہ اسلام کی اُڑانیں

اسلام کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکلنے اور اسلام و ایمان کے نور سے آراستہ ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کی یہ اثر انگیز دعوت مسلسل کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہورہی تھی۔ جو بھی آپ ﷺ کی بات سنتا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اسلام کی پیش رفت روکنے میں جب کفارِ قریش کے تمام حربے ناکام رہے تو وہ لوگوں کو نبی ﷺ سے ڈرانے لگے۔ عرب کا جو بھی شخص ان کے پاس آتا، وہ اُسے بہکاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے ڈرا کر اُسے آپ سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ایک شریف شاعر، مالدار، بہت مہمان نواز اور نہایت سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی

جبال السراۃ میں قبیلہ دوس (بنی فہم) کی بستی

تھے۔ وہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ یہ شخص (محمد ﷺ) جو ہمارے درمیان موجود ہیں، انھوں نے ہمیں بڑی پریشانی میں ڈال رکھا ہے، ہماری جماعت کو منتشر کر دیا ہے اور ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی بات جادو جیسا اثر رکھتی ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی بہن اور میاں بیوی کے مابین پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ جو مصیبت ہم پر آپڑی ہے، اس سلسلے میں ہم تمھاری اور تمھاری قوم کی طرف سے بہت فکر مند ہیں مبادا وہ مصیبت تم پر بھی آپڑے اور تم لوگ اس کا شکار ہو جاؤ، لہٰذا خبردار رہنا، ان سے بالکل بات نہ کرنا، نہ ان کی کوئی بات سننا۔''

نبی ﷺ سے ملاقات اور قبول اسلام

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے برابر یہی سمجھاتے رہے حتی کہ میں نے عزم کرلیا کہ میں آپ ﷺ کی کوئی بات سنوں گا نہ آپ سے کوئی بات کروں گا یہاں تک کہ جب میں صبح کے وقت مسجد الحرام گیا تو میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ میں مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ نبی ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی بعض باتیں سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا، میں نے بہت اچھا کلام سنا اور اپنے جی میں کہا:

''ہائے میری ماں مجھے گم پائے! اللہ کی قسم! بلاشبہ میں ایک شاعر ہوں اور صاحبِ شعور آدمی ہوں۔ مجھ پر اچھا یا برا کچھ چھپا نہیں رہ سکتا، بھلا میرے لیے اس شخص (محمد ﷺ) کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟ اگر ان کی بات اچھی ہوئی تو میں اسے قبول کرلوں گا اور بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔''

میں وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کی طرف تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہوگیا، میں نے عرض کی: اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے اس طرح کی باتیں کی ہیں، پھر جو کچھ انھوں نے کہا تھا، میں نے وہ سب کچھ آپ کو بتا دیا اور عرض کیا: اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے مسلسل آپ کے دین سے ڈراتے رہے حتی کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ میں آپ کی بات نہ سن سکوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی بات سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا، اس لیے میں نے آپ کی صدا سُنی۔ وہ بہت اچھی بات تھی۔ اب آپ اپنا دین پیش فرمائیں۔

امام صالحی رحمہ اللہ نے طفیل رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں ایک شاعر ہوں، میں جو کہوں گا، آپ اسے سنیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَاتِ» ''تم پیش کرو۔''

میں نے آپ ﷺ کو اشعار سنائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَنَا أَقُولُ فَاسْمَعْ» ''اب میں کہوں گا، تم سنو۔'' پھر آپ ﷺ نے تعوذ اور بسملہ پڑھ کر سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تلاوت فرمائی۔[1]
طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ اچھا کلام کبھی نہیں سنا، نہ کبھی اس سے زیادہ عدل و انصاف والے دین سے آگاہ ہوا، اس لیے میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

طفیل رضی اللہ عنہ کا اپنی قوم کے لیے نشانی طلب کرنا

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کی طرف واپس جا رہا ہوں۔ میں انھیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے لیے کوئی ایسی نشانی مہیا کر دے جو ان سے وہ حقیقت قبول کرانے میں میری مددگار ثابت ہو جس کی میں انھیں دعوت دوں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ لَّهُ آيَةً»

''اے اللہ! ان کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما دے۔''

میں اپنی قوم کی طرف موسلا دھار بارش والی سیاہ رات میں نکلا۔ جب میں گھاٹی کی اُس بلندی تک پہنچا جہاں سے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسی روشنی پیدا ہوگئی، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! یہ روشنی چہرے کے بجائے کہیں اور ظاہر فرما دے۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دین سے جدا ہونے کی وجہ سے میرے چہرے میں (عبرتناک سزا کے طور پر) مثلہ ہوگیا ہے۔''
یہ دعا کرتے ہی وہ روشنی چہرے سے ہٹ کر میرے کوڑے کے بالائی حصے پر آگئی۔ جب میں گھاٹی سے نیچے اتر رہا تھا تو لوگ اس روشنی کو میرے کوڑے پر لٹکی ہوئی قندیل کی طرح دیکھنے لگے، پھر میں اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا۔

باپ اور بیوی کو دعوتِ اسلام

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو میرے والد میرے پاس آئے، وہ بہت بوڑھے تھے۔ میں نے کہا: اباجان! آپ مجھ سے دور رہیں، آپ کا مجھ سے اور میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ سن کر انھوں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا: پیارے بیٹے! کیوں؟

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 417/2.

میں نے جواب دیا: میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کرلی ہے۔

انھوں نے کہا: پیارے بیٹے! میرا دین بھی وہی ہے جو تمھارا ہے۔

میں نے کہا: آپ جائیں، غسل کریں اور پاک کپڑے پہنیں، پھر میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ کو وہ کچھ سکھاؤں جو مجھے سکھایا گیا ہے۔ میرے والد گئے، انھوں نے غسل کیا اور پاک کپڑے پہنے، پھر میرے پاس آگئے۔ میں نے ان کے روبرو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد میری بیوی میرے پاس آئی، میں نے کہا: مجھ سے دور رہو، میرا تم سے اور تمھارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے حیرانی کے عالم میں پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آخر کیوں؟

میں نے جواب دیا: میرے اور تمھارے درمیان اسلام نے جدائی ڈال دی ہے۔ میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کرلی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا: میرا دین بھی وہی ہے جو آپ کا دین ہے۔

میں نے کہا: تم ذوالشریٰ کے استھان کی طرف جاؤ اور وہاں چشمے پر غسل کرو۔

یہ دوسی قبیلے کا بت تھا۔ ذوالشریٰ کے لغوی معنی ہیں ''سورج کا خدا۔'' یہ دوس قبیلے کا بت تھا۔ بنوزہران کے علاقے میں نصب تھا۔ آج کل اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ نبطیوں کے ہاں بھی اس نام کا بت موجود تھا۔ البتراء

البتراء (اردن) کا ایک منظر

(اردن) میں اس کی عبادت کی جاتی تھی۔ آج کل یہ بُت دمشق، سوریہ (شام) کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔[1] قبیلۂ دوس نے اس کا استھان بنا رکھا تھا۔ وہاں پہاڑ سے ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا تھا۔ طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپ کو ذوالشریٰ کی طرف سے بچوں کو کوئی نقصان پہنچنے

[1] معجم البلدان، مادة: الشری، معجم المعالم الجغرافیة، ص: 167، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔
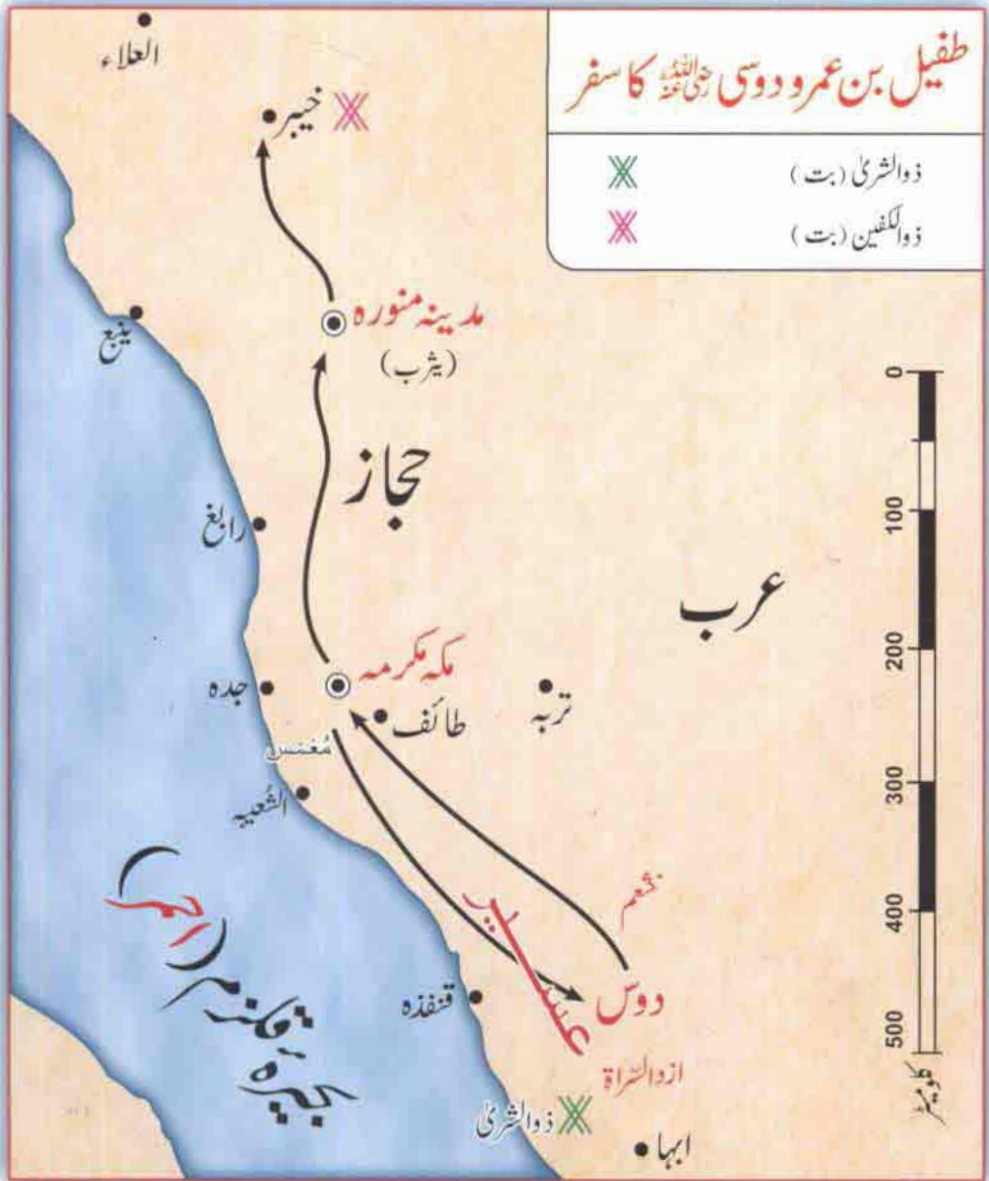
کا خوف ہے؟

میں نے کہا: نہیں، میں اس کا ضامن ہوں۔ پھر وہ چلی گئی اور غسل کر کے میرے پاس آئی۔ میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو وہ مسلمان ہوگئی۔[1]

امام صالحی رحمہ اللہ نے طفیل رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھی۔[2]

نبی اکرم ﷺ کی قبیلہ دوس کے لیے دعا

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی اور فسق و فجور میں لگے رہے، صرف چند لوگ مسلمان ہوئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے گزارش کی: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی اور انکار کیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بد دعا فرمائیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوگئے، پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ کہنے لگے: دوس کے لوگ ہلاک ہوگئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قبیلۂ دوس کے لیے بد دعا فرمائیں گے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے بد دعا کرنے کے بجائے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔''[3]

پھر رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِرْجِعْ إِلٰى قَوْمِكَ فَادْعُهُمْ وَارْفُقْ بِهِمْ»

''اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انھیں دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے اور غزوۂ بدر، احد اور خندق بھی گزر گئے تو وہ قبیلۂ دوس کے ستر یا اسّی گھرانوں کو، جو مسلمان ہوگئے تھے، لے کر رسول اللہ ﷺ سے سرزمین خیبر میں جا کر ملے۔ آپ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انھیں بھی مالِ غنیمت

[1] السيرة لابن هشام: 1/382-384، الطبقات لابن سعد: 4/237-239. [2] سبل الهدى والرشاد: 2/418. [3] صحيح البخاري: 6397,4392,2937، صحيح مسلم: 2524، مسند أحمد: 2/243، السيرة لابن هشام: 1/384.

میں سے حصہ دیا۔[1]

سیدنا ابوذر غفاری ؓ کی جستجوئے حق

معتبر قول کے مطابق سیدنا ابوذر ؓ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: جُندب بن جنادہ بن قیس بن عمرو بن مُلیل بن صُعَیر بن حرام بن غِفار۔[2] ان کا قد لمبا تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ ان کے بال انتہائی گھنے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پکے موحد تھے اور بت پرستی سے بہت بیزار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ کا ایک شخص سیدنا ابوذر غفاری ؓ سے ملا۔ اُس نے انھیں بتایا: ''مکہ میں ایک شخص ہے۔ وہ بھی تمھاری طرح کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں......۔''

سیدنا ابوذر غفاری ؓ کو جب ادھر اُدھر سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق خبریں ملیں تو انھوں نے اپنے بھائی انیس سے کہا: مکہ جاؤ اور ان صاحب کے بارے میں معلومات لے کر آؤ جو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ ان کی باتیں پوری توجہ سے سننا، پھر مجھے آکر بتانا۔ ان کے بھائی مکہ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنے، پھر واپس آکر حضرت ابوذر ؓ کو بتایا کہ میں نے انھیں دیکھا

[1] السیرة لابن هشام: 385,384/1. [2] أسد الغابة: 436/4.

قصر البخیر ان (الجزائر) میں ابوذر غفاری ؓ سے منسوب مسجد

ہے۔ وہ لوگوں کو اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں نے اُن سے جو کلام سنا، وہ شاعری نہیں۔ یہ بات سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جس مقصد کے لیے میں نے تمھیں بھیجا تھا، اس کے بارے میں میری پوری تشفی نہیں ہوئی۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا انقلابی سفر

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے زادِ سفر باندھا، پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ لیا۔ مکہ جا پہنچے۔ مسجد الحرام میں حاضری دی اور نبیِ کریم ﷺ کو تلاش کرنے لگے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے۔ رات کا کچھ حصہ بیت گیا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میرے گھر پر چل کر آرام کیجیے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی باہم جان پہچان کے لیے کوئی بات نہیں کی۔

صبح ہوئی تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا مشکیزہ اور توشہ اٹھایا اور خاموشی سے مسجد الحرام میں آ گئے۔ یہ دن بھی حسبِ سابق گزر گیا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ پائے۔ شام ہوئی تو سونے کی تیاری کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ پھر وہاں سے گزرے اور سمجھ گئے کہ یہ شخص ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ انھیں پھر ساتھ لے آئے۔ آج بھی دونوں نے باہم کوئی بات چیت نہ کی۔ نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں کون ہوں اور مکہ کیوں آیا ہوں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمھارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ انھیں اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ چلتے چلتے انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ یہاں کس کام کے لیے آئے ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ میری راہ نمائی کا وعدہ کریں تو میں سب کچھ بتا دوں گا۔ علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا تو اُنھوں نے اپنی آمد کا سبب بتایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ صبح میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ اگر راستے میں کوئی خطرے والی بات پیش آئی تو میں پیشاب کرنے کے حیلے سے ٹھہر جاؤں گا۔ تم میرا انتظار نہ کرنا، چلتے رہنا۔ جب میں پھر چلنے لگوں تو میرے پیچھے پیچھے آنا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ سکے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اس طرح میں جس گھر میں قدم رکھوں، وہاں تم بھی داخل ہو جانا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابوذر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ان کے پیچھے پیچھے چل دیے حتی کہ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''آپ اپنی قوم غفار میں واپس چلے جائیں۔ اُنھیں میرے بارے میں آگاہ کریں۔ جب آپ کو ہمارے غلبے کا علم ہو جائے تو ہمارے پاس آ جائیں۔'' ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان مکہ والوں کے سامنے کلمۂ توحید کا اعلان کروں گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اُٹھے، مسجد الحرام میں آئے اور بلند آواز سے اعلان کیا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

مشرکین کا ابوذر رضی اللہ عنہ پر تشدد

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ حق سنتے ہی مشرکین کا مجمع اُن پر ٹوٹ پڑا اور انھیں مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباس آ گئے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے خود اپنے آپ کو اُن کے اوپر ڈال دیا اور قریش سے کہا: افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص غفار قبیلے کا ہے۔ تمھارے شام جانے والے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے نکلتا ہے۔ انھوں نے اس طرح انھیں مشرکوں کی زد سے بچایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ دوسرے دن پھر مسجد الحرام میں آئے اور اپنے اسلام کا بانگ دہل اعلان کیا۔ مشرکین پھر ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ اس دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں بچایا۔ [1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نمایاں خصوصیات ان کی حق گوئی، بے باکی اور راست بازی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِي ذَرٍّ»

ربذہ میں مسجد ابوذر غفاری کے آثار

''کسی (ایسے) شخص پر آسمان سایہ فگن ہوا نہ زمین اس کے لیے فرشِ راہ بنی جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا ہو۔'' [2]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مدینہ سے مشرق کی طرف 175 کلومیٹر کے فاصلے پر ربذہ نامی جگہ پر 31ھ/652ء یا 32ھ/653ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی نماز جنازہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ [3]

[1] صحيح البخاري:3861. [2] جامع الترمذي:3801. [3] أسد الغابة:437/4.

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ سست پڑ گیا۔ انھوں نے اپنا سامان اتارا، پشت پر لادا اور پیدل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی منزل پر ٹھہرے تو ایک مسلمان نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص اکیلا پیدل چلا آرہا ہے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا ذَرٍّ» ''اللہ کرے! ابو ذر ہو۔''

جب وہ قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ابو ذر ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا ذَرٍّ! يَمْشِي وَحْدَهُ وَيَمُوتُ وَحْدَهُ وَيُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''اللہ ابو ذر پر رحم کرے! یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ربذہ میں مقیم تھے۔ وہاں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہوجاؤں تو غسل وکفن کے بعد میری میت راستے پر رکھ دینا اور جو قافلہ سب سے پہلے گزرے، اس سے درخواست کرنا کہ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ جب وہ اللہ کو پیارے ہوئے تو بیوی اور غلام نے اسی طرح کیا۔ اسی دن اس راستے پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ عراق سے آرہے تھے اور عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ جارہے تھے۔ جنازہ راستے میں پڑا تھا۔ قریب تھا کہ قافلے کے اونٹ جنازہ پاؤں تلے روند دیتے کہ اچانک ابوذر رضی اللہ عنہ کا غلام اٹھ کھڑا ہوا اور بلند آہنگی سے بولا: ''یہ صحابیِ رسول سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔'' یہ سن کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے اور کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا: ''تو اکیلا چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' پھر وہ اور ان کے ساتھی اونٹوں سے اترے۔ ان کا جنازہ پڑھا اور انھیں دفن کر دیا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ تبوک کے سفر میں کہے تھے۔[1]

ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ازدشنوءہ قبیلے سے تھا۔ یہ زمانۂ جاہلیت ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے۔ یہ طب اور دم کے ذریعے سے لوگوں کا علاج کرتے تھے۔ یہ بھی ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہوئے۔[2]

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ضماد رضی اللہ عنہ مکہ آئے۔ مکہ کے چند احمق لوگ ان سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون کا مرض لاحق ہے۔ ضماد رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ضرور ملنا چاہیے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں میرے

[1] المستدرك للحاكم: 80/3، السيرة لابن هشام: 168,167/4. [2] أسد الغابة: 472/2.

ہاتھوں شفا عطا کر دے۔ ضماد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور کہا: اے محمد! میں دم کے ذریعے سے جنون کا علاج کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو شفا دی ہے۔ کیا آپ اس طریقۂ علاج سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ!»

''بے شک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اُس کی تعریف کرتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حمد و ثنا کے بعد!''

ضماد ازدی یہ مبارک کلمات سن کر کہنے لگے: ذرا یہ کلمات پھر دہرائیے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اُن کی درخواست پر یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے۔ ضماد بے حد متأثر ہوئے۔ کہنے لگے: اے محمد! میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شعراء کا کلام سنا ہے لیکن ایسے کلمات کبھی نہیں سنے۔ ان الفاظ میں سمندر کی سی گہرائی پائی جاتی ہے۔ آپ ہاتھ بڑھائیے، میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور ضماد ازدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی قوم کی جانب سے بھی بیعت کر لو۔'' ضماد رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کر لی۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جو ضماد کی قوم کے علاقے سے گزرا۔ لشکر کے امیر نے اہل لشکر سے پوچھا: کیا ان لوگوں سے آپ نے کچھ لیا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں نے لوٹا لیا ہے۔ امیر نے کہا: اسے واپس کر دو۔ یہ ضماد رضی اللہ عنہ کی قوم ہے۔[1]

سوید بن صامت

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر جن اشخاص کو اسلام کی دعوت دی، اُن میں سے ایک سوید بن صامت بھی ہیں، ان کا تعلق اوس قبیلے سے تھا۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت عمرو نجاریہ ہیں۔ لیلیٰ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی ماں سلمٰی بنت عمرو کی بہن ہیں۔ اس لحاظ سے سوید بن صامت، عبدالمطلب کے خالہ زاد ہیں۔[2] ان کی پختگی، شعر گوئی، شرف اور نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انھیں ''کامل'' کے خطاب سے نواز رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کرنے کے

[1] صحیح مسلم: 868. [2] البداية والنهاية: 3/145,144.

لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد پر انھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف دعوت دی۔ اس پر سوید نے آپ سے کہا: آپ کے پاس جو کچھ ہے، شاید یہ بھی اسی جیسا ہے جو میرے پاس ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا:

«وَمَا الَّذِي مَعَكَ؟»

''تمھارے پاس کیا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: لقمان رحمہ اللہ (کی حکمت) کا صحیفہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْرِضْهَا عَلَيَّ»

''اسے میرے سامنے پیش کرو۔''

انھوں نے وہ صحیفہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا لَكَلَامٌ حَسَنٌ، وَالَّذِي مَعِيَ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا، قُرْآنٌ أَنْزَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيَّ، هُوَ هُدًى وَّنُورٌ»

''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اچھا کلام ہے لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اس سے افضل ہے۔ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور انھیں اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اعتراف کیا: بلاشبہ یہ اچھا کلام ہے۔

پھر وہ آپ ﷺ کے پاس سے اُٹھے اور واپس چلے گئے۔ پھر اپنی قوم کے پاس مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی انھیں خزرج نے قتل کر دیا۔ ان کی قوم کے لوگ کہا کرتے تھے: ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کی حالت میں مارے گئے۔ ان کا قتل جنگ بُعاث سے پہلے ہوا تھا۔[1] امام بلاذری نے لکھا ہے کہ ان کا قتل جنگ بُعاث کے شعلے بھڑکانے کا باعث بنا۔[2]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سوید بن صامت کے اسلام قبول کرنے میں شک ہے جیسا کہ میرے علاوہ ان لوگوں نے بھی شک کیا ہے جنھوں نے اس بارے میں مجھ سے پہلے بھی کتب لکھی ہیں۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

[1] السیرة لابن هشام: 427/2. [2] أنساب الأشراف: 274/1. [3] الاستیعاب، ص: 347.

لکھتے ہیں: ان کی قوم نے جو کہا ہے (کہ ہم انھیں مسلمان سمجھتے ہیں) اگر ان کی یہ بات صحیح ثابت ہو جائے، تب بھی سوید کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ انھوں نے ایمان کی حالت میں نبی ﷺ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ [1]

ایاس بن معاذ

ابوالحیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ساتھ بنوعبدالاشہل کے کچھ نوجوان تھے۔ ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم خزرج کے خلاف قریش سے باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد کی خبر سُنی تو آپ تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا:

«هَلْ لَكُمْ فِي خَيْرٍ مِّمَّا جِئْتُمْ لَهُ؟»

''تم لوگ جس مقصد کے لیے آئے ہو، کیا اس سے بہتر چیز کی تمھیں رغبت ہے؟''

انھوں نے کہا: وہ کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، بَعَثَنِي إِلَى الْعِبَادِ، أَدْعُوهُمْ إِلٰى أَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَ أَنْزَلَ عَلَيَّ الْكِتَابَ»

''میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ میں انھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے۔''

پھر آپ نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ فرمایا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ ایاس بن معاذ بالکل نوجوان تھے، وہ بولے: اے میری قوم! اللہ کی قسم! جس مقصد کے لیے تم آئے ہو، یہ چیز اس سے بہتر ہے۔

ان کی یہ بات سن کر ابوالحیسر انس بن رافع نے بطحاء کی مٹی سے ایک مٹھی لے کر ایاس بن معاذ کے چہرے پر دے ماری، پھر کہنے لگا: یہ بات چھوڑو۔ میری عمر کی قسم! ہم اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گئے۔ نبی ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ لوگ مدینہ واپس آ گئے۔ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد ایاس بن معاذ کی وفات ہو گئی۔ ان کی قوم کے لوگوں نے سنا کہ وہ عالم نزع میں اللہ تعالیٰ کی تہلیل، تکبیر، تحمید اور تسبیح کرتے رہے یہاں تک کہ فوت ہو گئے۔ لوگ اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوئے

[1] الإصابة: 247/3.

ہیں۔ ایاس رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام اسی مجلس میں سما گیا تھا جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی۔ [1]

قبیلہ ہمدان کا ایک شخص

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور فرماتے تھے:

«هَلْ مِنْ رَجُلٍ يَحْمِلُنِي إِلٰى قَوْمِهِ؟ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي»

''کیا کوئی شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے؟ بلاشبہ قریش نے مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے۔''

ہمدان کا ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

«مِمَّنْ أَنْتَ؟» ''تم کن لوگوں میں سے ہو؟''

اس نے جواب دیا: میں ہمدان قبیلے سے ہوں۔

آپ نے پوچھا: «فَهَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَنَعَةٍ؟»

''کیا تمھاری قوم کے پاس دفاعی قوت ہے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ شخص ڈر گیا مبادا اس کی قوم اس کی پناہ کی حمایت نہ کرے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا اور انھیں بتاؤں گا، پھر میں اگلے سال آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ وہ شخص چلا گیا، پھر رجب میں انصار مدینہ کا وفد حاضر ہوا۔ [2]

قیس بن خطیم

ابویزید قیس بن خطیم بن عدی اوس قبیلے کا سردار تھا اور زمانۂ جاہلیت میں اوس قبیلے کا مشہور شاعر تھا۔ جنگِ بُعاث کے متعلق اس سے بہت سے اشعار منقول ہیں۔ یہ مکہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اس کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اس نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک عجیب کلام سن رہا ہوں۔ آپ مجھے چھوڑیے تاکہ میں اس سال اپنے معاملے میں غور وفکر کروں، پھر میں دوبارہ آؤں گا۔ لیکن قیس بن خطیم سال پورا ہونے سے پہلے ہی 2 قبل ہجرت/620ء میں فوت ہوگیا۔ [3]

[1] السيرة لابن هشام:2/428,427. [2] مسند أحمد :3/390. [3] الإصابة :5/417، أنساب الأشراف :1/275، الأعلام : 5/205.

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت مرہ بن کعب پر جا کر نبی اکرم ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ ﷺ کو نکاح سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خواب میں دکھائی گئی تھیں جیسا کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُرِيتُكِ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ مَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ، فَقُلْتُ لَهُ: اِكْشِفْ، فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَقُلْتُ: إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهِ ......»

''تم مجھے شادی سے پہلے دو مرتبہ (خواب میں) دکھائی گئی ہو۔ میں نے فرشتے کو دیکھا کہ وہ تمھیں عمدہ ریشم کے ایک کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے فرشتے سے کہا کہ کپڑا ہٹاؤ۔ اس نے ہٹایا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی جانب سے ہے تو وہ اسے پورا فرمائے گا......'' [1]

صحیح مسلم کی روایت میں تین مرتبہ خواب میں دکھائے جانے کا ذکر ہے۔ [2]

[1] صحيح البخاري: 7012، [2] صحيح مسلم: 2438.

مسجد عائشہ (تنعیم) کی پرانی عمارت

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بات چیت کا آغاز اس طرح ہوا کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ تھیں، وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا: اللہ کے رسول! کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: «مَنْ؟» ''کون ہے؟''

انھوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو کنواری سے اور اگر چاہیں تو بیوہ سے شادی کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «فَمَنِ الْبِكْرُ؟» کنواری کون ہے؟''

انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ کو جو زیادہ محبوب ہیں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)، ان کی بیٹی عائشہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید استفسار فرمایا: «وَمَنِ الثَّيِّبُ؟» ''اور بیوہ کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں اور انھوں نے آپ کے ارشادات کا اتباع کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَاذْهَبِي فَاذْكُرِيهِمَا عَلَيَّ»

''تم جاؤ اور ان دونوں کو مجھ سے نکاح کا پیغام دو۔''

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائیں اور ان کی اہلیہ ام رومان سے کہا: اے ام رومان! کیا ہی خوب اللہ تعالیٰ نے تم پر خیر و برکت فرمائی ہے! یہ سن کر ام رومان نے دریافت کیا: وہ کیا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔ ام رومان نے کہا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے آنے کا انتظار کرو۔

اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان سے کہا تھا۔ ان کی بات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مناسب ہے؟ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔

یہ سن کر خولہ رضی اللہ عنہا واپس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو یہ بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَيْهِ فَقُولِي لَهُ: أَنَا أَخُوكَ وَأَنْتَ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِي»

''تم ان کی طرف واپس جاؤ اور کہو: میں اسلام میں تمھارا بھائی اور تم میرے بھائی ہو، تمھاری بیٹی میرے لیے صحیح ہے۔''

خولہ رضی اللہ عنہا واپس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے آگاہ کیا، انھوں نے کہا:

تم انتظار کرو۔

پھر وہ باہر نکل گئے۔ ام رومان نے کہا: مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے (جبیر) کے لیے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے نکاح کا پیغام دیا تھا، اللہ کی قسم! اس نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کبھی ایسا وعدہ نہیں کیا جس کی خلاف ورزی کی ہو۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ مطعم کے پاس اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: اے ابوقحافہ کے بیٹے! اگر میں نے تمھارے ہاں اپنے بیٹے کی شادی کی تو شاید تم ہمارے بیٹے کو بھی صابی بنا دو گے اور اپنے اس دین میں داخل کر لو گے جس میں تم خود ہو۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے پوچھا: جو بات اس نے کہی ہے کیا تم بھی وہی کہتے ہو؟ مطعم نے کہا: یہ میری بات ہی کہہ رہی ہے۔

اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے چلے آئے، ان کے دل میں مطعم سے کیے ہوئے وعدے کے بارے میں جو کھٹک موجود تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا۔ انھوں نے واپس آکر خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرے پاس لے آؤ۔ خولہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بلا لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ سے کر دیا۔ اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے درمیان جمع و تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمر کا چھٹا سال مکمل کر لیا تھا اور وہ ساتویں سال میں داخل ہوگئی تھیں۔[3] یہ نکاح بعثت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہوا تھا، پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔[4] نبیِ اکرم ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔[5] آپ ﷺ نے انھیں رخصتی کے وقت ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (تقریباً 500 درہم) حق مہر دیا تھا۔[6]

[1] مسند أحمد: 211,210/6. [2] صحيح مسلم: (71)-1422. [3] الإصابة: 232/8. [4] صحيح مسلم: 1423، الطبقات لابن سعد: 58/8، الإصابة: 232/8، شرح الزرقاني على المواهب: 382/4. [5] صحيح البخاري: 5077. [6] صحيح مسلم: 1426، أنساب الأشراف: 44/2، شرح الزرقاني على المواهب: 382/4.

ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد بعثت کے دسویں سال ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ [1] علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام قتادہ اور ابوعبیدہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے پہلے ہوئی تھی۔ اور لکھا ہے کہ عقیل نے ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے برعکس عبداللہ بن محمد بن عقیل اور بہ طریق یونس، امام زہری سے یہ منقول ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ہوئی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہی ہوئی تھی۔ [2] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے بھی یہی واضح ہے۔ [3] امام ماوردی نے جمع کی یہ صورت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح تو کر لیا لیکن ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی بلکہ رخصتی مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد عمل میں آئی جبکہ سودہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے فوراً بعد ہوگئی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا والی روایت کا ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ روایت اشکال دور کر دیتی ہے اور جمع کی مذکورہ صورت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ [4]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں لؤی بن غالب پر جا کر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جاملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے یہ سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ یہ ان کے والد کے چچازاد تھے۔ [5] ابن حزم رحمہ اللہ نے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت سودہ کے والد کے چچا زاد کے بجائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد قرار دیا ہے۔ [6] حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور انھوں نے دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر ہجرت بھی کی تھی۔ جب یہ واپس مکہ آئے تو یہاں ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے۔ [7]

---

[1] دیکھیے: الطبقات لابن سعد: 53/8 و 57، البدایة والنهایة: 131-128/3. [2] الاستیعاب، ص: 897. [3] البدایة والنهایة: 131-128/3. [4] فتح الباري: 281/7. [5] الجمهرة لابن حزم، ص: 167,166. [6] جوامع السیرة، ص: 32. [7] الطبقات لابن سعد: 53,52/8، السیرة لابن کثیر، ص: 177.

سودہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی وفات سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ان کی گردن پر اپنا پاؤں مبارک رکھا۔ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس خواب کا تذکرہ اپنے خاوند سے کیا تو انھوں نے قسم کھا کر اس کی یہ تعبیر بیان کی کہ اگر تمھارا خواب سچا ہے تو میں ضرور فوت ہو جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے شادی کریں گے۔ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اپنا خواب چھپائے رکھا، پھر انھوں نے ایک اور رات یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹکڑے ہو کر ان پر گرا جبکہ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے یہ خواب بھی اپنے خاوند کو بتایا تو انھوں نے قسم کھا کر یہی کہا: اگر تمھارا خواب سچا ہے تو میں تھوڑی دیر ہی زندہ رہوں گا، پھر فوت ہو جاؤں گا اور تم میرے بعد شادی کر لوگی۔

سکران رضی اللہ عنہ اسی دن بیمار ہو گئے، پھر تھوڑے دنوں بعد وفات پا گئے۔ [1] علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے ایک ہی بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ [2] لیکن امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور سمعانی نے کہا ہے کہ سکران رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ [3]

سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں

سکران رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ [4]
اس کی تفصیل یہ ہے کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات چیت کی اور یہ نکاح ہو گیا تو اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا خوب خیر و برکت فرمائی ہے!“

سودہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: وہ کیا ہے؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں ان کی طرف سے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔

یہ سن کر سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے یہ پسند ہے۔ تم میرے والد کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے اس پیغام کا تذکرہ کرو۔

سودہ رضی اللہ عنہا کے والد بوڑھے تھے۔ حج پر جانے سے معذور تھے۔ خولہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں۔ انھیں اس وقت کے

[1] الطبقات لابن سعد: 57,56/8. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 377/4. [3] تهذيب الأسماء للنووي: 613/2، الأنساب للسمعاني: 94/4. [4] الطبقات لابن سعد: 53/8.

مروجہ طریقے کے مطابق سلام کہا، انھوں نے دریافت کیا: کون ہے؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: میں خولہ بنت حکیم ہوں۔

انھوں نے پوچھا: کس کام سے آئی ہو؟

وہ کہنے لگیں: مجھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھیجا ہے۔ میں ان کی طرف سے سودہ کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔

یہ سن کر انھوں نے کہا: وہ ہم پلہ ہیں اور نہایت ہی معزز شخصیت ہیں۔ اس بارے میں تمھاری سہیلی سودہ رضی اللہ عنہا کیا کہتی ہیں؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ انھیں پسند کرتی ہیں۔

انھوں نے کہا: اسے میرے پاس بلا لاؤ۔

خولہ رضی اللہ عنہا نے سودہ رضی اللہ عنہا کو بلا لیا۔ ان کے والد نے ان سے کہا: بیٹی یہ (خولہ رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ انھیں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تم سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ ہم پلہ ہیں اور نہایت باوقار انسان ہیں۔ کیا تم پسند کرتی ہو کہ میں ان سے تمھاری شادی کر دوں؟

سودہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں!

ان کے والد نے کہا: انھیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) میرے پاس لے آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ان کے والد نے سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دی۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (500 درہم) حق مہر عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اتنا ہی حق مہر عطا فرمایا تھا۔[2] اس کے بعد جب سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد بن زمعہ حج کر کے ان کے پاس واپس آئے اور انھیں اس بات کا علم ہوا تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگے، پھر جب عبد بن زمعہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے قسم کھا کر کہا: بلاشبہ میں اس دن سخت نادان تھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے پر اپنے سر میں مٹی ڈال رہا تھا۔[3]

---

[1] مسند أحمد: 211/6. [2] صحیح مسلم: 1426. [3] مسند أحمد: 211/6.

سفرِ طائف

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب اور آپ کی رفیقۂ حیات ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں میں بہت شدت آگئی۔ رسول اللہ ﷺ بہت طویل عرصے سے مکہ میں رہ کر لوگوں کو پوری تندہی سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفارِ قریش آپ کی دعوت قبول نہیں کر رہے اور ظلم و سرکشی کی راہ میں بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں تو آپ بالکل مایوس اور ناامید نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے دباؤ میں آئے نہ ان سے کسی قسم کی کوئی مفاہمت کی بلکہ آپ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے مقام کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا پروگرام بنایا۔

بیرونِ مکہ تبلیغ کے لیے طائف کا انتخاب

بیرون مکہ تبلیغِ دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نظرِ انتخاب طائف شہر پر پڑی۔ طائف، مکہ کے جنوب مشرق میں

شہر طائف (سعودی عرب) کا ایک دلکش منظر

تقریباً پینسٹھ کلومیٹر (تقریباً چالیس میل) کے فاصلے پر ہے۔ یہ فاصلہ براہِ راست سڑک بننے کی وجہ سے مختصر ہوگیا ہے ورنہ پہلے یہ مسافت ایک سو بیس کلومیٹر (تقریباً پچھتر میل کے برابر) تھی۔[1] طائف پُر فضا پہاڑی سلسلے میں واقع ہے اور اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے حوالے سے مشہور ہے۔ اس شہر کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف 31:43)

''یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟''

ان دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ اور طائف تھی جیسا کہ مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، محمد بن کعب قُرظی، قتادہ، سُدّی اور ابن زید رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ ان دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ مکرمہ اور طائف تھی۔[2]

طائف میں بنوثقیف آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبدمناف کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال، بنوسلیم بن منصور سے تھی۔ بنوسلیم بن منصور اور بنوثقیف قیس عیلان کی اولاد میں سے ہیں۔[3] اس کے علاوہ بنوثقیف رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا (بنوسعد) کے چچا زاد بھی ہیں۔ اس طرح بنوثقیف

[1] سفرنامہ ارض القرآن، ص: 135. [2] تفسير الطبري، الزخرف 31:43. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 263-266.

طائف میں بنوثقیف کے آثار

رسول اللہ ﷺ کا سفرِ طائف
مکہ سے طائف
طائف سے مکہ واپسی
میقات
شہر
باغ
بستی
وادی (ندی)
جدید شاہراہ
مکہ مکرمہ
طائف
میقات
قرن المنازل
میقات
وادی محرم
سیل الکبیر
(قرن المنازل)
سیل الصغیر
باغ
عتبہ وشیبہ
الھدا
(عین زبیدہ)
بحیرۂ احمر سے صاف پانی کی پائپ لائن
شاہراہ طائف
شاہراہ الریاض
وادی وج
وادی العقیق
وادی محرم
کرا
المبیرز
الشریف
جبل کبکب
وادی اوطاس
شرائع
جعرانہ
زیمہ
وادی نخلہ یمانیہ
وادی نخلہ شامیہ
مضیق
ذات عرق
الدجیلہ
الریان
وادی فاطمہ
الجموم
شاہراہ مدینہ
وادی فاطمہ (مرّ الظہران)
شاہراہ جدہ
حدیبیہ
(شمیسی)
جبل ثور
مسجد خیف
منیٰ
مزدلفہ
مسجد نمرہ
عرفات
شداد
وادی عرنہ
جبل کبد
بئر عرنہ

رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ماموں تھے جیسا کہ امام مقریزی نے بھی انھیں آپ ﷺ کے اخوال (ماموں) قرار دیا ہے۔[1]

ثقیف عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ یہ دلیر، غیرت مند، وفادار اور معزز لوگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمنا تھی کہ بنوثقیف آپ کی مدد کریں اور آپ کو قریش کی زیادتیوں اور ایذاؤں سے بچائیں۔ آپ ﷺ کو یہ امید بھی تھی کہ آپ اللہ عزوجل کی طرف سے جو دینِ حنیف لائے ہیں، وہ اسے قبول کرلیں گے۔[2]

بنوثقیف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام

رسول اللہ ﷺ بعثت کے دسویں سال شوال کے آخر میں طائف کی طرف پیدل تشریف لے گئے۔[3] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ آپ ﷺ تن تنہا نکلے تھے۔[4] ابنِ سعد نے محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔[5] امام بلاذری اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔[6] رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنوثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: 1 عبدیالیل بن عمرو۔ 2 مسعود بن عمرو۔ 3 حبیب بن عمرو۔

ان میں سے ایک نے قریش کی ایک شاخ بنوجمح کی عورت سے شادی کی ہوئی تھی۔ امام صالحی نے اس عورت کا نام صفیہ بنت معمر نقل کیا ہے۔[7] رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بیٹھے، انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اسلام کے لیے آپ ﷺ کی مدد کریں اور آپ کی قوم کے ان لوگوں کے خلاف آپ کا ساتھ دیں جنھوں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے اپنی مصیبت کا اور کفارِ قریش نے آپ پر جو ظلم ڈھائے، اُن کا تذکرہ کیا۔ ان تینوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی اور آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ نے آپ کو رسول بنایا تو میں کعبے کا غلاف پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔

دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا جسے وہ رسول بناتا؟

تیسرا بولا: اللہ کی قسم! میں کبھی آپ سے بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں تو آپ کا مقام و مرتبہ اور حق اس سے کہیں بڑا ہے کہ میں آپ سے ہم کلامی کروں اور اگر آپ اللہ کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ سے بات کروں۔

---

1 إمتاع الأسماع: 45/1. 2 السيرة لابن هشام: 419/2. 3 الطبقات لابن سعد: 211/1، سبل الهدٰى والرشاد: 438/2.
4 السيرة لابن هشام: 419/2. 5 الطبقات لابن سعد: 211/1. 6 أنساب الأشراف: 273/1، الكامل لابن الأثير: 607/1.
7 سبل الهدٰى والرشاد: 438/2.

ان تینوں کے یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ بنوثقیف کی بھلائی سے مایوس ہوگئے۔ آپ نے ان تینوں سے یہ فرمایا:

«إِذَا فَعَلْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ فَاكْتُمُوا عَنِّي»

”تمھیں جو کرنا تھا، تم کر چکے، اب میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔“

نبی ﷺ یہ ناپسند کرتے تھے کہ آپ کی قوم (قریش) کو آپ کے بارے میں خبر پہنچے، اس لیے کہ وہ یہ خبر پا کر آپ کے خلاف اور زیادہ بھڑک اٹھیں گے لیکن بنوثقیف کے سرداروں نے آپ کی یہ بات بھی نہ مانی، انھوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور آپ نے ان سے جو کچھ فرمایا تھا، انھوں نے اسے ثقیف کے لوگوں میں پھیلا دیا۔[1]

نبی ﷺ طائف کے بازار میں

عبدالرحمٰن بن خالد عدوانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ بنوثقیف کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے آپ کو ثقیف کے مُشَرَّق بازار میں دیکھا۔ آپ ﷺ اپنی کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگائے کھڑے تھے، میں نے سنا کہ آپ سورۂ ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ آپ نے اس سورت کی تلاوت پوری کرلی۔ میں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں اس سورت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا، حالانکہ میں مشرک تھا، پھر میں نے مسلمان ہونے کے بعد اس کی تلاوت کی۔ مجھے ثقیف کے لوگوں نے بلایا اور پوچھا: ”تم نے اس شخص سے کیا سنا ہے؟“

میں نے انھیں سورۂ طارق پڑھ کر سنادی۔ ان کے ساتھ قریش کے جو لوگ موجود تھے، انھوں نے کہا: ہم اپنے صاحب کو زیادہ جانتے ہیں۔ اگر ہم جان لیتے کہ جو وہ کہتے ہیں، وہ حق ہے تو ہم ان کی پیروی کرنے لگتے۔[2]

طائف میں قیام کی مدت

ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس دن طائف میں ٹھہرے۔[3] لیکن امام قسطلانی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ وہاں ایک مہینہ رہے۔[4] علامہ زرقانی نے ان دونوں اقوال کے درمیان جمع و تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس دن طائف میں رہے اور باقی بیس دن طائف کے قرب و جوار اور راستے میں نقل و حرکت فرماتے رہے۔[5]

1 السيرة لابن هشام: 420,419/2، دلائل النبوة للبيهقي: 415/2، دلائل النبوة لأبي نعيم: 295/1. 2 مسند أحمد: 335/4.
3 الطبقات لابن سعد: 212/1. 4 المواهب اللدنية: 267/1. 5 شرح الزرقاني على المواهب: 50/2.

اہلِ طائف کا وحشیانہ سلوک

رسول اللہ ﷺ طائف میں قیام کے دوران وہاں کے ہر بڑے آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور اللہ کی بندگی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی۔ انھیں (آپ ﷺ کی طرف سے) اپنے نوجوانوں کے بارے میں یہ خدشہ لاحق ہوگیا، مبادا وہ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کا ساتھ دینا شروع کر دیں۔ انھوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور اس جگہ چلے جائیں جہاں آپ کو پذیرائی ملتی ہے۔[1] انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کو آپ کے شہر والوں نے اور آپ کی قوم نے پسند نہیں کیا اور آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ ہمارے پاس چلے آئے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے، آپ کی بات رد کرنے اور آپ سے برا سلوک کرنے میں (آپ کی قوم سے بھی) زیادہ سخت ہیں۔[2]

اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے بیوقوفوں، شریروں اور غلاموں کو نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور آپ پر آوازیں کسنے لگے۔[3] وہ آپ ﷺ کے راستے میں دو صفیں بنا کر بیٹھ گئے، انھوں نے ہاتھوں میں پتھر پکڑ لیے۔ جب آپ ان کی صفوں کے درمیان سے گزرے تو انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ آپ جونہی ایک قدم اُٹھاتے اور دوسرا قدم آگے رکھتے تو وہ آپ پر پتھر برساتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔[4]

آلِ ربیعہ کے باغ میں

سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پتھر لگنے سے شدید درد اور تکلیف ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے، وہ لوگ آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دوبارہ کھڑا کر دیتے، آپ چلتے تو وہ دوبارہ آپ پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ وہ آپ کی تکلیف دیکھ کر خوب ہنستے تھے۔[5] پتھروں کی لگاتار ضرب سے رسول اللہ ﷺ کی دونوں ٹانگیں لہولہان ہوگئیں، آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین اور جوتے خون آلود ہوگئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے رسول اللہ ﷺ کو پتھروں سے بچاتے تھے۔ اس طرح ان کے سر پر کئی زخم لگے۔[6]

طائف کے لوگ مسلسل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ طائف سے اس باغ کا فاصلہ تین میل (تقریباً پانچ

---

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1. [2] أنساب الأشراف: 273/1. [3] السيرة لابن هشام: 420/2. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 415/2، دلائل النبوة لأبي نعيم: 296/1. [5] سبل الهدٰى والرشاد: 438/2. [6] الطبقات لابن سعد: 212/1، المواهب اللدنية: 267/1.

کلو میٹر) تھا۔[1] عتبہ اور شیبہ دونوں اس وقت باغ میں موجود تھے۔ وہاں سے بنوثقیف کے وہ بیوقوف لوگ جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے، واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ انگور کی ایک بیل کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اہل طائف کے بیوقوفوں اور شریروں سے آپ کو جو تکلیف پہنچی، وہ اس کا بھی مشاہدہ کر رہے تھے۔[2] آپ ﷺ بے حد غمگین، پریشان اور درد میں مبتلا تھے۔ آپ کی دونوں ٹانگوں سے خون بہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے باغ میں عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو ان کے پاس تشریف لے جانا پسند نہ فرمایا کیونکہ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو عداوت تھی، آپ اسے جانتے تھے۔[3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنوجمح (قریش کی ایک شاخ) کی عورت سے ملے۔ وہ بنوثقیف کے تین سردار بھائیوں میں سے ایک کی زوجیت میں تھی، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«مَاذَا لَقِينَا مِنْ أَحْمَائِكِ»

''(دیکھو) ہمیں تمھارے دیوروں سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔''

طائف کے کسی ایک مرد یا عورت نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔[4] اہلِ طائف نے آپ کو جتنا ستایا اور جس قدر ایذائیں پہنچائیں، وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو اتنی چوٹیں لگیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، زید رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دیے گئے تو آپ ﷺ کو ہوش آیا۔[5]

زبردست صدمے کی حالت میں دعا

طائف میں پیش آنے والی ان شدید تکلیفوں، بے پناہ ایذاؤں اور ایک بھی شخص کے مسلمان نہ ہونے کے صدمے کے باعث سخت دل گرفتگی کے عالم میں بھی رسول اللہ ﷺ کا قلب اطہر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس ذات اقدس سے شدید محبت کے جذبات سے لبریز تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے یہ جذبات درج ذیل دعائیہ الفاظ میں ڈھل گئے:

«اَللّٰهُمَّ! إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَ أَنْتَ رَبِّي، إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلٰى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي؟ أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ

[1] الرحيق المختوم، ص: 125. [2] السيرة لابن هشام: 420/2. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم: 296/1، دلائل النبوة للبيهقي: 415/2. [4] الطبقات لابن سعد: 212/1. [5] رحمۃ للعالمین: 93/1.

بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

''اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جسے تو میرے معاملے کا مالک بنائے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوئیں اور جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہوا کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔ مجھے تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ہی بخشی ہوئی توفیق سے نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت نصیب ہوتی ہے۔''[1]

عتبہ اور شیبہ نے خدمت نبوی میں انگور بھیجے

ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہلِ طائف کے اس وحشیانہ سلوک کو دیکھا تو ان کے خونِ قرابت نے جوش مارا، انھوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو بلایا، اس کا نام عدّاس تھا۔ یہ نینوی کا رہنے

[1] السيرة لابن هشام: 420/2، المعجم الكبير للطبراني: 346/25.

قلعہ باشطابیا، موصل (عراق)

والا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: اس انگور (کی بیل) سے ایک خوشہ لے کر اس طباق میں رکھو، پھر اسے اس شخص (محمد ﷺ) کی خدمت میں لے جاؤ اور انھیں کہو کہ اسے تناول فرمائیں۔

عدّاس نے انگور کا خوشہ لے جا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور آپ سے کہا کہ کھائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انگور کھانے شروع کیے تو پہلے بسم اللہ پڑھی، پھر کھائے۔

عداس سے مکالمہ

عداس نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بِسْمِ اللّٰہ سنی تو بڑے غور سے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا، پھر کہا: اللہ کی قسم! اس شہر کے رہنے والے تو یہ کلام نہیں کہتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«وَمِنْ أَهْلِ أَيِّ الْبِلَادِ أَنْتَ يَا عَدَّاسُ! وَمَا دِينُكَ؟»

''اے عداس! تم کون سے شہر کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟''

عداس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ قَرْيَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى»

''(اچھا! تو تم) نیک آدمی یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے باشندے ہو۔''

عداس آپ ﷺ کی یہ بات سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہیں؟

سلیمان تیمی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عداس نے یہ بھی کہا: اللہ کی قسم! میں نینویٰ سے نکلا تھا تو وہاں دس افراد بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے ہوں کہ (یونس بن) متی کون ہیں، پھر آپ کو ان کے بارے میں کیسے علم ہوا جبکہ آپ اُمّی ہیں اور اُمّی امت میں رہ رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

حضرت یونس علیہ السلام سے منسوب مسجد (موصل)

«ذَاكَ أَخِي، كَانَ نَبِيًّا وَّ أَنَا نَبِيٌّ»

''وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔'' [1]

عداس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کا پیغام پہنچانے کے معاملے میں کسی کو بھی حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ آپ بلاامتیاز ہر ایک کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا تھا، آپ نے عداس کو اس سے آگاہ کیا تو وہ فوراً آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا اور آپ کے دونوں قدموں کو چومنے لگا، حالانکہ آپ ﷺ کے قدم مبارک سے خون بہ رہا تھا۔ [2]

گزشتہ شریعتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا جیسے کہ قرآن میں ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا۔ (یوسف 12:100) مگر شریعتِ اسلامیہ میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلُحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''کسی انسان کے لائق نہیں کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے کسی انسان کو سجدہ کرنا ٹھیک ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، اس لیے کہ خاوند کا اس پر بہت بڑا حق ہے۔'' [3]

ابن ہشام نے یہ نقل کیا ہے کہ عداس رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر جھک گیا اور آپ کے سر، ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگا۔ [4]

عتبہ اور شیبہ کی عداس کو تنبیہ

عتبہ اور اس کے بھائی شیبہ نے اپنے غلام کو رسول اللہ ﷺ کی یہ تعظیم و تکریم کرتے دیکھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: انھوں نے تمھارے غلام کو خراب کر دیا ہے۔

[1] السيرة لابن هشام: 421/2، الروض الأنف: 234/2. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 416/2. [3] مسند أحمد: 159,158/3.
[4] السيرة لابن هشام: 421/2.

امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ یہ دیکھ کر دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جب عداس رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو ان دونوں نے کہا: عداس! تمھارا ستیاناس ہو! تمھیں کیا ہوا؟ تم نے محمد (ﷺ) کو سجدہ کیا اور ان کے سر، ہاتھوں اور قدموں کو بوسہ دیا ہے۔ ہم نے تو تمھیں اپنے میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے نہیں دیکھا۔

یہ سن کر عداس رضی اللہ عنہ بولے: یہ ایک نیک آدمی ہیں۔ روئے زمین پر کوئی چیز ان سے بہتر نہیں، انھوں نے مجھے ایک رسول کے بارے میں ایسی بات کی خبر دی ہے جس سے میں واقف تھا۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف مبعوث فرمایا تھا اور اس کا نام یونس بن متی (علیہ السلام) ہے۔

عتبہ اور شیبہ ان کی یہ بات سن کر ہنسے اور ان سے کہا: دیکھو! کہیں یہ تمھیں تمھاری عیسائیت سے نہ پھیر دے کیونکہ یہ آدمی دھوکے باز ہے (نعوذ باللہ)۔ تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عداس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ سلیمان تیمی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ عداس نے نبیِ اکرم ﷺ سے کہا:

«أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[2]

ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی انھیں صحابہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔[3] امام قسطلانی اور یعقوبی وغیرہ نے بھی یہی صراحت کی ہے کہ عداس مسلمان ہو گئے تھے۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ (غزوۂ بدر کے موقع پر) عداس رضی اللہ عنہ ثنیۂ بیضاء (مکہ کے قریب ایک گھاٹی)[5] پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ لوگ اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ جب عداس رضی اللہ عنہ نے عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو جست لگا کر ان کی طرف بڑھے اور ان دونوں کی ٹانگیں پکڑ کر کہنے لگے: ''میرے ماں باپ تم پر قربان! اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اب تم دونوں اپنے مقتل کی طرف ہانکے جا رہے ہو۔''

عاص بن ربیعہ عداس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، اس نے عداس کو روتے دیکھا تو پوچھا: تمھیں کیا ہوا؟

عداس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے اور اس وادی کے دو سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ وہ اللہ کے رسول (ﷺ)

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 416/2، السيرة لابن هشام: 421/2. [2] الإصابة: 386,385/4. [3] أسدالغابة: 230/3. [4] المواهب اللدنية: 269/1، تاريخ اليعقوبي: 24/2، الإكمال (حاشية): 193/6. [5] معجم البلدان: 85/2.

سے قتال کرنے کے لیے نکل رہے ہیں۔

عاص نے پوچھا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں؟

یہ سوال سُن کر عداس رضی اللہ عنہ کو شدید جھٹکا لگا، ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، انھوں نے روتے ہوئے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔ [1]

واقدی نے ایک دوسری سند سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عداس رضی اللہ عنہ نے عتبہ اور شیبہ کو مکہ سے نکلنے سے روکا لیکن انھوں نے عداس رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی۔ عداس رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکلے اور بدر میں قتل کر دیے گئے۔ واقدی نے کہا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بدر میں قتل نہیں ہوئے بلکہ واپس مکہ آئے اور وہاں فوت ہوئے۔ [2] مسعودی نے لکھا ہے کہ وہ بدر کے دن عیسائیت ہی پر قتل ہوئے۔ [3] لیکن زیادہ معروف اور معتبر بات یہی ہے کہ عداس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب .

طائف سے واپسی پر جبریل علیہ السلام کی آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ و شیبہ کے باغ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ [4] چلتے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرن ثعالب پہنچے، یہ اہل نجد کی میقات ہے۔ اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ سے 80 کلومیٹر اور طائف سے

[1] الإصابة:386/4. [2] المغازي للواقدي:48/1. [3] مروج الذهب:71/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي:416/2.

مسجد میقات قرن المنازل (السیل الکبیر)

53 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[1] یہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: تمھاری قوم کی طرف سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، ان سب سے سخت تکلیف مجھے عَقَبَہ کے دن پہنچی تھی جب میں عبد یالیل بن عبد کُلال کے بیٹے کے پاس گیا اور اسے دعوتِ اسلام دی مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں رنج و غم کی حالت میں اپنے رخ پر چل پڑا۔ مجھے قرنِ ثعالب پہنچ کر افاقہ ہوا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ»

''آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا ہے اور آپ کو جو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اسے ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔''

پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، سلام کیا اور کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَ أَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ»

''اے محمد! آپ کی قوم نے آپ کو جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً اللہ نے سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم دیں۔ اب آپ جو چاہیں گے (میں وہی کروں گا)۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان (گستاخ) لوگوں کو دو سنگین پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں گا۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتے سے فرمایا:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

''بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ ہی کی عبادت کریں

[1] معجم المعالم الجغرافية، ص:254.

گے۔اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔'' [1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول اس حدیث میں أَخْشَبَيْن سے مراد مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ابوقبیس اور اس کے بالمقابل قعیقعان ہیں۔انھیں ان کی مضبوطی اور پتھروں کے سخت ہونے کی وجہ سے اخشبین کا نام دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں اس حدیث میں ابن عبد یالیل بن عبد کُلال کا تذکرہ ہوا ہے۔عبدکلال کا نام کنانہ تھا اور عبد یالیل کا نام مسعود بتایا جاتا ہے۔ابن عبد یالیل بنوثقیف کے سرداروں میں سے تھا۔اہلِ مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس سے گفتگو فرمائی تھی، وہ خود عبد یالیل تھا۔اہلِ نسب کے نزدیک عبدکُلال،عبد یالیل کا بھائی ہے، نہ کہ اس کا والد اور عبد یالیل،عمرو بن عمیر بن عوف کا بیٹا ہے۔ [2]

امام بلاذری نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقبہ کے تین بیٹوں: کنانہ،حبیب اور عمرو کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف پہنچ کر ان تینوں سے گفتگو کی تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ [3]

امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے ایک مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے مجھ سے کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَهٰذَا مَلَكُ الْجِبَالِ قَدْ أَرْسَلَهُ إِلَيْكَ وَ أَمَرَهُ أَلَّا يَفْعَلَ شَيْئًا إِلَّا بِأَمْرِكَ»

''اے محمد! بے شک آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے۔یہ (میرے ساتھ) پہاڑوں کا فرشتہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ یہ آپ کے حکم کے بغیر کچھ نہ کرے۔''

---

[1] صحيح البخاري: 7389,3231، صحيح مسلم: 1795 واللفظ له. [2] فتح الباري: 6/379، 380، شرح الزرقاني على المواهب: 2/51. [3] أنساب الأشراف: 13/441,440.

حرم مکہ اور جبلِ ابوقبیس

پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ سے کہا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَلَّا أَفْعَلَ شَيْئًا إِلَّا بِأَمْرِكَ، إِنْ شِئْتَ دَمْدَمْتُ عَلَيْهِمُ الْجِبَالَ، وَ إِنْ شِئْتَ رَمَيْتُهُمْ بِالْحَصْبَاءِ، وَ إِنْ شِئْتَ خَسَفْتُ بِهِمُ الْأَرْضَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے امر کے بغیر کچھ نہ کروں۔ اگر آپ چاہیں تو میں (آپ کو ستانے والے) لوگوں کو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں۔ اگر چاہیں تو میں ان پر سنگ ریزوں کی بارش کر دوں اور اگر چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دوں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَامَلَكَ الْجِبَالِ! فَإِنِّي آتِي بِهِمْ، لَعَلَّهُمْ أَنْ تَخْرُجَ ذُرِّيَّةٌ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''اے پہاڑوں کے فرشتے! یقیناً میں ان کے پاس جاؤں گا (اور انھیں دعوت دوں گا) شاید ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔''

آپ ﷺ کا یہ جواب سن کر اس فرشتے نے عرض کی:

«أَنْتَ كَمَا سَمَّاكَ رَبُّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ»

''آپ نہایت شفیق اور بہت مہربان ہیں جیسا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کا نام رکھا ہے۔''[1]

جبریل علیہ السلام اور پہاڑوں کے فرشتے کی آمد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم، نصرت اور بڑی تسلی کا سامان تھا۔ آپ ﷺ نے فرشتے کو جو جواب دیا، اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے مخالفین سے بھی نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو شدید اذیتیں پہنچائیں اور آپ کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی انتہا کر دی، پھر بھی آپ نے ان کے لیے عذاب کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یہ امید ظاہر فرمائی کہ اگر یہ لوگ توحید باری تعالیٰ کا اقرار نہیں کر رہے تو ان کی اولاد کو اس کی توفیق مل جائے گی، اس لیے کہ آپ ﷺ کا نصب العین صرف یہی تھا کہ لوگ کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ توحید کی طرف آئیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

وادیِ نخلہ میں جنوں کی آمد

طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے وادیِ نخلہ میں پہنچ کر وہاں پڑاؤ ڈالا، آپ یہاں کئی دن مقیم رہے۔[2]

[1] تفسير ابن أبي حاتم، التوبة 9: 128 [2] الطبقات لابن سعد: 212/1.

وادیٔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ اس وادی میں رات کو کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نصیبین کے سات جنوں کو وہاں بھیج دیا۔ آپ ﷺ سورۂ جن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی تلاوت غور سے سنی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹ گئے، وہ ایمان لے آئے تھے اور انھوں نے جو سنا، اسے قبول کرلیا

[1] فتح الباري:8/860.

مسجد جن (مکہ مکرمہ)
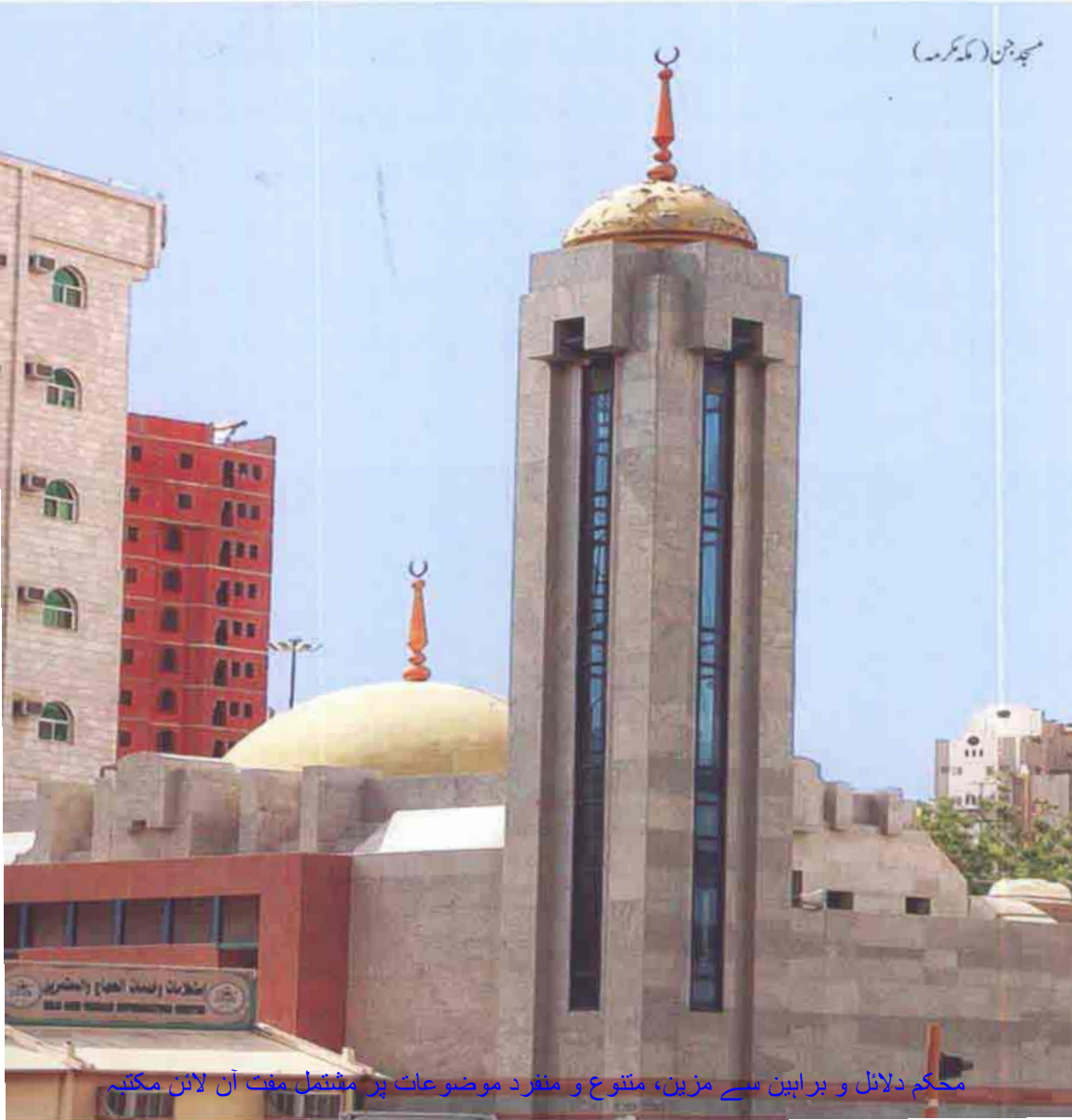
تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کا بالکل پتہ نہیں چلا حتی کہ آپ پر یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝ قَالُوا يَٰقَوْمَنَآ إِنَّا سَمِعْنَا كِتَٰبًا أُنزِلَ مِنۢ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيٓ إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَٰقَوْمَنَآ أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَءَامِنُوا بِهِۦ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ ﴾ (الأحقاف 46:29-31)

”اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف پھیر دی جبکہ وہ قرآن غور سے سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں۔ وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! تم اللہ کے داعی کی بات قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، وہ تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں نہایت دردناک عذاب سے بچالے گا۔“ [1]

ابن ہشام نے اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے سورۂ جن کی تلاوت فرمانے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ آخر میں

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1، الکامل لابن الأثیر: 608/1۔

نصیبین (ترکی) میں کلیسا سینٹ جیکب کے آثار

سورۂ احقاف کی مذکورہ آیاتِ مبارکہ کے ساتھ سورۂ جن کا تذکرہ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے نزدیک اس واقعے کے بعد سورۂ جن کا نزول ہوا۔ جنوں کے قرآنِ مجید سننے کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے اور اس میں اس موقع پر سورۂ جن کے نازل ہونے کا بھی ذکر ہے۔ [1] لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ وہ طائف سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ علامہ زرقانی نے اس میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح بخاری والا واقعہ بعثت کے بعد پہلی مرتبہ (جنوں کے قرآن سننے) کا واقعہ تھا جیسا کہ اس روایت کے الفاظ سے واضح ہے (سورۂ جن اسی موقع پر نازل ہوئی تھی) اور یہ (نبی ﷺ کی طائف سے واپسی پر جنوں کا قرآن سننا) کچھ مدت بعد کا واقعہ ہے۔ [2]

جنوں کا آکر قرآنِ مجید کی تلاوت سننا اور ایمان لے آنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظیم نصرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے آپ ﷺ کی ہمت بندھائی۔ جنوں کے اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے بھی عبرت و نصیحت ہے جنھوں نے قرآن مجید سن کر بھی اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا۔ جنوں کی یہ جماعت قرآن مجید کی تلاوت سن کر نہ صرف ایمان لے آئی بلکہ اپنی قوم کو بھی دین حق کی دعوت دینے لگی۔

کوہِ حراء کے دامن میں قیام

رسول اللہ ﷺ نے واپس مکہ تشریف لے جانے کا پختہ ارادہ فرما لیا تھا تا کہ آپ وہاں جا کر پھر سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ انھوں نے عرض کی: آپ قریش کے پاس کیسے جائیں گے۔ انھوں نے تو آپ کو نکال دیا ہے؟

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«يَا زَيْدُ! إِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لِّمَا تَرٰى فَرَجًا وَّمَخْرَجًا، وَ إِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُ دِينِهِ وَ مُظْهِرُ نَبِيِّهِ»

''اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نکلنے کی کوئی راہ ضرور پیدا کرے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والا اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ وادیِ نخلہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب حراء پہاڑ تک پہنچ کر رک گئے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے پناہ طلب فرمائی

نبی ﷺ کو مکہ کے قریب پہنچ کر اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ کفارِ قریش آپ کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ سخت

---

[1] صحيح البخاري:4921,773، صحيح مسلم:449. مزید دیکھیے باب بعثت نبوی کے تحت عنوان ''تحقیق حال کو جانے والے جن مسلمان ہو گئے۔'' [2] شرح الزرقاني على المواهب:157/2، مزید دیکھیے: السيرة الحلبية:58/2-68. [3] الطبقات لابن سعد:212/1.

ہوگئے ہیں، اس لیے کہ یہ بات یقینی تھی کہ کفارِ قریش کو آپ کے طائف جانے کا اور اہلِ طائف کے آپ سے ظالمانہ سلوک کا علم ہو چکا تھا، لہٰذا اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ مشرکین مکہ آپ کو کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوں۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے پناہ حاصل کرنے کے سلسلے میں خزاعہ کے ایک شخص کو قاصد بنایا۔[1] امام ابن کثیر نے (سعید بن یحییٰ بن سعید) اموی کی کتاب مغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کو قاصد بنایا۔[2] لیکن امام طبری نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ اہلِ مکہ کے ایک شخص کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

«هَلْ أَنْتَ مُبَلِّغٌ عَنِّي رِسَالَةً أُرْسِلُكَ بِهَا؟»

''میں تمھیں ایک پیغام دے کر بھیجوں تو کیا تم میری طرف سے وہ پیغام پہنچا دو گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ الْأَخْنَسَ بْنَ شَرِيقٍ فَقُلْ لَّهُ: يَقُولُ لَكَ مُحَمَّدٌ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟»

''اخنس بن شریق کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے پوچھتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں؟''

وہ شخص اخنس کے پاس آیا اور اسے یہ پیغام دیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو حلیف ہوں اور حلیف کسی قریشی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

اس شخص نے واپس آ کر آپ ﷺ کو ساری بات بتا دی۔ آپ نے اس سے پوچھا:

«تَعُودُ؟» ''تم دوبارہ جاؤ گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فَقُلْ لَّهُ: إِنَّ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَكَ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي؟»

''سہیل بن عمرو کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے یہ کہتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دوں؟''

وہ سہیل کے پاس گیا اور اسے یہ پیغام پہنچایا۔ سہیل بن عمرو، بنو عامر بن لؤی میں سے تھا۔[3] اس نے جواب

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1. [2] البداية والنهاية: 135/3. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 166.

دیا: بنو عامر بن لؤیّ، بنوکعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتے۔

اس شخص نے واپس آکر آپ ﷺ کو اس کے جواب سے آگاہ کیا۔

رسولِ اکرم ﷺ مطعم بن عدی کی پناہ میں

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پھر دریافت فرمایا:

«تَعُودُ؟» ''کیا تم واپس جاؤ گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ الْمُطْعِمَ بْنَ عَدِيٍّ فَقُلْ لَهُ: إِنَّ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَكَ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي؟»

''مطعم بن عدی کے پاس جاؤ۔ اس سے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے کہتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے حتی کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دوں؟''

مطعم نے جواب دیا: ٹھیک ہے۔ وہ تشریف لے آئیں۔

اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آکر آپ کو اس معاملے کی خبر دی۔[1] نبی ﷺ نے یہ رات مطعم کے ہاں بسر کی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں اور قوم کو بلایا اور کہا: ''تم ہتھیار پہن لو اور بیت اللہ کے ارکان (کناروں) کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے یہاں تک کہ مسجد الحرام میں پہنچ گئے۔ مطعم بن عدی اپنے سواری کے اونٹ پر کھڑا ہو گیا اور بلند آہنگی سے یہ اعلان کیا: ''اے قریش کی جماعت! یقیناً میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی ان کی ہجو نہ کرے۔''

رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے، اسے بوسہ دیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر اپنے گھر تشریف لے آئے، اس دوران مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے رسول اللہ ﷺ کو چاروں طرف سے حفاظتی گھیرے میں گھیر رکھا تھا۔[2]

امام ابن کثیر نے سعید بن یحییٰ اموی سے نقل کیا ہے کہ مطعم بن عدی کے پناہ دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس

[1] البداية والنهاية: 135/3، تاريخ الطبري: 82/2. [2] الطبقات لابن سعد: 212/1.

کے پاس تشریف لے گئے اور وہ رات اسی کے ہاں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ یا سات بیٹے اپنی گردنوں میں تلواریں لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: آپ طواف کیجیے! وہ اپنی تلواروں کے پٹے لپیٹ کر اور خوب چاق چوبند ہو کر مطاف میں بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان مطعم کے پاس آیا اور دریافت کیا: تم نے انھیں پناہ دی ہے یا ان کے پیروکار بن گئے ہو؟

مطعم نے جواب دیا: صرف پناہ دی ہے۔

ابوسفیان بولا: پھر تم سے بے وفائی نہیں کی جائے گی۔

ابوسفیان مطعم کے پاس بیٹھ گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف مکمل کر لیا۔ جب آپ واپس تشریف لے جانے لگے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آئے اور ابوسفیان واپس اپنی مجلس کی طرف چلا گیا۔[1] امام طبری نے ابن اسحاق کے حوالے سے، نیز ابن اثیر اور ابن جوزی نے یہاں ابوسفیان کے بجائے ابوجہل کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے مطعم سے یہ ساری گفتگو کی تھی۔[2]

امام بلاذری نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منگل کے دن تیئیس (23) ذوالقعدہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔[3]

مطعم کے حسنِ سلوک کی قدر شناسی

رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مطعم بن عدی کا انتقال ہو گیا۔ مطعم نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی پر پناہ دینے کے علاوہ بائیکاٹ کی ظالمانہ دستاویز کو چاک کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ فوت ہوا تو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا مرثیہ پڑھا۔[4] رسول اللہ ﷺ تو ویسے ہی بہت قدر دان تھے۔ آپ نے مطعم بن عدی کے ان احسانات کو اچھی طرح یاد رکھا۔ غزوۂ بدر میں جب کفار و مشرکین قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

«لَوْكَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ»

"اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔"[5]

---

[1] البداية والنهاية: 135/3. [2] تاريخ الطبري: 82/2، الكامل لابن الأثير: 608/1، المنتظم: 15/3. [3] أنساب الأشراف: 274/1. [4] البداية والنهاية: 136,135/3. [5] صحيح البخاري: 3139 و4024.

عتبہ بن ربیعہ کی طرف سے نبی ﷺ کی حمایت

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد ایک روز مسجد الحرام میں تشریف لائے۔ مشرکین کعبہ کے پاس موجود تھے۔ ابوجہل نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بولا: ''اے بنوعبد مناف! یہ تمھارے نبی ہیں!'' اس کی یہ بات سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا: تم اس چیز کا انکار نہیں کر سکتے کہ ہم میں سے نبی یا بادشاہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی یا آپ نے یہ سنا تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ يَا عُتْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! فَوَاللّٰهِ! مَا حَمَيْتَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلٰكِنْ حَمَيْتَ لِأَنْفِكَ، وَ أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ! فَوَاللّٰهِ! لَا يَأْتِي عَلَيْكَ غَيْرُ كَبِيرٍ مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى تَضْحَكَ قَلِيلًا وَّتَبْكِيَ كَثِيرًا، وَ أَمَّا أَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ الْمَلَإِ مِنْ قُرَيْشٍ! فَوَاللّٰهِ! لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ غَيْرُ كَبِيرٍ مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى تَدْخُلُوا فِي مَا تُنْكِرُونَ وَ أَنْتُمْ كَارِهُونَ»

''اے عتبہ بن ربیعہ! اللہ کی قسم! تو نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے حمایت نہیں کی بلکہ اپنی ناک کے لیے حمایت کی ہے۔ اے ابوجہل بن ہشام! اللہ کی قسم! تجھ پر زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ تو تھوڑا ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔ اے قریش کے سرداروں کی جماعت! اللہ کی قسم! تم پر زیادہ مدت نہیں گزرے گی کہ تم اس (اسلام) میں داخل ہو جاؤ گے جس کا تم انکار کرتے ہو جبکہ تم ناپسند کرنے والے ہو گے۔''

چنانچہ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ٹھیک وہی حالات پیش آ گئے جو آپ ﷺ نے بیان فرمائے تھے۔[1]

[1] تاريخ الطبري: 83,82/2، الكامل لابن الأثير: 608/1.

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ واپس تشریف لانے کے بعد پورے زور شور سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ حج کے موسم کی آمد آمد تھی۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے دور ونزدیک ہر جگہ سے لوگ پیدل اور سوار ہوکر آرہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ لوگ جب بھی حج کے موسم میں اکٹھے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ آپ ان کے سامنے اپنی منصبی حیثیت واضح فرماتے اور جو ہدایت و رحمت آپ اللہ کے پاس سے لائے تھے، اسے پیش فرماتے۔ آپ ﷺ عرب کے کسی نامی گرامی شخص کی مکہ آمد کی خبر سنتے تو اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ اسے اللہ کی طرف بلاتے اور جو کچھ آپ کے پاس تھا، اس کے سامنے پیش فرماتے۔ [1]

حج کے موسم میں دعوت دینے کا یہ سلسلہ آپ ﷺ نے بعثت کے چوتھے سال ہی سے شروع فرما دیا تھا۔ [2]

ہر قبیلے سے حمایت کا مطالبہ

نبی ﷺ قبائلِ عرب کو اپنی دعوت قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور اپنی حفاظت کے سلسلے میں فرماتے تھے:

«لَا أُكْرِهُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلٰى شَيْءٍ، مَنْ رَّضِيَ الَّذِي أَدْعُوهُ إِلَيْهِ قَبِلَهُ، وَمَنْ كَرِهَهُ لَمْ أُكْرِهْهُ، إِنَّمَا أُرِيدُ أَنْ تَحُوزُونِي مِمَّا يُرَادُ بِي مِنَ الْقَتْلِ فَتَحُوزُونِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي وَ يَقْضِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِي وَلِمَنْ صَحِبَنِي بِمَا شَاءَ»

''میں تم میں سے کسی کو بھی کسی چیز پر مجبور نہیں کرتا۔ جو اس چیز کو پسند کرے جس کی طرف میں اسے دعوت دیتا ہوں، وہ اسے قبول کر لے اور جو اسے ناپسند کرے، میں اسے مجبور نہیں کروں گا۔ بلاشبہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے قتل کا جو ارادہ کیا جا رہا ہے، تم اس صورتِ حال کے پیشِ نظر میری حفاظت کرو یہاں تک کہ میں

[1] السيرة لابن هشام:425/2. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم:292/1.

اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دوں اور اللہ عزوجل میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے جو چاہے، فیصلہ صادر فرما دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے جن قبائل اور افراد کو دینِ حق کی دعوت دی، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

بنوکندہ کو تبلیغ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«لَا أَرٰى لِي عِنْدَكَ وَلَا عِنْدَ أَخِيكَ مَنَعَةً، فَهَلْ أَنْتَ مُخْرِجِي إِلَى السُّوقِ غَدًا حَتّٰى تُعَرِّفَنِي مَنَازِلَ قَبَائِلِ النَّاسِ؟»

''میں آپ اور آپ کے بھائی (ابولہب) کے پاس اپنے دفاع کی قوت نہیں پاتا۔ کیا آپ کل مجھے بازار کی طرف لے چلیں گے تاکہ آپ مجھے لوگوں کے قبیلوں کی جائے قیام بتا دیں؟''

یہ جائے قیام ہی عرب کی اجتماع گاہیں تھیں۔ میں نے (اگلے روز رسول اللہ ﷺ کو مختلف قبیلوں کی قیام گاہیں بتاتے ہوئے) کہا: یہ کندہ اور ان کی جماعت ہے، یہ یمن سے حجِ بیت اللہ کے لیے آنے والوں میں افضل ترین لوگ ہیں۔ یہ بکر بن وائل کی قیام گاہیں ہیں، یہ بنو عامر بن صعصعہ کے ڈیرے ہیں۔ آپ اپنے لیے کسی کو بھی منتخب کر لیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے کندہ سے آغاز فرمایا۔[2] ابنِ اسحاق نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ کندہ میں ان کا سردار مُلَیح بھی موجود تھا۔[3] عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

«مِمَّنِ الْقَوْمُ؟» ''تم لوگوں کا تعلق کن سے ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: اہلِ یمن سے۔

آپ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ الْيَمَنِ؟»

''یمن کے کس قبیلے سے؟''

انھوں نے کہا: ''کندہ سے۔''

آپ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ كِنْدَةَ؟»

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:295/1. [2] البداية والنهاية (محقق):387/3. [3] السيرة لابن هشام:424/2.

نبی ﷺ کی حج کے موقع پر
قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت
قبائل عرب کی آمد
سوید اور ایاس کی یثرب سے آمد
مکہ
یثرب (مدینہ منورہ)
جدہ
طائف
خیبر
تیماء
مدائن صالح
تبوک
غسان
معان
عقبہ
ایلہ
سیناء
قلزم
عین شمس
(ہیلیوپولس)
مصر
دریائے نیل
نوبیہ (سودان)
دومۃ الجندل
صحرائے نفود کبریٰ
عراق
ابلہ
فارس (ایران)
اصطخر
بوشہر
بندر عباس
الخلیج العربی
(خلیج فارس)
دلمون
دارین
البحرین
دبا
صحار
خلیج عمان
عمان
ازد
جلندیہ
یمامہ
شیبان
بکر
بنوکلب
طے
اسد
عبس
بابلہ
بنوتغلب
عبدقیس
بنوحنیفہ
فزارہ
بنوسلیم
عامر
بنومحارب
ہذیل
ازد السراۃ
نجد
بنویربوع
عذرہ
بلی
ینبع
بحیرۂ قلزم (احمر)
بجیلہ
قارہ
عضل
الربع الخالی
کندہ
مراد حمیر
اشعر
تہامہ
عسیر
نجران
زبید
مأرب
صنعاء
یمن
ہمدان
کہف خبان
مخا
تعز
عدن
خلیج عدن
حبشہ
بنوحضارمہ
حضرموت
مہرہ
ظفار
بحیرۂ عرب
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
0

''کندہ کی کس شاخ سے؟''

انھوں نے کہا: بنو عمرو بن معاویہ سے۔

آپ نے دریافت فرمایا: «فَهَلْ لَكُمْ إِلٰى خَيْرٍ؟»

''کیا تمھیں بھلائی کی کوئی رغبت ہے؟''

انھوں نے پوچھا: وہ (بھلائی) کیا ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا:

«تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَ تُقِيمُونَ الصَّلَاةَ، وَ تُؤْمِنُونَ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ»

''تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو اور جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ۔''

راوی عبداللہ بن اجلح کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اپنی قوم کے بعض عمر رسیدہ لوگوں کی یہ روایت بیان کی کہ بنوکندہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اگر آپ غالب آجائیں تو کیا ہمیں بادشاہت دیں گے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْمُلْكَ لِلّٰهِ يَجْعَلُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

''بے شک بادشاہت اللہ کے لیے ہے، وہ جہاں چاہتا ہے، اسے رکھتا ہے۔''

یہ سن کر انھوں نے کہا: آپ جو لائے ہیں، ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ کلبی کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے معبودوں (کی پوجا) سے روک دیں اور ہم عرب سے قطع تعلق کر لیں۔ آپ اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں، ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔[1]

ایک اور روایت میں محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے کندہ کے ایک شخص یوسف نے اپنی قوم کے عمر رسیدہ لوگوں کے حوالے سے یہ بات بیان کی کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ کچی آبادیوں اور کھجور کے درختوں کی سرزمین کے رہنے والے لوگ آپ کی مدد کریں گے۔ آپ بنوکندہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا:

«إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ فِي مَنَامِي أَنَّهُ يَنْصُرُنِي أَهْلُ مَدَرٍ وَّ نَخْلٍ، فَأَنْتُمْ أَهْلُ مَدَرٍ وَّنَخْلٍ، فَهَلْ لَكُمْ فِي ذٰلِكَ؟»

[1] البداية والنهاية: 3/138.

''بلاشبہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کچی آبادی اور کھجور کے درختوں کی سرزمین کے رہنے والے میری مدد کریں گے۔ تم ایسی ہی سرزمین کے رہنے والے ہو۔ کیا تمھیں اس میں کوئی رغبت ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہاں، اگر آپ اپنے بعد ہمارے لیے اقتدار مختص کر دیں تو ہم آپ کی مدد کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَسْتُ فَاعِلَهُ»

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر وہ آپ سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وُجُوهُ مُلُوكٍ وَّ أَعْقَابُ غَدَرَةٍ»

''چہرے بادشاہوں جیسے ہیں اور ایڑیاں دھوکے بازوں جیسی۔''[1]

محمد بن عمر واقدی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عکاظ کی منڈی میں بنو کندہ کے ڈیروں میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ عرب کے کسی ایسے قبیلے کے پاس نہیں گئے جو ان لوگوں سے زیادہ نرم ہو۔ جب آپ نے اپنے لیے ان کی نرمی اور نوازش دیکھی تو ان سے بات چیت کرتے ہوئے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ، فَإِنْ أَظْهَرْ فَأَنْتُمْ بِالْخِيَارِ»

''میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تم میری ان چیزوں کے ساتھ حفاظت کرو جن سے تم اپنے نفسوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اگر میں غالب آ جاؤں تو تمھیں اختیار ہے۔''

یہ سن کر ان کے عام لوگوں نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے! لیکن ہم انھی کی عبادت کرتے رہیں گے جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔

قوم کے سب سے چھوٹے آدمی نے کہا: اے میری قوم! اس سے پہلے کہ کوئی تم سے سبقت لے جائے، تم اس شخص کی طرف سبقت لے جاؤ، اللہ کی قسم! اہل کتاب بیان کرتے ہیں کہ ایک نبی حرم سے نکلے گا اور اس کا زمانہ آ چکا ہے۔

ان لوگوں میں ایک شخص کانا بھی تھا، وہ بولا: میری یہ بات پلے باندھ لو۔ انھیں ان کی قوم نے نکال دیا ہے اور تم انھیں پناہ دے رہے ہو۔ تم سارے عرب کی جنگ اپنے سر لے رہے ہو۔ نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :291/1.

رسول اللہ ﷺ غمزدہ ہو کر ان کے پاس سے واپس آگئے۔ وہ لوگ اپنی قوم کے پاس گئے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دی تو ایک یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اپنا نصیب ضائع کر دیا ہے۔ اگر تم اس شخص (محمد ﷺ) کی طرف سبقت لے جاتے تو عرب کی سرداری کرتے۔ ہم اپنی کتاب (تورات) میں ان کے اوصاف پاتے ہیں۔ اس یہودی نے ان لوگوں کو آپ ﷺ کے اوصاف بتائے جنھوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ وہ اس یہودی کی بیان کردہ ہر صفت کی تصدیق کرتے رہے، پھر اس یہودی نے کہا: ''ہمارے نزدیک ان کے ظہور کی جگہ مکہ اور ان کی ہجرت گاہ یثرب (مدینہ) ہے۔''

یہ سن کر ان لوگوں نے اتفاق کیا کہ وہ اگلے حج کے موسم میں آپ ﷺ سے ملیں گے لیکن ان کے سردار نے انھیں اس سال جانے سے روک دیا، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی حج کے لیے نہ جا سکا، پھر وہ یہودی فوت ہو گیا، اس کی موت کے وقت سنا گیا کہ وہ محمد ﷺ کی تصدیق کرتا تھا اور آپ پر ایمان لے آیا تھا۔[1]

بنو بکر بن وائل کو دعوتِ دین

کندہ کے بعد رسول اللہ ﷺ بکر بن وائل کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«مِمَّنِ الْقَوْمُ؟» ''تم لوگوں کا تعلق کن سے ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: بکر بن وائل سے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ؟»

''بکر بن وائل کی کس شاخ سے؟''

انھوں نے کہا: بنو قیس بن ثعلبہ سے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: «كَيْفَ الْعَدَدُ؟» ''تمھاری تعداد کتنی ہے؟''

انھوں نے کہا: نمناک مٹی سے زیادہ ہے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: «فَكَيْفَ الْمَنَعَةُ؟» ''تمھاری دفاعی قوت کیسی ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہماری دفاعی قوت نہیں ہے۔ ہم فارس کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ ہم ان سے محفوظ نہیں رہتے اور ان کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :297/1.

«فَتَجْعَلُونَ لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ إِنْ هُوَ أَبْقَاكُمْ حَتّٰى تَنْزِلُوا مَنَازِلَهُمْ وَ تَنْكِحُوا نِسَاءَهُمْ وَتَسْتَعْبِدُوا أَبْنَاءَهُمْ، أَنْ تُسَبِّحُوا اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِينَ وَ تَحْمَدُوهُ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِينَ وَتُكَبِّرُوهُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِينَ»
''اگر اللہ تمھیں باقی رکھے حتی کہ تم ان (فارسیوں) کے گھروں میں مقیم ہو جاؤ، ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے بیٹوں کو غلام بناؤ تو تم اللہ کے لیے اپنے اوپر یہ لازم کرلو کہ تم تینتیس مرتبہ سبحان اللّٰه (اللہ پاک ہے)، تینتیس مرتبہ الحمدللّٰه (سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں) اور چونتیس بار اللّٰه أکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہو گے۔''

وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر سناٹے میں آگئے۔ انھوں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا: آپ کون ہیں؟
آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ» ''میں اللہ کا رسول ہوں۔''

پھر آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ ابولہب آپ کے پیچھے لگا رہتا تھا، وہ لوگوں سے کہتا تھا: ان کی بات نہ مانو، چنانچہ ابولہب ان لوگوں (بنوبکر) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے اس سے پوچھا: کیا تم اس شخص (محمد ﷺ) کو پہچانتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں، یہ ہم میں اعلیٰ نسب والے ہیں۔ تم ان کی کون سی بات پوچھ رہے ہو؟
انھوں نے ابولہب کو وہ بات بتادی جس کی طرف آپ ﷺ نے انھیں دعوت دی تھی، انھوں نے کہا: وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابولہب نے کہا: خبردار! تم ان کی بات پر نہ جانا، وہ دیوانے ہیں، بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ) یہ سن کر وہ بولے: یہ بات تو ہم ابھی اُس وقت دیکھ چکے ہیں جب انھوں نے فارس کے معاملے کا تذکرہ کیا تھا۔[1]

بنوشیبان بن ثعلبہ سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ بنوشیبان بن ثعلبہ کے پاس تشریف لائے۔ ان میں مفروق بن عمرو، ہانئ بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تمھیں اللہ کے رسول ﷺ کی آمد کی خبر پہنچ چکی ہے، یہ وہی ہیں۔
مفروق نے کہا: ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ یہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: اے قریشی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟

[1] البداية والنهاية: 138/3.

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اپنے کپڑے سے آپ پر سایہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَ أَنْ تُؤْوُونِي وَ تَمْنَعُونِي وَ تَنْصُرُونِي حَتّٰى أُؤَدِّيَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا أَمَرَنِي بِهِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ تَظَاهَرَتْ عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ وَكَذَّبَتْ رَسُولَهُ وَ اسْتَغْنَتْ بِالْبَاطِلِ عَنِ الْحَقِّ، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ»

''میں تمھیں یہ گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ تم مجھے پناہ دو، میری حفاظت کرو اور میری مدد کرو تاکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا ہے، میں اس کی طرف سے اسے پہنچانے کا فرض ادا کردوں۔ بلاشبہ قریش نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کیا، اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے ذریعے حق سے بے نیاز ہوگئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز، لائق حمد وثنا ہے۔''

مفروق نے پوچھا: اے قریشی! کیا آپ کسی اور چیز کی طرف بھی دعوت دیتے ہیں؟

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:151-153)

''آپ کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمھارے رب نے تم پر لازم کیا ہے یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ

جاؤ مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو یہاں تک کہ وہ پختگی کی عمر کو پہنچ جائے اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا دو۔ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتہ دار (کا) ہو اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

یہ سن کر مفروق نے پھر پوچھا: اے قریشی! آپ اور کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں، اگر ان کا کلام ہوتا تو ہم اسے پہچان لیتے۔

اب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ (النحل 16:90)

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

مفروق یہ سن کر بول اٹھا: اے قریشی! اللہ کی قسم! آپ نے اخلاق کی بلندیوں اور اعمال کی خوبیوں کی طرف دعوت دی ہے۔ یقیناً وہ قوم حق سے ہٹ گئی ہے جس نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کیا۔ اس موقع پر مفروق نے چاہا کہ ہانی بن قبیصہ بھی اس کے ساتھ بات چیت میں شریک ہو جائے، لہٰذا اس نے کہا: یہ ہانی بن قبیصہ ہیں، ہمارے بزرگ اور ہم مذہب ہیں۔

ہانی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے قریشی! میں نے آپ کی بات سنی ہے اور آپ کے قول کی تصدیق کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا اسی مجلس میں جس میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھے ہیں، اپنے مذہب کو چھوڑ دینا اور آپ کے دین میں آپ کی پیروی کر لینا، ایسا عمل ہوگا جس کی ابتدا اور انتہا کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اگر ہم آپ کے دین کے بارے میں غور و فکر نہ کریں اور جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، اس کے انجام کو نہ دیکھیں تو یہ رائے کی غلطی، عقل کی جلد بازی اور انجام کار میں نظر کی کوتاہی ہوگی۔ ٹھوکر جلد بازی ہی سے لگتی ہے۔ ہمارے پیچھے ایک قوم ہے۔ ہم پسند نہیں کرتے کہ ان کے خلاف کوئی معاہدہ کریں۔ آپ لوٹ جائیں، ہم بھی واپس چلتے ہیں، پھر ہم معاملے کو دیکھتے ہیں اور آپ بھی دیکھیں۔

مثنّیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نبیِ اکرم ﷺ کا مکالمہ

ہانئ بن قبیصہ نے چاہا کہ مثنیٰ بن حارثہ بھی اس کے ساتھ گفتگو میں شریک ہوجائیں، لہٰذا اس نے کہا: یہ مثنیٰ ہیں، ہمارے بزرگ اور کمانڈر ہیں۔

مثنیٰ نے کہا: اے قریشی! میں نے آپ کی گفتگو سنی ہے۔ آپ کی بات مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ آپ کی بات نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میرا جواب وہی ہے جو ہانئ بن قبیصہ کا ہے۔ ہم دو پانیوں کے درمیان مقیم ہیں۔ ان میں ایک یمامہ ہے اور دوسرا سماوہ۔ رسول اللہ ﷺ نے مثنیٰ سے دریافت فرمایا:

«وَمَا هٰذَانِ الصَّيِّرَانِ؟» ''یہ دو پانی کیا ہیں؟''

مثنیٰ نے جواب دیا: ان میں سے ایک (بحرین کا) ساحل اور عرب کی سرزمین ہے اور دوسرا فارس (عراق) کی سرزمین اور کسریٰ کے دریا ہیں۔ ہم ایک عہد پر وہاں مقیم ہوئے ہیں۔ یہ عہد ہم سے کسریٰ نے لیا تھا کہ ہم کوئی نئی چیز ایجاد نہ کریں، نہ کسی نئی چیز ایجاد کرنے والے کو پناہ دیں۔ یہ دین جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ بادشاہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ جو بلادِ عرب سے ملی ہوئی سرزمین ہے، اس کے رہنے والے کا گناہ معاف اور عذر مقبول ہوتا ہے اور جو بلادِ فارس سے ملی ہوئی سرزمین ہے، اس کے رہنے والے کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور عذر بھی قبول نہیں ہوتا۔ اگر آپ چاہیں کہ ہم آپ کی عرب سے ملی ہوئی سرزمین سے مدد کریں تو ہم ایسا کرلیں گے۔

دمام (سعودی عرب) کو بحرین سے ملانے والا شاہ فہد پل

دریائے زاب الکبیر (عراق)
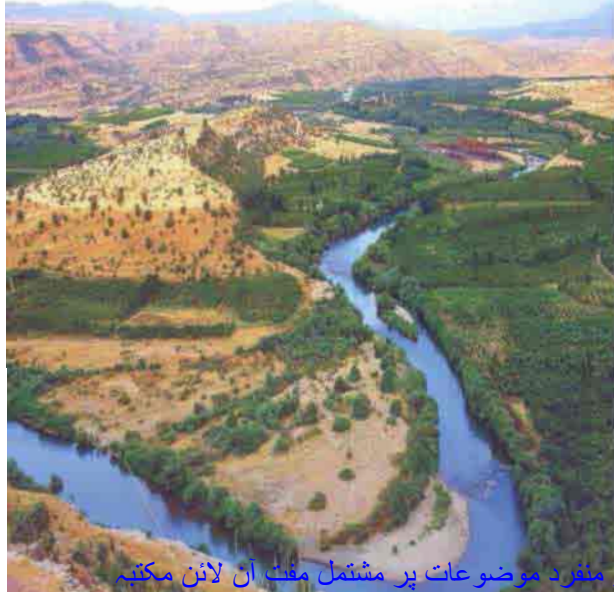
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسَأْتُمُ الرَّدَّ إِذْ أَفْصَحْتُمْ بِالصِّدْقِ، إِنَّهُ لَا يَقُومُ بِدِينِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ حَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ»

''جب تم نے سچ بیان کر دیا ہے تو کوئی برا جواب نہیں دیا۔ اللہ کے دین پر وہی قائم ہو سکتا ہے جو اس کے تمام پہلوؤں سے اس کا احاطہ کرے۔''

امام بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ لَّمْ تَلْبَثُوا إِلَّا قَلِيلًا حَتّٰى يُوَرِّثَكُمُ اللّٰهُ أَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَيُفْرِشَكُمْ نِسَاءَهُمْ، أَتُسَبِّحُونَ اللّٰهَ وَ تُقَدِّسُونَهُ؟»

''مجھے بتاؤ اگر تھوڑی ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ تمھیں ان کی سرزمین، گھروں اور اموال کا وارث اور ان کی عورتوں کو تمھاری لونڈیاں بنا دے تو کیا تم اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو گے؟''

یہ سن کر نعمان بن شریک بولا: اللہ گواہ ہے، یہ غلبہ آپ ہی کے لیے ہوگا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ ﴾

(الأحزاب 46،45:33)

''بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ ان کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! أَيَّةُ أَخْلَاقٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا أَشْرَفَهَا! بِهَا يَدْفَعُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بَأْسَ بَعْضِهِمْ عَنْ بَعْضٍ وَّبِهَا يَتَحَاجَزُونَ فِي مَا بَيْنَهُمْ»

''ابوبکر! جاہلیت کے (کچھ) اخلاق کس قدر بلند ہیں! ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی آپس کی لڑائی کو روکتا ہے اور انھی کے ذریعے سے یہ آپس میں ایک دوسرے (کے شر) سے محفوظ رہتے ہیں۔''[1]

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/286-288، دلائل النبوة للبيهقي: 2/424-426.

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے صحابہ کی طرف نکلے اور فرمایا:

«اُدْعُوا لِإِخْوَانِكُمْ مِّنْ رَّبِيعَةَ، فَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِمُ الْيَوْمَ أَبْنَاءُ فَارِسَ»

''اپنے بھائیوں آل ربیعہ کے لیے دعا کرو، آج فارسیوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، پھر تھوڑی ہی دیر بعد اپنے صحابہ کی طرف دوبارہ تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

«اِحْمَدُوا اللّٰهَ كَثِيرًا، فَقَدْ ظَفِرَتِ الْيَوْمَ أَبْنَاءُ رَبِيعَةَ بِأَهْلِ فَارِسَ، قَتَلُوا مُلُوكَهُمْ وَاسْتَبَاحُوا عَسْكَرَهُمْ وَبِي نُصِرُوا»

''کثرت سے اللہ کی تعریف کرو۔ آج ربیعہ کے بیٹے ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ انھوں نے ان کے بادشاہوں کو قتل کر دیا اور ان کے لشکر کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ ان کی یہ مدد میری وجہ سے کی گئی ہے۔''

یہ لڑائی ذی قار کے پہلو میں قُراقِر کے مقام پر ہوئی تھی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی وارد ہوئی ہے اور اس میں ہے کہ جب وہ اور ایرانی برسرِپیکار ہوئے۔ قراقر (فرات کے قریب ایک جگہ) پر ان کا آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے محمد ﷺ کے اسم گرامی کو اپنا شعار (کوڈ ورڈ) بنایا، اس کی وجہ سے ایرانیوں

کے خلاف ان کی مدد کی گئی۔ اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ [1]

بنو عامر بن صعصعہ کو دین کی دعوت

امام زہری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور اپنی منصبی حیثیت واضح فرمائی۔ ان میں سے ایک شخص بیجرہ بن فراس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں قریش سے اس نوجوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے سے سارے عرب کو کھا جاؤں، پھر وہ بولا: آپ بتایئے، اگر ہم آپ کے دین پر آپ کی بیعت کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مخالفین پر غالب کر دے تو کیا آپ کے بعد ہمیں حکومت ملے گی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ يَضَعُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

''اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جہاں چاہے گا، وہیں اسے رکھے گا۔''

یہ سن کر اس نے کہا: اچھا! آپ کی حفاظت کی خاطر ہم اپنی گردنوں کو عربوں کا نشانہ بنائیں اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر دے تو حکومت ہمارے سوا کسی اور کو ملے؟ ہمیں آپ کے دین کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب لوگ حج کر کے واپس گئے تو بنو عامر اپنے ایک بزرگ کے پاس گئے۔ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا، وہ ان کے ساتھ حج کے لیے جانے سے بھی معذور تھا۔ وہ حج سے واپس اس کے پاس آتے تو اسے وہ سب کچھ بتاتے جو دورانِ حج ہوتا تھا۔ اس سال جب وہ حج کر کے اس کے پاس آئے تو اس نے ان سے حج میں رُونما ہونے والے واقعات پوچھے۔ انھوں نے بتایا: ہمارے پاس ایک قریشی نوجوان آیا، اس کا تعلق بنو عبدالمطلب سے تھا، وہ سمجھتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ وہ ہمیں اس بات کی دعوت دیتا تھا کہ ہم اس کی حفاظت کریں، اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور اسے اپنے ملک لے جائیں۔

یہ سن کر اس بزرگ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور کہا: اے بنو عامر! کیا اس کی تلافی ممکن ہے؟ کیا یہ موقع دوبارہ ہاتھ آ سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی اسماعیلی نے کبھی ایسا جھوٹ نہیں گھڑا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حق ہے، اس وقت تم لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی تھی؟ [2]

بنو کلب سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ بنو کلب کی جائے قیام پر ان کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے انھیں

[1] البداية والنهاية :143/3. [2] السيرة لابن هشام :425،424/2.

اللہ کی طرف دعوت دی اور اللہ کے رسول کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ ان سے فرماتے تھے:

«يَا بَنِي عَبْدِ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَحْسَنَ اسْمَ أَبِيكُمْ»

''اے بنوعبداللہ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ کا نام بہت خوبصورت رکھا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ تم اپنے باپ کے نام کی لاج رکھو۔ معبودانِ باطلہ کی بندگی چھوڑ دو۔ صرف ایک اللہ کی بندگی کرو۔ لیکن آپ ﷺ نے جو دینِ حق ان کے سامنے پیش کیا، اسے انھوں نے قبول نہ کیا۔[1]

امام بلاذری نے لکھا ہے کہ بنوکلب کے ایک بزرگ نے کہا: یہ نوجوان (محمد ﷺ) جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ بہت اچھی ہے مگر ان کی قوم نے انھیں دور کر دیا ہے۔ اگر یہ اپنی قوم سے مصالحت کر لیتے تو سارا عرب ان کی پیروی کرتا۔[2]

بنوحنیفہ کی بدزبانی پر صبر و تحمل

نبیِ اکرم ﷺ بنوحنیفہ کے ڈیروں پر تشریف لے گئے۔ آپ نے انھیں بھی اللہ کی طرف دعوت دی اور بحیثیت پیغمبر اپنے منصب کی صراحت فرمائی۔ لیکن انھوں نے بہت برا جواب دیا، اتنا بُرا جواب اہل عرب میں سے کبھی کسی نے نہیں دیا۔[3]

حضرت عامر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ میں سے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے آخری دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تین سال تک عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازار میں ہمارے پاس تشریف لاتے رہے۔ آپ ہمیں اللہ عزوجل کی بندگی کی طرف بلاتے تھے اور یہ دعوت بھی دیتے کہ ہم آپ کی اس حد تک حفاظت کریں کہ آپ اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچادیں۔ آپ (اس کے بدلے) ہمیں جنت کی پیش کش فرماتے تھے۔ ہم نے آپ کی دعوت قبول کی نہ کوئی اچھا جواب دیا۔ ہم نے آپ کے خلاف بدزبانی کی مگر آپ نے ہمارے ساتھ بڑی بردباری کا مظاہرہ فرمایا۔ میں سال کے آغاز میں حَجَر واپس آیا تو ہوذہ بن علی نے مجھ سے پوچھا: کیا تمھارے پاس اس موسمِ حج کی کوئی خبر ہے؟

میں نے جواب دیا: قریش کا ایک شخص قبیلوں کا چکر لگاتا تھا، وہ انھیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا تھا اور دعوت دے رہا تھا کہ قبائل اس کی حفاظت کریں حتی کہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا دے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے لیے جنت ہے۔

[1] السيرة لابن هشام: 424/2. [2] أنساب الأشراف: 274/1. [3] السيرة لابن هشام: 424/2.

ہوذہ نے پوچھا: وہ قریش کے کون سے گھرانے سے ہے؟

میں نے کہا: وہ ان کے افضل نسب بنوعبدالمطلب میں سے ہے۔

ہوذہ نے پوچھا: کیا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے؟

میں نے کہا: ہاں ہاں، وہی!

ہوذہ نے کہا: بلاشبہ اس کا دین جلد ہی ان لوگوں پر غالب آجائے گا جو یہاں موجود ہیں۔

میں نے پوچھا: دوسرے ملکوں کے بجائے صرف یہیں غالب آئے گا؟

ہوذہ نے کہا: یہاں کے علاوہ اوروں پر بھی غالب آئے گا۔

پھر میں دوسرے سال حج کر کے حجر آیا تو ہوذہ نے پوچھا: اس شخص نے کیا کیا؟

میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے انھیں پھر گزشتہ سال والی حالت میں دیکھا ہے۔ پھر میں نے تیسرے سال حج کیا۔ یہ میرا آخری موقع تھا کہ میں نے انھیں دیکھا۔ اب کی بار ان کا دین پھیل چکا تھا۔ لوگوں میں ان کا بہت چرچا تھا۔ میں سنتا تھا کہ خزرج نے ان کی پیروی کر لی ہے۔ میں حجر آیا۔ ہوذہ نے مجھ سے پوچھا: اس شخص نے کیا کیا؟

میں نے جواب دیا: میں نے دیکھا کہ اس کا دین پھیل چکا ہے اور اس کی قوم بڑی سختی سے اس کے خلاف ہے۔

یہ سن کر ہوذہ نے کہا: یہی بات تھی جو میں نے تم سے کہی تھی۔ اگر ہم ان کی پیروی کر لیتے تو یہ ہمارے لیے بہتر ہوتا۔ اس صورت میں ہم اپنی بادشاہت پر جمے رہتے۔

یاد رہے کہ ہوذہ کی قوم نے ہوذہ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنا رکھا تھا۔[1]

بنومحارب کے بڈھے کی ہٹ دھرمی

رسول اکرم ﷺ بنومحارب بن خصفہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ان میں ایک بزرگ پایا۔ اس کی عمر 120 سال تھی۔ آپ نے اس سے گفتگو فرمائی، اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: میری حفاظت کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچادوں۔

اس بزرگ نے کہا: آپ کی قوم آپ کے احوال زیادہ جانتی ہے۔ اللہ کی قسم! جو شخص آپ کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا، وہ ان سب چیزوں سے زیادہ بری چیز لے کر لوٹے گا جو حاجی اپنے ساتھ لے کر واپس جاتے ہیں۔ آپ ہم سے بے نیاز ہو جائیں۔

[1] الاکتفاء :302/1.

یہاں ابولہب بھی کھڑا تھا۔ وہ اس محاربی کی بات سن رہا تھا۔ ابولہب محاربی کے سر پر جا کھڑا ہوا اور بولا: اگر سارے حاجی تیرے جیسے ہو جاتے تو وہ (محمد ﷺ) یہ دین چھوڑ دیتے جس پر وہ ہیں۔ بلاشبہ وہ صابی ہے اور بہت جھوٹا ہے۔ (العیاذ باللہ)

محاربی نے کہا: اے ابوعتبہ! شاید اسے کوئی دیوانگی چمٹ گئی ہے۔ ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے کا ایک آدمی ہے، وہ ان کے علاج کی تدبیر کرے گا۔

ابولہب جب رسول اللہ ﷺ کو عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلے کے پاس دیکھتا تو آپ ﷺ کے بارے میں چیخ چیخ کر کہتا تھا: یہ صابی ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔[1]

امام کلاعی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ بنو محارب کے مذکورہ بوڑھے نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت کا بدترین جواب دیا، اُس نے کہا: تم پر تعجب ہے! تمھاری قوم تو تمھاری پیروی سے انکار کرتی ہے اور تم محارب کے پاس آ کر انھیں اس چیز کو چھوڑنے کی دعوت دیتے ہو جس پر ان کے باپ دادا قائم تھے۔ جاؤ! چلے جاؤ، محارب کا کوئی شخص کبھی تمھاری پیروی نہیں کرے گا۔

ان میں سے ایک بیوقوف آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا اور بولا: اے محمد! اگر آپ سچے ہیں تو بتائیں کہ میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ میری زندگی کی قسم! میں نے جو بات پوچھی ہے، آپ تو اس سے بھی بڑے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ آپ کی طرف وحی کرتا ہے اور آپ سے کلام کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر خاموش رہے، پھر ان میں سے ایک اور شخص سلمہ بن قیس آپ ﷺ کے سامنے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ڈیروں کے قریب بیٹھے تھے۔ اس شخص نے آپ ﷺ کو کنویں میں پھینکنا چاہا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور کنویں سے ایک طرف ہٹ گئے۔ اس پر سلمہ کہنے لگا: اگر تم کنویں میں گر جاتے تو حاجی تم سے نجات پا جاتے۔ (والعیاذ باللہ)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواری کے اونٹ کی لگام پکڑی اور آگے بڑھ گئے۔ آپ اونٹ لے کر آگے آگے چل رہے تھے اور وہ لوگ آپ پر پتھر برسا رہے تھے حتی کہ آپ ان کی طرف سے اوٹ میں ہو گئے، آپ فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ لَوْشِئْتَ لَمْ يَكُونُوا هٰكَذَا، وَإِنَّ قُلُوبَهُمْ بِيَدِكَ، وَ أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِمْ، فَإِنْ كَانَ هٰذَا عَنْ سَخَطٍ بِكَ عَلَيَّ فَلَكَ الْعُتْبٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 293/1.

''اے اللہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر تو چاہتا تو یہ لوگ اس طرح نہ ہوتے۔ ان کے دل تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو انھیں خوب جانتا ہے۔ اگر یہ برتاؤ مجھ پر تیری ناراضی کی وجہ سے ہوا تھا تو مجھے تیری رضا مطلوب ہے۔ تیری توفیق کے بغیر کوئی نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت نصیب نہیں ہوتی۔'' [1]

میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

عبداللہ بن وابصہ عبسی اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ منیٰ میں ہمارے (بنوعبس کے) ڈیروں پر تشریف لائے۔ ہم نے جمرۂ اولیٰ کے پاس پڑاؤ ڈال رکھا تھا، آپ اپنی سواری پر تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ نے ہمیں دعوت دی۔ اللہ کی قسم! ہم نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ ہمارے لیے اس میں کوئی خیر نہیں تھی۔ ہم نے آپ کے متعلق اور موسم حج میں آپ کے دعوت دینے کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں دعوت دینے لگے لیکن ہم نے آپ کی بات نہ مانی۔ ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی بھی تھے، وہ بولے: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم اس شخص کی تصدیق کرتے اور اپنی جائے قیام پر ٹھہرانے کے لیے انھیں ساتھ لے جاتے تو یہ عقل مندی کی بات ہوتی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کا دین غالب آکر رہے گا حتی کہ دور تک ہر جگہ پھیل جائے گا۔ اس کی قوم نے کہا: تم ہمیں آزمائش میں ڈالنے سے باز رہو۔ ہمیں ایسے کام میں نہ ڈالو جسے کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اس سے گفتگو فرمائی۔ میسرہ نے کہا: آپ کی بات کتنی اچھی اور کتنی روشن ہے! لیکن اگر میں نے آپ کی بات مان لی تو میری قوم میری مخالفت کرے گی۔ آدمی کی قدر و قیمت تو اپنی قوم کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی مدد نہ کرے تو پھر کون کرے۔ اجنبی تو کہیں دور ہوتا ہے۔

نبی ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ میسرہ نے ان سے کہا: ہمارے قافلے کا رخ فدک کی طرف کرو۔ وہاں یہودی رہتے ہیں۔ ہم ان سے اس (محمد ﷺ) کے بارے میں پوچھیں گے۔ انھوں نے یہودیوں کی طرف رخ کیا۔ یہودیوں نے ان کے لیے تورات کا ایک جز نکال کر رکھا، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تذکرۂ مبارک پڑھ کر سنایا:

''وہ امی اور عربی نبی ہوگا۔ اونٹ پر سوار ہوگا۔ ٹکڑوں پر اکتفا کرے گا۔ لمبا ہوگا نہ پستہ قد۔ اس کے بال گھنگریالے ہوں گے نہ بالکل سیدھے۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے۔ وہ ملے جلے سرخ و سفید رنگ کا ہوگا۔ اگر وہ تمھیں دعوت دے تو اس کی بات قبول کرو اور اس کے دین میں داخل ہو

[1] الاکتفاء: 306/1.

جاؤ۔ ہم (یہود) اس سے حسد کرتے ہیں، اسی لیے اس کی پیروی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی طرف سے کئی جگہ بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عرب کا ہر شخص ان کی پیروی کرے گا یا ان سے قتال کرے گا۔ تم ان کی پیروی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔''

یہ سب کچھ سن کر میسرہ بول اٹھے: اے میری قوم! بلاشبہ یہ معاملہ تو بالکل واضح ہے۔

قوم کے لوگوں نے کہا: ہم حج کے موسم میں دوبارہ جائیں گے تو ان سے ملاقات کریں گے۔ وہ اپنے علاقے میں آئے تو ان کے آدمیوں نے ان کی یہ بات نہیں مانی، چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کی پیروی نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آپ نے (10 ھ میں) حجۃ الوداع ادا کیا تو میسرہ نے آپ ﷺ سے ملاقات کی، انھوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں اسی دن سے آپ کی پیروی کا حریص ہوں جب آپ نے اپنی اونٹنی ہمارے ڈیروں کے پاس بٹھائی تھی اور دعوتِ حق دی تھی۔ آپ مجھے تاخیر سے اسلام قبول کرتے دیکھ رہے ہیں، اللہ کا یہی فیصلہ تھا۔ جو جماعت میرے ساتھ تھی، ان میں سے اکثر لوگ فوت ہو چکے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! ان کا ٹھکانا کہاں ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«كُلُّ مَنْ مَّاتَ عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي النَّارِ»

''جو شخص بھی اسلام کے علاوہ (کسی دوسرے) دین پر مرے گا، وہ جہنم میں ہوگا۔''

یہ سن کر میسرہ نے کہا: سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے (جہنم سے) بچا لیا۔ میسرہ نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ بہت اچھے مسلمان بن گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ [1]

بنوغسان کے ڈیروں میں

رسول اللہ ﷺ عکاظ میں بنوغسان کے ڈیروں میں تشریف لائے۔ وہ بڑی تعداد میں تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم میری حفاظت کرو حتی کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دوں۔ (اس کے بدلے میں) تمھارے لیے جنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ گفتگو سن کر ان میں سے ایک شخص بولا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! یہ وہی ہیں جن کا عیسائی

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 294/1.

اپنی کتابوں میں تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک نبی آنا باقی رہ گیا ہے، اس کا نام احمد (ﷺ) ہے۔ آؤ ہم ان پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں۔ اس طرح ہم ان کے مددگار اور حمایتی ہو جائیں گے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ وہ (نبی) وہاں تک غالب آئیں گے جہاں جہاں سواریاں پہنچ سکتی ہیں۔ ہم ان کی پیروی اختیار کرلیں گے تو ہمیں نہ صرف موت کے بعد بلکہ اس دنیا میں بھی شرف نصیب ہوگا۔

قوم کے دوسرے افراد کہنے لگے: اس طرح تو ہم عرب میں سے اس دین میں داخل ہونے والے پہلے لوگ ہوں گے۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔ بنو الاصفر (رومیوں) کے بادشاہوں کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ ہمیں اپنے علاقوں سے نکال دیں گے۔ فی الحال ہم اس دین کو قبول نہیں کرتے، بس یہ جائزہ لیتے ہیں کہ عرب کے لوگوں کا ردعمل کیا ہے، پھر جس دین میں لوگ داخل ہوں گے، ہم بھی اس میں داخل ہو جائیں گے۔

پہلے شخص نے کہا: اے محمد! میرا قبیلہ آپ کے بارے میں میری بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اگر یہ میری بات مان لیتے تو ہدایت پا جاتے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوبَ بِيَدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ»

”بلاشبہ یہ دل اللہ عزوجل ہی کے ہاتھ میں ہیں۔“

یہ کہہ کر آپ ﷺ ان کے پاس سے واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے ہاں دوبارہ تشریف لے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ہمارے پیچھے جو لوگ موجود ہیں، ہم ان کے پاس واپس جائیں گے، پھر آیندہ سال آپ سے ملاقات کریں گے۔

وہ لوگ واپس آئے تو ان میں سے ایک جماعت حارث بن ابی شمر کے پاس آئی۔ انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: تم میں سے ہر شخص کو ان کی پیروی سے بچنا چاہیے۔ اگر تم نے ان کی پیروی کی تو ملکِ شام سے میری بادشاہت ختم ہو جائے گی اور ہرقل مجھے موردِ الزام ٹھہرائے گا۔

اس کی یہ بات سن کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرنا ہی چھوڑ دیا۔[1]

ان کے علاوہ نبی ﷺ نے بنوفزارہ، بنومرہ، بنوسلیم، بنوعبس، بنونضر، بنوبکاء، بنوحارث بن کعب، بنوعذرہ اور بنوحضارمہ کو بھی دعوت دی لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی اور دعوتِ اسلام قبول نہیں کی۔[2]

[1] الاکتفاء: 306,305/1. [2] الطبقات لابن سعد: 217,216/1.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن الاصداء ہذلی: یہ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا تھا: اہل کتاب آپ کو اپنے پرانے قصے اور کہانیاں سناتے سکھاتے ہیں۔ وہ لوگوں سے آپ کے بارے میں کہتا: یہ تو (نعوذ باللہ) دیوانہ ہے۔ اسے خوب سکھایا پڑھایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی، چنانچہ ایک دن جبکہ وہ ایک پہاڑ پر چڑھا ہوا تھا، پہاڑی بکریوں نے اسے گھیر لیا اور سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔ (أنساب الأشراف: 170/1)

ابن الدُّغُنَّۃ: اس کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض اس کا نام حارث بن یزید اور بعض مالک لکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض اس کی کنیت ابن الدغینۃ اور بعض ابن الدُّغُنَّۃ بتاتے ہیں۔ یہ قبیلہ القارہ کا سردار تھا اور بنو ہُون میں سے تھا۔ اس کا قبیلہ وادیِ احبش میں رہنے کی وجہ سے احابیش کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہ برک الغماد میں رہتا تھا۔ برک الغماد یا البرک بحیرہ احمر کے ساحل پر سعودی صوبہ عسیر کے دارالحکومت ابہا سے تقریباً 100 کلومیٹر مغرب میں قنفذہ جازان شاہراہ پر واقع ہے۔ (أنساب الأشراف: 236,235/1، فتح الباري: 290/7، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

ابن السکن (294-353ھ/907-964ء): ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن سکن بغدادی رحمہ اللہ حافظِ حدیث تھے۔ مصر میں رہے۔ وہیں فوت ہوئے۔ ان کی تالیف الصحیح المنتقٰی مشہور ہے۔ (الأعلام: 98/3)

ابن العربی (468-543ھ/1076-1148ء): ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اشبیلی رحمہ اللہ ابن العربی کے نام سے مشہور تھے۔ قاضی، حافظِ حدیث، ادب اور علوم دینیہ کے ماہر اور بڑے مجتہد تھے۔ طلب علم کے لیے مشرق کی طرف سفر کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب اور تاریخ میں بے مثال کتابیں تحریر کیں۔ اشبیلیہ میں قاضی رہے۔ فاس (مراکش) میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ ان کی لاتعداد تصانیف میں سے العواصم من القواصم، أحكام القرآن اور عارضة الأحوذي في شرح الترمذي بہت مشہور ہوئیں۔ یہ مشہور صوفی ابن عربی محی الدین محمد بن علی سے مختلف شخصیت ہیں۔ (الأعلام: 230/6)

ابن ام مکتوم: عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم عامری قرشی رضی اللہ عنہ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ ان کا نام عبداللہ یا عمرو بتایا گیا ہے۔ ان کی والدہ ام مکتوم کا نام عاتکہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ عبس کی ابتدائی چند آیات نازل

ہوئیں۔ کئی بار رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا تھا۔ اس موقع پر یہ مسجد نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔(الإصابة: 494/4، أسد الغابة: 372,371/3)

ابن صلاح (577-643ھ/1181-1245ء): ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن (صلاح الدین) بن عثمان بن موسیٰ کردی شہرزوری شرخانی، ابن صلاح کے نام سے مشہور ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ شہرزور (عراق کا موجودہ قصبہ حلبچہ) کے قریب شرخان میں پیدا ہوئے، پھر موصل اور خراسان کا سفر کیا۔ بیت المقدس جانے کے بعد مدرسۃ الصلاحیہ میں صدر المدرسین بنے، پھر دمشق آئے اور وہاں دارالحدیث میں تدریسی فرائض انجام دیے، بالآخر وہیں وفات پا گئے۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ ان میں معرفة علوم الحديث نمایاں ہے جو مقدمة ابن الصلاح کے نام سے معروف ہے۔ (الأعلام: 207/4، سير أعلام النبلاء: 140/23)

ابن قانع (266-351ھ/880-962ء): ابوالحسین عبدالباقی بن قانع بن مرزوق بن واثق بغدادی رحمہ اللہ امویوں کے مولیٰ (غلام)، قاضی اور حافظِ حدیث تھے۔ ان کا شمار اصحاب الرائے میں ہوتا تھا۔ روایت کرنے میں غلطی کر جاتے تھے۔ ان کی تالیفات میں معجم الصحابة مشہور ہے۔ (الأعلام: 272/3، لسان الميزان: 440/3)

ابن مردویہ (323-410ھ/935-1019ء): ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی جو ابن مردویہ کبیر کے نام سے مشہور ہیں، مشہور حافظ حدیث، مفسر اور مؤرخ تھے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ان کی تالیفات میں سے التاریخ، تفسیر القرآن اور المسند مشہور ہیں۔ (الأعلام: 261/1، شذرات الذهب: 190/3)

ابواسامہ جشمی: اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ابوامامہ ہے یا ابواسامہ۔ یہ سائب بن عائذ مخزومی کا حلیف تھا۔ غزوۂ خندق میں اسی کا تیر لگنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور ایک مہینے بعد اسی زخم کی وجہ سے شہادت کے رتبے پر فائز ہوگئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں حبان بن عرقہ نے تیر مارا تھا۔ (الإصابة: 70/3، أسد الغابة: 314/2، المنمق في أخبار قريش: 247/1)

ابوجعفر منصور (95-158ھ/714-775ء): عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، بنوعباس کے دوسرے خلیفہ تھے۔ یہ ابوالعباس عبداللہ سفاح سے چھ سال چھوٹے تھے۔ سفاح کی وفات کے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اردن کی بستی حُمیمہ میں پیدا ہوئے اور سفرِ حج کے دوران میں بیمار ہو کر مکہ کے قریب فوت ہوگئے۔ (تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی: 847/1، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابوطلحہ زید بن سہل (36 قبل ہجرت-34ھ/585-654ء): ابوطلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ بہادر اور ماہر تیر انداز تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ خزرج کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ ان کی شادی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ بیر حاء باغ کے مالک اور بہت صدقہ کرنے والے تھے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بہت روزے رکھنے لگے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ (أسد الغابة:

246/2، الإصابة : 502/2، الأعلام : 58/3)

ابوالہیثم بن تیہان: سیدنا ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا نام مالک بن بَلِی بن عمر بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ یہ بنوعبدالاشہل کے حلیف تھے۔ کہا گیا ہے کہ ابوالہیثم بن تیہان اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما نے انصاریوں میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ بیعت عقبہ کے موقع پر بارہ نقیبوں میں یہ دونوں بھی نقیب تھے۔ ابو الہیثم رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (المستدرك للحاكم : 286/3)

ابوایوب انصاری (م: 52ھ/672ء): ابوایوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ سابقین اولین انصار میں سے تھے۔ بیعت عقبہ، غزوۂ بدر، احد، خندق اور اس کے بعد والے غزوات میں شریک رہے۔ بڑے بہادر، ثابت قدم، متقی اور جہاد کے متوالے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے معرکے میں شریک تھے۔ اسی جنگ میں بیمار ہوئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ اسلامی لشکر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جائے، مجھے بھی ساتھ لے جائے۔ وہ فوت ہوگئے تو انھیں قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کے قریب دفن کیا گیا۔ کتب احادیث میں ان سے 55 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 295/2، الإصابة : 200,199/2)

ابوبکر محمد بن علی المقری (304-388ھ/916-998ء): ابوبکر محمد بن علی بن احمد الادفوی المقری مشہور ادیب اور مفسر تھے۔ یہ صعید مصر کے قصبے کے رہنے والے تھے۔ قاہرہ میں لکڑیاں بیچتے تھے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی بیشتر تالیفات علوم القرآن کے متعلق ہیں۔ ان میں سے الاستغناء سو (100) جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔ انھوں نے عربی ادب پر بھی کتابیں لکھیں۔ (الأعلام : 274/6، معجم البلدان، مادة: أدفو)

ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی: ابوحذیفہ مُہَشِّم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قرشی۔ (المحبر، ص : 457، الجمهرة لابن حزم، ص : 144)

ابوقیس بن فاکہ: ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جنگِ بدر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچاتا تھا اور اس کام میں ابوجہل کی معاونت بھی کرتا تھا۔ (الكامل لابن الأثير: 593/1، الجمهرة لابن حزم، ص: 144)

ابومسعود ثقفی (م: 9ھ/630ء): ابومسعود عروہ بن مسعود بن معتب بن مالک ثقفی رضی اللہ عنہ طائف میں اپنی قوم کے بڑے سردار تھے۔ قریش نے صلح حدیبیہ کے دن انھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تھا۔ طائف کی فتح کے بعد مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی قوم کو دینِ حنیف کی دعوت دینے گئے تو قوم نے انھیں قتل کر دیا۔ یہ شکل وصورت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ ان کا ایک بیٹا ابوالمَلیح بھی مسلمان ہوگیا تھا۔ (أسد الغابة : 247/3، الإصابة : 406/4، الأعلام : 227/4)

ابومعشر: ابومعشر نَجیح بن عبدالرحمٰن سندھی، سندھ میں پیدا ہوئے۔ مشہور فقیہ اور تاریخ دان تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ اسی وجہ سے یہ کاف کو قاف پڑھتے تھے۔ مدینہ میں رہتے تھے۔ 160ھ میں عباسی خلیفہ مہدی انھیں اپنے ساتھ بغداد لے گیا۔ آخری عمر میں حافظے کے اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔ بغداد میں فوت ہوئے۔ ہارون الرشید نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ واقدی اور ابنِ سعد ان

سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب المغازی بھی ہے۔(الأعلام : 14/8)

ابی بن کعب (م:21ھ /642ء): سید القراء ابومنذر ابی بن کعب بن قیس بن عبید نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے یہودیت کے حلقہ بگوش اور عالم تھے۔ قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ لکھنا پڑھنا مشغلہ تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کاتب وحی کے منصب پر فائز ہوئے۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور باقی سارے غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کو ایک قراءت پر جمع کرنے کے عمل میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن مجید سننا پسند فرماتے تھے۔ دبلے پتلے اور چھوٹے قد والے تھے۔ کتب احادیث میں ان سے 64 احادیث مروی ہیں۔ انھوں نے مدینہ میں وفات پائی۔(أسد الغابة :57/1، الإصابة :180/1، الأعلام : 82/1)

اسماعیل بن یحییٰ مزنی (175-264ھ /791-878ء): ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل مزنی، مصر کے باشندے تھے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دوست اور شافعی فقہ کے سب سے مشہور امام تھے۔ بڑے عالم، مجتہد اور زاہد تھے۔ مناظرہ کرنے کے ماہر تھے۔ ان کی کتابوں میں سے الجامع الکبیر، الجامع الصغیر اور المختصر بہت مشہور ہوئیں۔ (وفيات الأعيان: 217/1، الأعلام: 329/1)

اسود بن عبد یغوث: اسود بن عبدیغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب زہری قرشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کرنے والوں میں سے تھا۔ کفر کی حالت میں مرا۔ اس کے مرنے کا واقعہ بڑا عبرتناک ہے۔ وہ ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلا تو کسی زہریلے جانور نے اس کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔ یہ لوٹ کر اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا اور اندر ہی نہیں آنے دیا، چنانچہ یہ باہر ہی قَتَلَنِي رَبُّ مُحَمَّدٍ ”مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے قتل کر دیا۔“ کہتے کہتے مر گیا۔(المحبر، ص: 160,159، الجمهرة لابن الكلبي، ص :76، الجمهرة لابن حزم، ص : 129)

اصحمہ نجاشی: اصحمہ بن ابجر نجاشی، حبشہ کے حاکم تھے۔ نجاشی کے لقب سے معروف ہیں۔ عربی میں ان کا نام عطیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لیے بعض علماء نے ایک لحاظ سے انھیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ انھوں نے بہت اچھا سلوک کیا۔ فتح مکہ سے پہلے حبشہ میں فوت ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ پڑھائی۔ بہت نیک، عادل، عالم اور ہوشیار آدمی تھے۔(الإصابة :347/1، أسد الغابة :117/1)

ام انمار خزاعیہ: ام انمار قیلہ بنت سباع خزاعیہ، سباع بن عبدالعزیٰ کی ماں تھی۔ مکہ میں ختنے کیا کرتی تھی۔ اس نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا تھا۔ (الاستيعاب، ص :235 و 915، أسد الغابة: 103/2 و 382/5، الإصابة : 221/2 و 291/8، الكامل لابن الأثير : 50/2)

ام جلاس بنت مخربہ حنظلیہ: ام جلاس اسماء بنت مخربہ بن جندل بن ابیر (ابی ابیر) بن نہشل بن دارم حنظلیہ، ابوجہل بن ہشام، حارث بن ہشام اور ابو ربیعہ کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عیاش کی ماں تھی۔ وہ عطر فروش تھی۔ اس نام کی اس سے مختلف ایک اور عورت بھی ہے۔ اہل سیر ان دونوں کے ناموں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔(أسد الغابة : 213/5، الإصابة : 17,16/8)

ام جمیل: ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، ابولہب عبدالعزیٰ کی بیوی تھی۔ اس کے تین بیٹے

تھے: عتبہ، معتّب اور عتیبہ۔ عتبہ اور عتیبہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے شوہر تھے۔ ام جمیل رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے میں مشہور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جب یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿وَامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾ تو اس نے اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 72، المحبر، ص: 53، تفسير ابن كثير، اللهب 5,4:111)

ام جمیل بنت خطاب: ام جمیل فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ قرشیہ عدویہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بہن اور سعید بن زید عدوی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ سابقین اولین میں سے تھیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب یہی بنیں۔ اصحابِ سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ (أسد الغابة: 363/5، الإصابة: 271/8)

ام خیر: ام خیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تیمیہ قرشیہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں۔ قدیم مسلمانوں میں سے تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت بھی کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فوت ہوئیں۔ (أسد الغابة: 442/5، الإصابة: 386/8، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 127)

ام عبد: ام عبد بنت سود (سواء) بن قریم (قویم) بن صاہلہ ہذلیہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ اور قدیم مسلمانوں میں سے تھیں۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ بنو قریم بن صاہلہ بن کاہل سے تھیں۔ رکوع سے پہلے قنوت وتر کی دعا انھی سے مروی ہے۔ (الاستيعاب، ص: 934، أسد الغابة: 470/5، الإصابة: 433/8، الجمهرة لابن حزم، ص: 197)

ام کلثوم (م: 9ھ/630ء): یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پہلے پیدا ہوئیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ان کی والدہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (الاستيعاب، ص: 938,937)

امام رازی (455-606ھ/1150-1210ء): ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری رحمہ اللہ فخر الدین رازی کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے مفسر تھے۔ علوم منقول و معقول میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی پیدائش رَے (ایران) میں ہوئی۔ ماوراء النہر، خوارزم اور خراسان کے سفر کیے۔ انھیں فارسی و عربی پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ آخری عمر میں کلامی و فلسفی مذہب کو چھوڑ کر طریقِ سلف پر گامزن ہوگئے تھے۔ ہرات میں فوت ہوئے۔ ان کی تالیفات دو سو کے لگ بھگ ہیں۔ ان میں سے التفسیر الکبیر، معالم أصول الدين، شرح أسماء الله الحسنٰى وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ (الأعلام: 313/6، البداية والنهاية (محقق): 34/15)

امام ماوردی (364-450ھ/974-1058ء): ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی، بصرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم، قاضی اور صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ بغداد کا سفر کیا۔ معتزلی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ عرق گلاب فروخت کرنے کی وجہ سے انھیں ماوردی کہا جاتا ہے۔ بغداد میں فوت ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے النكت والعيون، جو تفسیر الماوردي کے نام سے معروف ہے، أدب الدنيا والدين اور أعلام النبوة مشہور ہیں۔ (الأعلام: 327/4)

امام مقریزی (766-845ھ/1365-1441ء): ابوالعباس تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر حسینی عبیدی، مقریزی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مصر کے مشہور مورخین میں سے ہیں۔ ان کا آبائی وطن بعلبک (شام) ہے۔ ان کی ولادت اور پرورش قاہرہ (مصر) میں ہوئی۔ انھیں منصب قضا پر کام کرنے کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے اس منصب پر فائز ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ قاہرہ ہی میں فوت

ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے إمتاع الأسماع بما للنبي ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع مشہور ہے۔ (الأعلام :177/1، إمتاع الأسماع :4/1)

امیہ بن خلف (م: 2ھ/624ء): امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی، غطریف کے لقب سے مشہور تھا۔ قریش کے جابر لوگوں میں سے تھا۔ اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوا۔ اسی نے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کے آغاز کے وقت تعذیب سے دوچار کیا تھا۔ غزوۂ بدر میں شریک تھا۔ اسی غزوے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے قید کیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا، انھوں نے بلند آہنگی سے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور اسے قتل کر دیا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 95، الجمهرة لابن حزم، ص: 159، الأعلام: 22/2)

انس بن رافع: أبو الحيسر انس بن رافع بن امرؤ القیس بن زید بن عبدالاشہل اوسی کے بیٹے حارث رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی بیٹی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ انصار میں سے سب سے پہلے انھی نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالمجاز میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص :131 و 339، الإصابة : 658/1، الطبقات لابن سعد :437/3)

اوس بن حجر (98 - 2 قبل ہجرت/530-620ء): ابوشریح اوس بن حجر بن مالک تمیمی، بنوتمیم کے سب سے بڑے شاعر تھے، مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کی ماں کے دوسرے شوہر تھے، سفر کرنے میں مشہور تھے۔ لمبی عمر پائی۔ بنوتمیم انھیں سارے شعراء پر فوقیت دیتے تھے، ان کے اشعار حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ عراق میں رہنا پسند کرتے تھے۔ (الأعلام: 31/2، الشعر والشعراء، ص: 66، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ایمن: ان کا نسب ایمن بن عبید بن عمرو بن بلال بن ابی الجرباء بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن الخزرج رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے اخیافی بھائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا سامانِ طہارت ان کی تحویل میں رہتا تھا۔ ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس کا نام حجاج تھا۔ (أسد الغابة:187/1)

بسر بن سعید (م:100ھ/720ء): بسر بن سعید مدنی رحمہ اللہ حضرمیوں کے مولیٰ (غلام) اور مشہور تابعی تھے۔ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے اکابر صحابہ سے روایت کی ہے۔ بڑے زاہد، عبادت گزار، دین دار اور مستجاب الدعوات تھے۔ حدیث میں ثقہ تھے۔ مدینہ میں فوت ہوئے۔ (الطبقات لابن سعد : 281/5، سير أعلام النبلاء : 594/4)

بشر بن ابی خازم: ابونوفل بشر بن ابی خازم (عمرو) بن عوف اسدی، زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر تھے۔ یہ بنو اسد کی طرف منسوب ہیں۔ نجد کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ طے کے ساتھ لڑائیاں لڑیں۔ بڑے بہادر تھے۔ فخر اور بہادری کے بارے میں ان کے قصائد مشہور ہیں، قبائل کی باہمی لڑائی میں قتل ہوئے۔ ان کا ایک شعری مجموعہ چھپ چکا ہے۔ (الأعلام : 54/2، الشعر والشعراء، ص: 96)

بشر بن براء بن معرور (م: 7ھ/628ء): بشر بن براء بن معرور بن صخر بن خنساء سلمی خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں اپنے والد سمیت شریک تھے۔ غزوۂ بدر اور اس کے بعد ہونے والے غزوات میں بھی شریک رہے۔ غزوۂ خیبر کے دن یہودی عورت کی ضیافت کا زہر آلود کھانا کھا کر شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سید کے لقب سے نوازا۔ (أسد الغابة : 211/1، الإصابة : 426/1)

بغوی (436-510ھ/1044-1117ء): ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء بغوی رحمہ اللہ محی السنہ اور شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور

تھے۔علم حدیث، فقہ اور تفسیر کے ماہر تھے۔ یہ خراسان کے گاؤں بغا کی طرف منسوب ہیں۔ یہ گاؤں ہرات اور مرو کے درمیان ہے۔ انھوں نے مرو میں وفات پائی۔ ان کی متعدد تالیفات میں سے شرح السنة بہت مشہور ہوئی۔ (وفیات الأعیان: 2/136، الأعلام: 2/259)

بُرَک بن عبداللہ (م: 40ھ/660ء): حجاج (بُرَک) بن عبداللہ تمیمی، بنو سعد بن زید مناۃ میں سے تھا۔ خارجی تھا۔ بصرہ میں رہتا تھا۔ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تحکیم کا سب سے پہلا مخالف یہی شخص تھا۔ اسی نے لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ کی صدا بلند کی تھی۔ یہ اُن تین بدبختوں میں سے ایک تھا جنھوں نے سیدنا علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو ایک ہی رات میں قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ یہ شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ جب وہ نکلے تو اس نے حملہ کر کے انھیں زخمی کر دیا لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے دبوچ کر قتل کر ڈالا۔ (الکامل لابن الأثیر: 3/258، الأعلام: 2/168، الجمهرة لابن الکلبي، ص: 236، الجمهرة لابن حزم، ص: 218)

جبر: ان کا دوسرا نام یحنس تھا۔ جبر رضی اللہ عنہ دراصل یہودی تھے۔ عامر بن حضرمی کے غلام تھے۔ صقلیہ کے رہنے والے تھے۔ انھیں مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النّحل 16:106) نازل فرمائی۔ (الإصابة: 1/562)

جبیر بن عتیک (م: 71ھ/690ء): بنو اوس سے تعلق رکھنے والے سیدنا جبیر بن عتیک بن قیس بن حارث بن ہیشہ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا نام جابر تھا، جبیر تھا یا جبر تھا، لیکن اکثر علماء نے جبر لکھا ہے۔ یہ بدر اور اس کے بعد والے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ (الإصابة: 1/548-561، الجمهرة لابن الکلبي، ص: 626، الجمهرة لابن حزم، ص: 335)

جعفر: یہ خلیفہ موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر عبداللہ منصور کا بیٹا تھا۔ اسے سات سال کی عمر میں ولی عہد کا عہدہ مل گیا، لیکن خلافت پر فائز ہونا نصیب میں نہیں تھا۔ موسیٰ ہادی، ہارون الرشید کا سگا بھائی تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 20-23)

جمیل بن معمر جمحی: حضرت جمیل بن معمر بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص دوست تھے۔ باتیں پھیلانے میں مشہور تھے۔ مکہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر انھی نے نشر کی تھی۔ ان کے بارے میں خیال تھا کہ یہ دو دل رکھتے ہیں، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ﴾ ”اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔“ (الأحزاب 33:4) کے ارشاد عالی سے رد کر دیا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ خلافت عمر کے دوران میں وفات پاگئے۔ کئی صحابہ نے ان کی وفات پر مرثیہ کہا۔ (الاستیعاب، ص: 149، الإصابة: 1/605، الجمهرة لابن حزم، ص: 161)

جندب بن سفیان: ابوعبداللہ جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ کوفہ میں رہتے تھے، پھر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ منتقل ہوئے۔ انھیں جندب الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں میں شرکت سے انکار کرتے تھے۔ (أسد الغابة: 1/346، الإصابة: 1/613)

حارث بن اوس بن معاذ: حضرت حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان اوسی انصاری رضی اللہ عنہ، اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے

تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ غزوۂ احد (شوال 3ھ) میں 28 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ کعب بن اشرف کے قتل (ربیع الاول 3ھ) میں شریک تھے۔ (الاستیعاب، ص: 166، الإصابة: 659/1 و337/7، أسد الغابة: 363,362/1)

حارث بن خزمہ (م: 40ھ/660ء): ابوبشیر حارث بن خزمہ (خزیمہ) بن عدی بن ابی بن غنم خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ سارے غزوات میں شریک تھے۔ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی تو اسے یہی ڈھونڈ کر لائے۔ جمع القرآن میں ان کی روایات مشہور ہیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ (الاستیعاب، ص: 167، أسد الغابة: 371/1، الإصابة: 666/1)

حارث بن صمہ: ابوسعد حارث بن صمہ خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ کا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ حارث رضی اللہ عنہ بدر کے لیے نکلے تو روحاء کے مقام پر پاؤں ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے۔ غزوۂ احد میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کے نیزے سے اُبَی بن خلف کو زخمی کیا تھا۔ یہ غزوۂ بئر معونہ کے بعد سرح کے مقام پر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ (الإصابة: 673/1، أسدالغابة: 379/1، الاستیعاب، ص: 175)

حارثہ بن سراقہ: حضرت حارثہ بن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حبان بن عرقہ کا تیر لگنے سے شہید ہوئے۔ یہ بدر میں انصار کے سب سے پہلے شہید تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی کہ وہ جنت الفردوس میں ہیں۔ (الاستیعاب، ص: 176، أسد الغابة: 403/1، الإصابة: 704/1)

حکم بن ابو العاص (م: 32ھ/652ء): ابومروان حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنے کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طائف کی طرف جلاوطن کیا۔ بعد میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ انھیں واپس لے آئے۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا اور مروان کے والد تھے۔ ان کے بارے میں بہت سی من گھڑت باتیں مشہور ہیں۔ (أسدالغابة: 37/2، الإصابة: 91/2، الأعلام: 266/2)

خضر: یہ وہ اللہ کے نیک اور صالح بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے خاص علم سے نوازا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انھی کی طرف سفر کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ سورۂ کہف کی آیات 60-82 میں بیان فرمایا ہے۔ کتب احادیث میں ان کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔ ان کے بارے میں رافضہ اور صوفیاء نے بہت سے غلط عقیدے گھڑ لیے ہیں۔ (تفسير ابن كثير، الكهف 18:60-82، صحيح البخاري: 3401)

خولہ بنت حکیم: ام شریک خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص سلمیہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ بہت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ المرأة الصالحة کے لقب سے مشہور تھیں۔ انھوں نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد غم زدہ ہوکر ان کا مرثیہ کہا۔ (أسد الغابة: 270/5، الإصابة: 116/8، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

رافع بن مالک رضی اللہ عنہ: ابومالک رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق انصاری رضی اللہ عنہ خزرج کے نقباء میں سے تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بنوخزرج میں سب سے پہلے یہی مسلمان ہوئے۔ ان سے کئی روایات منقول ہیں۔ (أسد الغابة: 167/2، الإصابة: 369/2)

رحمٰن الیمامہ (م: 12ھ/633ء): ابوثمامہ مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب حنفی وائلی نبوت کا مدعی تھا۔ لمبی عمر زندہ رہا۔ زمانۂ جاہلیت میں رحمٰن الیمامہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ فتح مکہ کے بعد آنے والے بنوحنیفہ کے وفد میں شریک تھا۔ اس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے یمامہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو خط بھیجا جس میں نبوت کے دعوے کے ساتھ سرزمین عرب کو آدھا آدھا تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں اسے کذاب کہا۔ یہ شخص قرآن کے مقابلے میں مختلف قسم کے مسجع اقوال گھڑ لیتا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا بدن بہت کمزور اور قد چھوٹا سا تھا۔ (الأعلام : 226/7)

رفاعہ بن عبدالمنذر: ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر انصاری اوسی مدنی رضی اللہ عنہ کو بشیر بن عبدالمنذر بھی کہا گیا ہے۔ یہ بدر میں شریک ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بدر کے راستے میں روحاء کے مقام سے مدینہ واپس روانہ کر دیا تھا۔ آپ نے ان ایام میں انھیں مدینہ کا امیر مقرر کرنے کے باعث مالِ غنیمت میں حصہ دار ٹھہرایا۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فوت ہوئے۔ (أسد الغابة : 81/5، الإصابة : 289/7، رجال مسلم : 89/1 و 209)

زرقانی (1055-1122ھ/1645-1710ء): ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان زرقانی مصری رحمہ اللہ حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات قاہرہ ہی میں ہوئی۔ آپ کی کتب میں شرح الزرقاني على المواهب اللدنية اور مختصر المقاصد الحسنة نے بہت شہرت حاصل کی۔ (معجم المؤلفين: 124/10، الأعلام: 184/6)

زمعہ بن اسود (م: 2ھ/624ء): زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اسدی قرشی اسلام کا سخت دشمن تھا۔ کثرتِ سخاوت کی وجہ سے ''زادالرکب'' (قافلے کے لیے زادِ راہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 118، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 72)

زید بن دثنہ: حضرت زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ انصاری خزرجی زرقی رضی اللہ عنہ بدر اور احد کے غزوات میں شریک تھے۔ سریہ عاصم بن ثابت (سرية الرجيع) میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی روانہ فرمایا جس میں انھیں قیدی بنا لیا گیا، بعد ازاں قریش نے انھیں تنعیم کے مقام پر شہید کر دیا۔ (أسد الغابة : 243/2، الإصابة : 500/2، الجمهرة لابن حزم، ص : 357)

زید بن عمرو بن نفیل: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عم زاد زید بن عمرو بن نُفَیل بن عبدالعزیٰ قرشی عدوی ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ بتوں کی عبادت کے منکر تھے۔ عورتوں پر ظلم و ستم کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ بعثت سے پانچ سال پہلے فوت ہوئے۔ دین کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے شام کا سفر کیا مگر یہود اور نصاریٰ انھیں کوئی تعلیم نہ دے سکے۔ یہ واپس مکہ آ گئے۔ اہل مکہ نے انھیں مکہ سے نکال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''یہ قیامت کے دن اکیلے مستقل امت کی شکل میں آئیں گے۔'' (أسد الغابة: 251/2، الإصابة : 507/2، الأعلام : 60/3)

ساعاتی (1301-1378ھ/1881-1958ء): احمد بن عبدالرحمٰن البنا ساعاتی رحمہ اللہ مصر کے صوبہ الغربیہ کے گاؤں شمشیرہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں دریائے نیل پر واقع ہے۔ ان کی ماں نے ان کو گاؤں کے دارالحفاظ میں داخل کرا دیا۔ حفظِ قرآن کے بعد اسکندریہ کا

سفر کیا جہاں علوم دینیہ حاصل کیے، ساتھ ہی گھڑی سازی کا کام بھی سیکھ لیا۔ قاہرہ میں بیمار ہو کر رحلت فرما گئے۔ (مقدمة الفتح الرباني (بيت الأفكار) : 23,22/1)

سالم مولی ابی حذیفہ: ابوعبداللہ سالم بن عبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ عبشمی قرشی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ فارسی الاصل تھے اور اصطخر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں مہاجرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ مشہور قراء میں سے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کی بہت مدح کیا کرتے تھے۔ سارے غزوات میں شریک رہے۔ معرکہ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (أسد الغابة : 260/2، الإصابة : 11/3)

سائب بن ابی سائب: سائب بن ابی سائب (صیفی) بن عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی مخزومی، یہ بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے شریک تجارت تھے۔ ان کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے ان کی روایات بیان کی ہیں۔ (الإصابة : 18/3، أسد الغابة : 268/2)

سعد بن خیثمہ: ابوخیثمہ سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بنوعمرو بن عوف کے نقیب تھے۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ یہ اپنے والد کے ساتھ قرعہ اندازی کر کے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا گھر بَیتُ الْعُزَّاب، یعنی غیرشادی شدہ لوگوں کے گھر کے نام سے مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر کے قریب بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ (أسد الغابة : 291/2، الإصابة : 46/3)

سعد بن ربیع (م: 3ھ/625ء): سیدنا سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امرؤ القیس خزرجی رضی اللہ عنہ انصار کے نقباء میں سے تھے اور بنوخزرج کے سردار تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ (أسد الغابة : 293/2، الإصابة : 49/3، الأعلام : 85/3)

سعید بن عاص (م: 3ھ/624ء): ابواُحیحہ سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس، بنوامیہ کے سرداروں میں سے تھا۔ اس نے عہد اسلام پایا لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ اپنے جاہلی عقیدے ہی پر فوت ہوا۔ اس کے ایک نواسے کا بھی یہی نام تھا جو معروف صحابی ہیں۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 44، الأعلام: 96/3)

سلیمان تیمی (م: 143ھ): ابومعتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری، بنوتیم کے ہاں رہنے کی وجہ سے ان کو تیمی کہا جاتا ہے۔ بہت سچے انسان تھے۔ حدیث بیان کرتے تھے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ یہ ثقہ راوی تھے۔ بصرہ کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے۔ بڑے عابد اور زاہد تھے۔ (سير أعلام النبلاء : 195/6)

سمعانی (506-562ھ/1113-1167ء): ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی مروزی رحمہ اللہ مؤرخ، نسب دان اور سفرنامہ نگار تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ انھوں نے حصول علم کے لیے بہت لمبے سفر کیے۔ یہ بنوتمیم کے ذیلی قبیلے سمعان کی طرف منسوب تھے۔ مرو میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ ان کی متعدد تالیفات میں سے الأنساب بہت مشہور ہوئی۔ (الأعلام : 55/4)

سہیل بن عمرو (م: 18ھ/639ء): سہیل بن عمرو بن عبدشمس قرشی عامری رضی اللہ عنہ قریش کے خطیب تھے۔ بدر کے دن مسلمانوں نے انھیں قید کر لیا۔ بعدازاں یہ فدیہ دے کر آزاد ہو گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا اور وہیں مقیم رہے، پھر مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی۔ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدے کے سربراہ آپ ہی تھے۔ آپ طاعون عمواس کے سبب شام میں فوت

ہوئے۔(الإصابۃ:3/177,178، الأعلام:3/144)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1110-1176ھ /1699-1762ء): ابوعبدالعزیز احمد بن عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ پھلت ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ حجاز کا سفر کیا۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے شاہ محمد اور دوسری بیوی سے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے۔ علم حدیث سے خصوصی شغف تھا، اسی لیے انھیں محدث دہلوی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بارہویں صدی ہجری کے حفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے برصغیر پاک و ہند میں قرآن و حدیث کے علوم خوب اجاگر کیے۔ سب سے پہلے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ انھی نے کیا۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں حجة الله البالغة اور الفوز الكبير في أصول التفسير بہت مشہور ہیں۔ یہ دہلی میں فوت ہوئے۔ (الأعلام: 1/149، حجة الله البالغة: 1/10-14، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 23/39-46)

شوکانی (1173-1250ھ/1760-1834ء): ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ شوکانی، یمن کے کبار علماء اور فقہاء میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش شوکان نامی بستی میں اور پرورش صنعاء میں ہوئی۔ یہ 1229ھ میں صنعاء کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کی 114 تالیفات ہیں۔ ان میں سے نیل الأوطار اور فتح القدیر بہت مشہور ہوئیں۔ انھوں نے 78 سال کی عمر میں صنعاء ہی میں وفات پائی۔ (الأعلام: 6/298، فتح القدير: 1/12)

صالحی (م: 942ھ/1536ء): شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی صالحی شافعی رحمہ اللہ دمشق کے شہر صالحیہ میں پیدا ہوئے۔ محدث اور مؤرخ تھے۔ آپ نے قاہرہ کے صحراء برقوقیہ میں زندگی گزاری اور وہیں وفات پائی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں جن میں سبل الهدٰى والرشاد، الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة اور عين الإصابة في معرفة الصحابة زیادہ مشہور ہیں۔ (شذرات الذهب: 8/25، الأعلام: 7/155)

صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا (م: 20ھ/641ء): صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ہیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہیں۔ ان کے پہلے خاوند کا نام حارث بن حرب بن امیہ ہے جو ابوسفیان کا بھائی تھا اور دوسرے کا نام عوام بن خویلد ہے۔ انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہیں عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ (الأعلام: 3/206، أسد الغابة: 5/329)

طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ: طفیل بن عبداللہ بن حارث بن سخبرہ ازدی کی والدہ کا نام ام رومان زینب بنت عامر ہے۔ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے اخیافی بھائی تھے۔ امام ابن اثیر اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (الإصابة: 3/421، أسد الغابة: 2/485، الروض الأنف: 4/25)

طلحہ بن ابی طلحہ: طلحہ بن ابی طلحہ عبدری غزوۂ احد میں مشرکین کا علمبردار تھا۔ اسی نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تھی۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے اسے اونٹ سے گرایا اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ (البداية والنهاية (محقق): 4/187)

طلیب بن عمیر بن وہب (22 قبل ہجرت - 13ھ/600-634ء): یہ قدیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک ہوئے۔ مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ ان کا شمار شہسوار صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر سمیت اکثر غزوات میں شامل ہوئے۔ معرکۂ اجنادین میں شہید ہوئے۔ (البداية والنهاية: 126/7، الإصابة: 439/3، الأعلام: 230/3)

عاص بن ہاشم (2ھ/624ء): عاص (عاصی) بن ہاشم (ہشام) بن مغیرہ مخزومی، ابوجہل کا بھائی اور عاص بن سعید اموی کا دوست تھا۔ قریش کے ہاں احمق کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ہلاک کر ڈالا۔ (المحبر، ص: 175، الأعلام: 247/3)

عاصم بن ثابت بن ابی اقلح (م: 4ھ/625ء): ان کی کنیت ابوسلمان انصاری ہے۔ اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر اور احد میں شریک رہے۔ معرکۂ رجیع کے امیر تھے۔ اسی سانحے میں شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر بھڑوں کا جھنڈ بھیج کر کفار قریش سے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ (صحيح البخاري: 4086، الأعلام: 248/3، الإصابة: 460/3)

عبد بن زمعہ: حضرت عبد بن زمعہ بن قیس بن عبد شمس قُرشی عامری رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ یہ بہت شریف النفس تھے۔ سردار صحابہ میں سے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ اس کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ نے عبد بن زمعہ کے حق میں کیا۔ اس بچے کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ (الروض الأنف: 181/3، صحيح البخاري: 4303، أسد الغابة: 167/3، الإصابة: 322/4)

عبدالرحمٰن بن ملجم (م: 40ھ/660ء): عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی حمیری مشہور شہسوار تھا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پڑھتا رہا۔ واقعۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک تھا، پھر اس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کردی اور اُنھیں شہید کر دیا۔ اس جرمِ عظیم کی پاداش میں اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ (الأعلام: 339/3)

عبداللہ بن ابی امیہ: عبداللہ بن ابی امیہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قرشی، یہ قریش کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ (المحبر، ص: 274، الجمهرة لابن حزم، ص: 146، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 87)

عبداللہ بن جُدعان: عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب تیمی قرشی دور جاہلیت کا مشہور ترین سخی تھا۔ نبوت سے پہلے اس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کا چچا زاد تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں بہت فقیر و تنگ دست اور شریر و بدبخت تھا۔ جب اس کو خزانے مل گئے تو یکدم جود و سخا کی طرف مائل ہو گیا۔ یوں اس کی برائی اچھائی میں تبدیل ہو گئی۔ (الأعلام: 76/4، البداية والنهاية (محقق): 505/2)

عبید بن تیہان: حضرت عبید بن تیہان بن مالک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ غزوۂ احد میں عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے وار سے، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، شہید ہوئے۔ ان کا شمار ان ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنھوں نے دوسری بیعت عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ (أسد الغابة: 180/3)

عثمان بن طلحہ (م: 42ھ/662ء): سیدنا عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ عبداللہ قرشی عبدری رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو عبدالدار سے ہے۔ یہ خانہ کعبہ کے دربان بھی رہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے بعد 7ھ میں مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ

نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی چابی ان کو اور ان کے چچا زاد شیبہ کو دی تھی۔ 42 ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مکہ میں فوت ہوئے۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 207/4، السیرة لابن هشام : 54/4، سیر أعلام النبلاء : 11/3)

عقبہ بن ابی معیط : ابوالولید عقبہ بن ابی معیط ابان بن ذکوان بن امیہ بن عبدشمس کفارِ قریش کے مشہور لوگوں میں سے تھا۔ اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ بدر کے موقع پر اسے مسلمانوں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، پھر سولی پر لٹکا دیا۔ یہ پہلا کافر ہے جسے سولی پر لٹکایا گیا۔ (الأعلام : 240/4)

عقیل بن ابی طالب (م: 50 ھ/670 ء): ابویزید عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی ہاشمی مطلبی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ سے 3 سال بڑے تھے۔ کفارِ مکہ کی طرف سے جنگ بدر میں مجبوراً شریک ہوئے اور مسلمانوں کے قیدی بنے۔ غزوۂ حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے، غزوۂ مؤتہ میں شرکت کی۔ قریش کے انساب اور جنگوں کی تاریخ میں ماہر تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ادائے قرض میں ان سے تعاون کیا تو وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، انھی کی خلافت میں 50 ھ کو فوت ہوئے، بقیع میں مدفون ہیں۔ (أسدالغابة: 265/3، الاستیعاب، ص : 522)

علقمہ بن قیس (م: 62 ھ/662 ء): ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی ہمدانی کا شمار عراق کے فقیہ تابعین اور مخضرمین میں ہوتا ہے۔ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردِ خاص ہیں۔ ان سے مشابہت بھی رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ بانجھ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ واقعۂ صفین اور فتحِ خراسان میں شریک رہے۔ کوفہ میں فوت ہوئے۔ (الأعلام : 248/4)

عمرو بن امیہ ضمری (م: 55 ھ/675 ء تقریباً): ابوامیہ عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ بن ایاس ضمری رضی اللہ عنہ بنوضمرہ میں سے مشہور بہادر صحابی تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کو اجرت پر قتل کرتے تھے۔ بدر اور احد میں مشرکین مکہ کی طرف سے لڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے مدینہ پہنچے اور وہیں مسلمان ہو گئے۔ سریّہ بئرِ معونہ میں قیدی ہوئے تو عامر بن طفیل نے انھیں آزاد کر دیا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں زندہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں مدینہ میں وفات پا گئے۔ کتبِ حدیث میں ان سے 20 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 351/3، الاستیعاب، ص: 562، الأعلام: 73/5)

عمرو بن بکر: عمرو بن بکر بن حبیب بن عمرو بن غنم بن تغلب تمیمی خارجی، اس نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیماری کی وجہ سے گھر ہی رہے، مسجد نہ آ سکے۔ یوں ان کے نائب خارجہ بن ابی حبیبہ قتل ہو گئے۔ بعد ازاں یہ مقولہ مشہور ہوا کہ أَرَدْتُ عَمْرًا وَّ أَرَادَ اللّٰهُ خَارِجَةَ ''میں نے عمرو کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کا ارادہ کیا۔'' اسی عمرو بن بکر کی نسل سے بعد میں ولید بن طریف پیدا ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص :306، البداية والنهاية (محقق) : 544/7 و548)

عمرو بن عاص (50 قبل ہجرت-43 ھ/574-664 ء): ابوعبداللہ عمرو بن عاص بن وائل سہمی قرشی رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں اسلام کے سخت دشمن تھے۔ عرب کے سرداروں اور اصحاب الرائے میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ ذات السلاسل کے امیر رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عمان اور فلسطین کے گورنر رہے۔ مصر اور قنسرین کو فتح کیا۔ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ ان سے 39 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 79/5)

قاضی عیاض (476-544ھ/1083-1149ء): ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون یحصبی اندلس میں اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ علمِ نسب اور کلامِ عرب کے ماہر تھے۔ سبتہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ سبتہ اور غرناطہ کے قاضی رہے۔ مراکش میں زہر کھانے کی وجہ سے فوت ہوگئے۔ ان کی تصنیفات میں سے الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ، شرح صحیح مسلم اور مشارق الأنوار بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام: 99/5)

قرطبی (م:671ھ/1273ء): ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی قرطبی کا شمار کبار مفسرین میں ہوتا ہے۔ بہت نیک، عبادت گزار اور متواضع آدمی تھے۔ انھوں نے مشرق کی طرف سفر کیا۔ اسیوط، مصر کے شمال میں فوت ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے الجامع لأحکام القرآن (تفسیر قرطبی) اور قمع الحرص بالزھد و القناعۃ بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام: 322/5)

قس بن ساعدہ: قس بن ساعدہ عمرو بن عدی بن مالک، بنوایاد میں سے تھے۔ جاہلیت میں عرب کے بہت بڑے اور مشہور خطیب تھے۔ نجران کے پادری تھے۔ یہ سب سے پہلے عربی تھے جنھوں نے عصا (لاٹھی) پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا اور لفظ أما بعد کو استعمال کیا، قیصر روم سے تحفے تحائف وصول کرتے رہے۔ لمبی عمر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا زمانہ پایا لیکن آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی یہ فوت ہوگئے۔ ان کے اشعار میں توحید و آخرت کا کثرت سے ذکر ہے۔ (الأعلام: 196/5، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

قسطلانی (614-686ھ/1218-1251ء): ابوبکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسن قیسی شافعی رحمہ اللہ مصر میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ 649ھ/1251ء میں بغداد آئے۔ مصر، شام اور الجزیرہ میں بہت سے علماء سے استفادہ کیا۔ قاہرہ کے مدرسہ دارالحدیث کاملیہ میں شیخ الحدیث رہے۔ جید ادیب اور فقیہ تھے۔ آپ نے کچھ رسائل بھی لکھے۔ مصر میں فوت ہوئے۔ (طبقات الشافعیۃ: 44،43/8، البدایۃ والنھایۃ (محقق): 525/15، شذرات الذھب: 397/5)

کعب بن مالک (م: 50ھ/670ء): کعب بن مالک بن عمرو بن قین انصاری سلمی خزرجی رضی اللہ عنہ بہت مشہور صحابی ہیں۔ دور جاہلیت کے مشہور شعراء میں سے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے شاعر رہے۔ انھوں نے اکثر غزوات میں شرکت کی۔ یہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے ان تین اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی توبہ پچاس دن کے بعد قبول ہوئی۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہونے والے قاتلانہ حملے میں ان کا دفاع کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کسی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ 77 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ ان سے 180 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام: 228/5)

لبید بن ربیعہ (م:41ھ/661ء): ابوعقیل لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ کا شمار دور جاہلیت کے کبار شعراء میں ہوتا ہے۔ نجد کے رہنے والے تھے۔ دعوتِ اسلام کا زمانہ پایا۔ اپنی قوم بنوجعفر بن کلاب کے ساتھ وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان کا شمار صحابہ اور مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے۔ کوفہ میں زندگی بسر کی۔ سات معلقات لکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ لمبی عمر پائی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 145، 157 یا 110 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (الأعلام: 240/5، دیوان لبید، ص: 23،22)

لیلیٰ بنت ابی حثمہ: ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ (خیثمہ) بن حذیفہ بن غانم بن عامر قرشیہ عدویہ رضی اللہ عنہا اولین مسلمانوں میں سے تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ حبشہ اور مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ان کے خاوند کا نام عامر بن ربیعہ ہے۔ انھوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ (الإصابة: 303/8، الاستيعاب، ص: 917)

مالک بن زہیر جشمی: یہ مشرکین مکہ کے ماہر تیراندازوں میں سے تھا۔ غزوۂ احد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے نشانہ بنایا۔ ان کا تیر اس کی آنکھ میں لگا اور وہ مر گیا۔ (المغازي للواقدي، ص: 194 و 202)

مبشر بن عبدالمنذر: مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر بن زید بن امیہ بن زید انصاری اوسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنے دونوں بھائیوں ابولبابہ اور رفاعہ کے ساتھ شریک تھے۔ مبشر رضی اللہ عنہ جنگ بدر ہی میں شہید ہوئے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ (أسد الغابة: 43/4، الاستيعاب، ص: 694)

مجذر بن زیاد (م: 3ھ/625ء): حضرت مجذر بن زیاد بن عمرو بن اخرم بلوی رضی اللہ عنہ بہت اچھے شہسوار تھے۔ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے سوید بن صامت کو دور جاہلیت میں قتل کیا تو اسی وجہ سے جنگ بعاث برپا ہوئی۔ بنوخزرج کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ مجذر ان کا لقب تھا۔ انھیں غزوۂ احد میں حارث بن سوید بن صامت نے اپنے باپ کے بدلے میں شہید کیا۔ (الأعلام: 279/5)

محمد بن اسحاق بن خزیمہ (223-311ھ/838-924ء): ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیشاپوری رحمہ اللہ مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ اپنے زمانے میں نیشاپور کے امام تھے۔ حصول علم کے لیے عراق، شام، الجزیرہ اور مصر کا سفر کیا۔ ان کی تالیفات و تصانیف کی تعداد 140 کے قریب ہے۔ ان میں الصحیح بہت مشہور ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 365/14، الأعلام: 29/6)

محمد بن کعب قرظی (40-120ھ/661-737ء): ابوحمزہ محمد بن کعب بن سلیم قرظی مدنی کے والد بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے تھے اور کم عمری کی بنا پر زندہ رہ گئے تھے۔ محمد القرظی کوفہ میں رہتے تھے، پھر مدینہ منورہ رہائش پذیر ہوئے۔ علم تفسیر میں بہت ماہر تھے، مستجاب الدعوات تھے۔ (سير أعلام النبلاء: 65/5)

محمد بن مسلمہ (35 قبل ہجرت-43ھ/589-663ء): ابوعبدالرحمٰن محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ ان اشخاص میں سے ہیں جن کا نام زمانۂ جاہلیت میں محمد رکھا گیا تھا۔ بدری صحابی ہیں۔ ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے سوا دیگر غزوات میں شریک رہے۔ بعض غزوات کے موقع پر مدینے کے والی بھی رہے۔ واقعۂ جمل اور صفین میں شریک نہیں ہوئے۔ مدینہ میں فوت ہوئے۔ (الأعلام: 97/7، الإصابة: 28/6، اٹلس سیرت نبوی، ص: 235)

محمد نفس زکیہ (93-145ھ/712-762ء): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب، ارقط، مہدی اور النفس الزکیہ کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کی ولادت اور پرورش مدینے میں ہوئی۔ بہت بڑے عالم، دلیر اور سخی تھے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے انھیں قتل کر کے ان کا سر خلیفہ منصور عباسی کو ارسال کیا۔ النفس الزکیہ بہت سرخ و سفید اور تنومند پہلوان تھے۔ لوگ انھیں قتال کرنے میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ (الأعلام: 220/6)

مروان بن حکم (2-65ھ/623-685ء): ابوعبدالملک مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بنی امیہ کے

خلفاء میں سے تھے۔ یہ بنوحکم بن ابی العاص میں سے سب سے پہلے خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ مکہ میں پیدا ہوئے۔ طائف میں پرورش پائی اور مدینے میں رہے۔ واقعۂ جمل میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اور واقعۂ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شامل تھے۔ 42 تا 49 ھ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر رہے۔ دمشق میں طاعون کی بیماری کی وجہ سے فوت ہوئے۔ ان کی مدتِ حکومت 9 مہینے اور 18 دن ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شامی سکے ڈھالے اور ان پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ لکھا۔ ان کی انگوٹھی کے نشان میں العزة لله (ساری عزت اللہ کے لیے ہے) درج تھا۔ (الأعلام: 207/7)

مطعم بن عدی (م: 2ھ/623ء): مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف بن قصی قرشی زمانۂ جاہلیت میں بنونوفل کے سردار اور جنگ فجار میں ان کے سربراہ تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی کے موقع پر مکہ میں پناہ دی۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے صحیفۂ قریش کو چاک کیا تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے اور غزوۂ بدر سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔ ان ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر فرمایا تھا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔'' (صحيح البخاري: 3139، الأعلام: 252/7)

معاذ: معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک انصاری خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ، ابن عفراء کے نام سے مشہور ہیں۔ عفراء بنت عبید بن ثعلبہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ معاذ اور ان کے دونوں بھائی عوف اور معوذ رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اس غزوے میں جام شہادت نوش کر گئے اور معاذ رضی اللہ عنہ باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کا شمار انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں میں ہوتا ہے۔ (أسد الغابة: 147,146/4)

معوذ: معوذ بن حارث بن رفاعہ رضی اللہ عنہ ابن عفراء کے نام سے مشہور تھے اور معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ عفراء بنت عبید بن ثعلبہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے۔ (الإصابة: 152/6)

منصور بن عبد شرحبیل: ابوالروم منصور بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی۔ بنوہاشم اور بنومطلب سے قریش کے بائیکاٹ کی دستاویز لکھنے والوں میں اس کا نام بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں بنوہاشم اور بنومطلب شعب ابی طالب میں محصور ہوگئے۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 127)

موسیٰ بن طلحہ (م: 106ھ/724ء): تابعی ابوعیسیٰ موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ تیمی اپنے زمانے کے فصیح ترین آدمی تھے۔ مہدی کے لقب سے مشہور تھے۔ کوفہ میں رہتے تھے۔ وہاں سے بصرہ چلے گئے۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام: 323/7)

موسیٰ بن عقبہ (م: 141ھ/758ء): ابومحمد موسیٰ بن عقبہ بن ابوعیاش اسدی رحمہ اللہ آل زبیر کے غلام تھے۔ نبی ﷺ کی سیرت کے ماہر تھے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ روایت میں ثقہ تھے۔ سیرت و مغازی کے عنوان سے ان کی کتاب مشہور اور معتبر ہے۔ (تهذيب التهذيب: 360/1، سير أعلام النبلاء: 114/6، الأعلام: 325/7)

موسیٰ ہادی (144-170ھ/761-786ء): موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابوجعفر عبداللہ منصور خراسان کے شہر ''رے'' میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ محمد مہدی کی وفات کے بعد چوتھا عباسی خلیفہ (169-170ھ/785-786ء) منتخب ہوا۔ اس نے اپنا ولی عہد اپنے بیٹے جعفر کو بنا دیا لیکن اس کی والدہ خیزران نے موسیٰ کو قتل کروا کر اس کے چھوٹے بھائی ہارون الرشید کو خلعتِ خلافت پہنائی۔ (الدولة العباسية،

ص: 84، الأعلام: 327/7)

مہدی (127-169ھ/744-785ء): ابوعبداللہ مہدی محمد بن عبداللہ المنصور بن محمد بن علی بن عبداللہ عباسی رضی اللہ عنہ اہواز میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 158-169ھ/775-785ء میں خلیفہ رہے۔ بڑے سخی اور بہادر تھے۔ بغداد کی جامع مسجد الرصافہ انھی نے تعمیر کرائی تھی۔ (مروج الذهب: 377/4، الكامل لابن الأثير: 259/5، الأعلام: 221/6)

نواب صدیق حسن (1248-1307ھ/1832-1890ء): ابوالطیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی کی پیدائش اور پرورش قنوج میں ہوئی۔ نواب کے لقب سے مشہور ہیں۔ دہلی میں علم حاصل کیا۔ بھوپال کی طرف بغرضِ معیشت سفر کیا۔ ان کی شادی بھوپال کی حکمران ملکہ شاہجہان بیگم سے ہوئی۔ ان کے علمی ورثے میں سے فتح البیان في مقاصد القرآن اور الروضة الندية بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام: 167/6)

ہشام بن عمرو: ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی، اس نے شعب میں مسلمانوں کو مدد بہم پہنچائی اور قریش کی بائیکاٹ والی دستاویز پھاڑ ڈالی۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 111، الجمهرة لابن حزم، ص: 170)

ہند بنت عتبہ (م: 14ھ/635ء): ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشیہ ہاشمیہ رضی اللہ عنہا، اموی خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے بہت شعروشاعری کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب مخالفت کرتی رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے ایک رات بعد یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ ان کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی عورتوں میں ہوتا ہے۔ (الأعلام: 98/8، أسد الغابة: 416/5)

ہیثمی (735-807ھ/1335-1405ء): ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی مصری قاہری اپنے دور کے بہت بڑے عالم ومحدث تھے۔ ان کے علمی ورثے میں مجمع الزوائد و منبع الفوائد اور موارد الظمآن مشہور ہے۔ (الأعلام: 266/4)

اماکن

اجیاد: یہ جِیدٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ''گردن'' ہیں۔ اصیل گھوڑے کو بھی جید یا جواد کہا جاتا ہے۔ اجیاد مکہ مکرمہ کے دو مشہور پہاڑ ہیں جن پر گاؤں کی شکل میں آبادی ہے۔ یہ دونوں صفا کی مغربی جانب سب سے قریب واقع ہیں۔ ایک اجیاد کبیر اور دوسرا اجیاد صغیر کہلاتا ہے۔ اجیاد صغیر کو اجیاد السد بھی کہا جاتا ہے۔ اس علاقے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی رہائش تھی۔ (معجم البلدان، مادة: أجياد، معجم المعالم الجغرافية، ص: 19، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

بَرْکُ الْغِمَاد یا البرک: یہ سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں بحر احمر کے ساحل پر واقع ایک شہر ہے۔ یہ مکہ سے تقریباً 600 میل دور قنفذہ جازان شاہراہ پر آباد ہے۔ صوبہ عسیر کے دارالحکومت ابہا سے اس کا فاصلہ تقریباً 100 کلومیٹر مغربی جانب ہے۔ اس نام کی وہاں ایک وادی بھی مشہور ہے۔ برک ایک خوشبودار پودے کا نام ہے جو حجاز میں بُعَیثِران کے نام سے معروف ہے۔ اسی جگہ عبداللہ بن جدعان مدفون ہے۔ آج کل یہاں بندرگاہ ہے۔ اس علاقے کا تذکرہ قدیم نصوص اور اقوالِ صحابہ میں ملتا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: برك

الغماد، معجم المعالم الجغرافية، ص: 42، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

تہامہ: بلادِ حجاز میں ہر اس جگہ کو تہامہ کہا جاتا ہے جو اونچی نہ ہو۔ بکری نے اس کے حدود کا تعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مشرق کی طرف "ذات عرق" اور حجاز کی طرف السَّرج تک ہے۔ السَّرج، الفُرع کے نواح میں ایک بستی کا نام ہے۔ اس کے اور مدینہ منورہ کے مابین 72 میل کی مسافت ہے۔ (فتح الباري: 860/8) عام جغرافیائی اصطلاح میں تہامہ شمالاً جنوباً حجاز اور بحیرۂ احمر کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔

ثبیر: مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ثبیر نام کے کئی پہاڑ مشہور ہیں۔ مکہ میں اس نام کے چار پہاڑ ہیں۔ جو زیادہ مشہور ہے، وہ عرفات اور مکہ کے درمیان ہے۔ اس کو ثبیر الاعرج کہتے ہیں۔ ثبیر دراصل بنوہذیل کے ایک آدمی کے نام سے مشہور ہوا جو یہاں وفات پا گیا تھا۔ (معجم البلدان، تاج العروس، مادة: ثبر)

ثنیۂ بیضاء: یہ پہاڑ مکہ کے شمال مغرب میں مسجد تنعیم (مسجد عائشہ ؓ) کے پاس ہے جو بیت اللہ سے تقریباً 6 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس کے دامن میں وادی الفخ ہے۔ مدینہ منورہ سے مکہ آتے ہوئے یہاں پولیس کی چیک پوسٹ ہے جو اسی پہاڑ کے دامن میں ہے۔ (معجم البلدان، مادة: البيضاء، معجم المعالم الجغرافية، ص: 54، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

جبل قعیقعان: یہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کی اونچائی 430 میٹر ہے۔ آج کل اس کا نام جبل قرن ہے اور یہ حارۃ الباب سے القرارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قعيقعان، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، بوابة الحرمين)

حجر: یہ یمامہ کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں بنوحنیفہ آباد تھے۔ یہیں 12 ھ میں مرتدین کے خلاف خونریز معرکہ برپا ہوا جس میں مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ حجر کی جائے وقوع جدید شہر الریاض (سعودی دارالحکومت) کے قریب ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 139)

دومۃ الجندل: یہ سعودی عرب کے شمالی صوبہ الجوف کا ایک تاریخی شہر ہے جو صوبائی دارالحکومت سکاکا کے جنوب مغرب میں 40 کلومیٹر دور ہے۔ اشوریوں نے اس کو ادوماتو یا ادمو کا نام دیا۔ اس علاقے میں مشہور بُت وَدّ نصب تھا۔ یہ شہر 9 ھ میں خالد بن ولید ؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہاں حصن مارد بھی واقع ہے۔ یہ خاصا سرسبز اور شاداب علاقہ ہے۔ (معجم البلدان، مادة: دومة الجندل، معجم المعالم الجغرافية، ص: 128، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ذوالمجاز: یہ بازار، سوق عکاظ کے بعد عرفہ کے قریب کبکب پہاڑ کے مغربی طرف لگتا تھا۔ اس بازار کا دورانیہ آٹھ دن تھا۔ ذوالمجاز عرفات سے دائیں طرف ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ (معجم البلدان، مادة: المجاز، معجم المعالم الجغرافية، ص: 278)

ذی قار: یاقوت حموی کہتے ہیں: یہ سرزمین عراق میں کوفہ اور واسط کے درمیان بکر بن وائل کی ایک وادی ہے۔ یہاں پانی بہتا ہے۔ اس علاقے میں شاہ حیرہ نعمان بن منذر اور اہل فارس کے درمیان مشہور لڑائی ہوئی تھی جس میں عرب فتح یاب ہوئے تھے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد رونما ہوا تھا۔ ان دنوں ذی قار عراق کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت الناصریہ دریائے فرات پر واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قار، أطلس العالم، ص: 37)

ربذہ: یہ مدینہ سے مشرق کی طرف 175 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ یہاں قدیم ربذہ کے آثار بھی ہیں۔ (أطلس المملكة العربية، ص: 189)

سوق عکاظ: سوق عکاظ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا سب سے بڑا میلہ تھا۔ عکاظ مکہ اور طائف کے درمیان وادی میں ایک نخلستان کا نام تھا۔ یہ وادی مکہ کی نسبت طائف کے زیادہ قریب تھی کیونکہ اس کے اور طائف کے درمیان صرف دس میل کا فاصلہ تھا۔ یہ وادی صنعاء یمن کے راستے پر وادی ''قرن المنازل'' سے ایک مرحلہ پیچھے تھی۔ بکری کے قول کے مطابق یہ میلہ واقعہ فیل سے پندرہ سال پہلے شروع ہوا اور 129ھ تک ہر سال لگتا رہا حتی کہ ایک دن یہ میلہ خارجیوں نے لوٹ لیا۔ اس وقت سے لے کر یہ اب تک بند ہے۔ یہ میلہ شوال میں پورا مہینہ جاری رہتا تھا۔ لوگ اس میلے میں خرید و فروخت کرتے، شعراء اپنے اشعار کا جادو جگاتے تھے، خطیب خطابت کے جوہر دکھاتے تھے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کا اظہار کرتے تھے۔ عرب شعراء کے کلام میں اس کا کثرت سے تذکرہ ہے، مثلاً: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

سَأَنْشُرُ إِنْ حَيِيتُ لَكُمْ كَلَامًا   يُنَشَّرُ فِي الْمَجَامِعِ مِنْ عُكَاظ

''اگر میں زندہ رہا تو تمھیں اپنا کلام سناؤں گا، یہ کلام عکاظ کی محفلوں میں بھی سنایا جاتا رہے گا۔''

عکاظ میں لوگ جس جگہ ڈیرے ڈالتے تھے، اسے ''ابتداء'' کہا جاتا تھا۔ وہاں بڑی بڑی چٹانیں تھیں جن کے گرد وہ طواف کرتے، پھر وہ مجنہ میں آجاتے اور 20 ذی القعدہ تک وہاں قیام کرتے تھے۔ (فتح الباري: 8/856,855)

شُعیبہ: یہ بحیرۂ احمر کے ساحل پر حجاز کے علاقے میں ایک بستی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ یمن کے سمندری راستے پر واقع ایک بستی کا نام ہے۔ مہاجرین حبشہ یہیں سے کشتی میں سوار ہوکر حبشہ کی بندرگاہ مصوع پہنچے تھے۔ (معجم البلدان، مادة: شعيبة)

قرن المنازل: اسے وادی حرم بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ طائف سے مکہ آتے ہوئے نبی ﷺ نے یہیں سے عمرے کے لیے احرام باندھا تھا۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 113)

قراقر: یہ بادیۂ سماوہ (عراق) میں بنوکلب کی ایک وادی ہے۔ (معجم البلدان: 4/317) یہ دریائے فرات کے جنوب میں ذوقار سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، (نقشہ)، ص: 87)

کوفہ: یہ عراق کے دارالحکومت بغداد کے جنوب کی طرف 170 کلومیٹر دور اور صوبہ نجف کے شمال مشرق کی طرف 10 کلومیٹر دور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح ایران (القادسیہ) کے بعد 638ء میں آباد کیا تھا۔ اس نے اموی خلافت میں ترقی پائی، پھر عباسیوں نے 749ء میں اپنا دارالحکومت بنایا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ یہ بصرہ سمیت علم کا مرکز رہا۔ اس کی طرف بہت سے علماء منسوب ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: الكوفة، المنجد في الأعلام، ص: 475، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

موصل: دیار ربیعہ کا صدر مقام موصل شمالی عراق میں دریائے دجلہ پر واقع ہے۔ یہ تاریخی شہر اموی اور عباسی خلافتوں میں صوبہ الجزیرہ کا دارالحکومت رہا۔ چوتھی صدی ہجری میں یہاں بنوحمدان کی حکومت رہی۔ 521ھ/1127ء میں موصل میں اتابک عمادالدین زنگی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے جانشین یہاں 631ھ/1233ء تک حکمران رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں امیر تیمور نے موصل فتح کر کے حضرت یونس اور حضرت جرجیس علیہما السلام کے مقابر کے لیے قیمتی اوقاف مقرر کیے۔ سولھویں صدی عیسوی میں آق قویونلو ترکمان اور پھر صفوی اور عثمانی موصل پر حکمران رہے۔ موصل کی آبادی چھ سات لاکھ ہے۔ اس کے قریب وادیٔ دجلہ و فرات (میسوپوٹیمیا)

کے قدیم شہر نینوئی کے کھنڈر ملتے ہیں۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 178، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 197-203، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 819/7)

نصیبین: الجزیرہ (دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ) کا تاریخی شہر نصیبین جنوبی ترکی میں شامی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل سرحد پار شام کا شہر القامشلی ہے۔ شمالی عراق کے شہر موصل اور نصیبین کا درمیانی فاصلہ تقریبا اڑھائی سو کلومیٹر ہے۔ ماضی میں موصل سے شام جانے والے قافلے نصیبین سے گزرتے تھے۔ نصیبین اور اس کی نواحی بستیوں میں 40 ہزار باغات تھے۔ شہنشاہ فارس نوشیروان ساسانی (م: 579ء) نے جب اس کا محاصرہ کیا تو شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے طیرانشاہ سے بڑی تعداد میں بچھو منگوائے اور انھیں شیشے کی بوتلوں میں بھر بھر کر عرادہ (منجنیق جیسی مشین) کے ذریعے شہر میں پھینکا تو اہل شہر ان بوتل بموں کی تاب نہ لا سکے اور شہر فتح ہو گیا۔ (معجم البلدان، مادة: نصيبين، اٹلس سیرت نبوی، ص: 134,133)

وادی حنین: یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی تھی۔ یہ گھاٹی مکے سے تیس میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ بظاہر یہ محض ایک غیر آباد اور بے آب و گیاہ مقام تھا جو 8ھ میں غزوۂ حنین کے باعث تاریخ اسلام میں شہرت پا گیا اور بعد میں کبھی آباد نہ ہوا۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 409)

وادی سباع: یہ وادی بصرہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے اور بصرہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ آج کل بصرہ کے مغرب میں یہاں الزبیر نامی شہر آباد ہے جو ضلعی صدر مقام اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت ہے۔ (معجم البلدان، مادة: وادي السباع، المنجد في الأعلام، ص: 278 MiddleEast Travel Map)

وادی نخلہ: یہ مکہ سے طائف کے راستے میں ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جنوں کی ملاقات کا واقعہ بھی اسی مقام پر پیش آیا۔ ابن ولاد کہتے ہیں کہ یہ دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ، نخلہ یمانیہ۔ بطن مر کے پاس یہ دونوں وادیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ (معجم ما استعجم 1304/4)

اقوام و قبائل

بنو بکاء: یہ عدنانی قبیلہ ہے جس کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: بکاء عمرو بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ ان کا نسب قیس عیلان اور پھر عدنان تک پہنچتا ہے۔ یہ قبیلہ بصرہ سے مکہ کے راستے پر فلجہ کے مقام پر رہتا تھا۔ کوفہ کا محلہ دار الحکیم اسی کی طرف منسوب ہے۔ (معجم قبائل العرب: 90/1)

بنو حارث: یہ عدنانی قبیلہ بنو تمیم کی شاخ ہیں۔ ان کا نسب یوں ہے: حارث الاعرج ابن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔ (معجم قبائل العرب: 231/1)

بنو حارث بن خزرج: یہ قحطانی ازدی قبیلہ بنو خزرج کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب علاقہ السُّنح میں رہتے تھے۔ ان کا نسب یوں ہے: حارث بن خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیا۔ (معجم قبائل العرب: 228/1)

بنو حضارمہ: مشرقی یمن میں واقع صوبہ حضرموت کی طرف منسوب لوگوں کو حضارمہ یا حضارم کہا جاتا ہے۔ کچھ اہل انساب انھیں بنو حضرموت

سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ان کا علاقہ بُحیرۂ عرب پر واقع تھا۔ یہ لوگ قحطانی تھے۔ 9 ھ میں مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف کئی خطوط بھیجے۔ ملوکِ حضرموت بہت مشہور رہے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 218، معجم قبائل العرب: 282/1، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

بنوساعدہ: یہ بنوخزرج کی ایک شاخ ہیں۔ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ ان کا نسب یوں ہے: ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ سقیفہ بنوساعدہ انھی کی طرف منسوب ہے۔ اسی سقیفہ (سائبان) میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی۔ (معجم قبائل العرب: 495/2)

بنو عامر بن لؤیّ: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: عامر بن لؤیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ اس کی نسل میں سے عمرو بن ود عامری بہت مشہور ہوا۔ (معجم قبائل العرب: 713/2، الأعلام: 254/3)

بنوعبس: عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان۔ یہ عدنانی قبیلہ بنوقیس عیلان سے ہے۔ یہ لوگ نجد، کوفہ اور شام میں رہتے تھے۔ ان سے بہت سے پہاڑ، وادیاں، چشمے اور جنگیں منسوب ہیں۔ (معجم قبائل العرب: 738/3، نهاية الأرب، ص: 213، المنجد في الأعلام، ص: 369)

بنوفزارہ: یہ عدنانی قبیلہ بنوغطفان کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان۔ فزارہ کے پانچ بیٹے تھے: عدی، سعد، شمخ، مازن اور ظالم۔ یہ لوگ نجد اور وادی القریٰ میں رہتے تھے۔ بنوفزارہ کا ایک وفد 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اوائلِ اسلام میں انھوں نے مصر کی طرف ہجرت کی۔ وہاں قاہرہ اور صعید مصر میں سکونت اختیار کی۔ ان میں سے کچھ مغرب عربی کے علاقے طرابلس اور برقہ کے درمیان رہتے تھے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 352، معجم قبائل العرب: 918/3، الأعلام: 145/5)

بنوقارہ (عضل): عضل بن ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس مضری قبیلے بنوکنانہ کی شاخ بنوعضل کا جد امجد ہے۔ اس کی اولاد اس کے بھائی الدیش کی اولاد کے ساتھ گھل مل گئی تھی اور وہ اپنی دادی قارہ کے نام کی مناسبت سے بنوقارہ مشہور تھے۔ یہ لوگ تیراندازی کے ماہر تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 329، معجم قبائل العرب: 787/2، الأعلام: 235,234/4)

بنوکعب: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک۔ نبی ﷺ کے جدّ امجد کعب کی کنیت ابوہصیص ہے۔ یہ خطیب بھی تھے۔ عرب کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام تھا۔ عام الفیل سے پہلے سارے عرب ان کی وفات سے تاریخ لکھتے تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے جمعے کے دن اجتماع کا طریقہ جاری کیا۔ یہ جمعے کو قریش کو جمع کر کے وعظ کرتے تھے۔ قُصَیّ ان کے پرپوتے تھے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 364، معجم قبائل العرب: 987/3، الأعلام: 228/5)

بنوکلب: یہ کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحافی بن قضاعہ سے منسوب ہے۔ اس نام کے اور بھی قبائل موجود ہیں لیکن یہ زیادہ مشہور ہوا۔ ان کی بستیاں دومۃ الجندل، کوفہ اور دمشق کے درمیان السماوہ میں تھیں۔ دومۃ الجندل میں انھوں نے ''وَدّ'' بت نصب کر رکھا تھا۔ یہ بنوامیہ کے ساتھی تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنوکلب کی ایک خاتون میسون سے شادی کی تھی۔ (نهاية الأرب، ص: 365، معجم قبائل العرب: 991/3، الجمهرة لابن حزم، ص: 455)

بنومحارب: ان کا نسب یوں ہے: محارب بن خصفہ بن قیس بن عیلان ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہ قبیلہ آل عدنان کی

مشہور شاخ ہے۔ ان کے مساکن میں سے وادی ذوجوفر بہت مشہور ہے۔ (معجم قبائل العرب: 1042/3)

بنومُرّہ: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب۔ مرہ بن کعب رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔ نسب نبوی میں ان کا سلسلہ نمبر ساتواں ہے۔ 9ھ میں بنومُرہ کے 13 آدمی وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انھوں نے چند دن مدینہ میں قیام کیا، پھر اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص:25، نهاية الأرب للقلقشندي، ص:374، معجم قبائل العرب :1073/3)

بنونجار: یہ بنوخزرج کی ایک شاخ ہے۔ بنونجار کا نسب یوں ہے: تیم اللہ النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ بن عمرو مزیقیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ننھیال انھی میں سے تھی۔ مدینہ میں ان کی گڑھی (قلعہ) العریان بہت مشہور تھی۔ خادم رسول ﷺ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی انھی میں سے تھے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 79، معجم قبائل العرب :1173/3)

بنونضر: یہ عدنانی قبیلہ ہے۔ ایک قول کے مطابق نضر ہی کو قریش کہا گیا ہے۔ اس کا صحیح نسب اس طرح بیان ہوا ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 80، معجم قبائل العرب: 1183/3، الأعلام: 33/8)

قبیلۂ دوس: بنوزہران کی شاخ قبیلہ دوس، عسیر کے بڑے قبائل میں سے ایک تھا۔ اس کی دو شاخیں بنومنہب اور بنوفہم تھیں۔ بنوفہم کا علاقہ الباحہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں بنومالک، جنوب میں بنومُنہب کا علاقہ اور وادی ام عمر، مشرق میں وادی تربہ اور مغرب میں تہامہ اور جبل ظہر الغدا ہیں۔ اس کی مساحت تقریباً 300 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں کی آبادی تقریباً 7000 نفوس پر مشتمل ہے۔ (معجم قبائل العرب :394/1، منتديات قبيلة دوس بني فهم، انٹرنیٹ)

ہَمدان: یہ یمنی قبیلہ کہلان کی ایک شاخ ہے۔ ان کے دیار یمن کے دارالحکومت صنعاء کے شمال میں واقع تھے۔ ان کا نسب بنوہمدان بن مالک بن زید بن اوسلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک بن زید بن کہلان ہے۔ عہد جاہلیت میں سواع اور یعوق ان کے بت تھے۔ 9ھ میں ہمدان کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان کو امان نامہ لکھ دیا اور عطیے سے بھی نوازا۔ (معجم قبائل العرب: 1225،1224/3) یاد رہے ہمدان نام کا ایک شہر بھی ہے جو ایران کے صوبہ ہَمدان کا دارالحکومت ہے۔

متفرقات

آبنائے باسفورس: یہ ایک آبنائے (Strait) ہے جو ترکی کے یورپی حصے (رومیلیا) کو ایشیائی حصے (اناطولیہ) سے جدا کرتی اور یورپ اور ایشیا کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ اسے آبنائے استنبول بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تنگ آبنائے بحیرۂ اسود کو بحیرۂ مرمرہ سے ملاتی ہے۔ باسفورس (Bosporus) تیس کلومیٹر لمبی ہے۔ اس آبنائے کے اوپر دو پل ہیں: ایک باسفورس پل اور دوسرا فاتح سلطان محمد پل۔ یہ پل استنبول شہر کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملاتے ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، المنجد في الأعلام، ص: 147)

اشتراکیت (Socialism): اشتراکیت ایک سیاسی فکر (یا نظام) ہے جس کا لبّ لباب یہ ہے کہ پیدائش و تقسیم دولت کے ذرائع نجی سرمایہ داروں کے ہاتھ سے لے کر پورے سماج (معاشرے) کے حوالے کر دیے جائیں۔ چونکہ حکومت و قوم کے پاس منافع کا محرّک نہ

ہوگا، اس لیے مزدوروں اور کارخانوں میں کام کرنے والوں کو بہتر معاوضہ مل سکے گا، دولت کی مساویانہ تقسیم ممکن ہوگی اور مزدوروں کا استحصال ختم کیا جا سکے گا۔ اشتراکی تحریک کو (اشتمالیت یا Communism کی شکل میں) ایک نیا موڑ دینے اور اسے سائنسی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش مشہور جرمن یہودی مفکر کارل مارکس Karl Marks (1818-1883ء) اور اس کے ساتھی فریڈرک انگلس Fredrick Engeles (1820-1895ء) نے کی۔ مارکس اشتمالی فلسفے اور اشتمالی تحریک کا بانی و پیامبر ہے۔ اس کی مشہور و معروف کتاب "سرمایہ" (Das Capital) اشتمالی دنیا کے لیے انجیل کا درجہ رکھتی ہے۔ مارکس کے بقول طبقہ واریت، یعنی مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش اس وقت ختم ہوگی جب پرولتاری (Prolitarian) طبقہ انقلاب کے ذریعے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور اشتراکی اصولوں کو سماج میں جاری کر دے گا، پھر مملکت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور ایک غیر طبقاتی اور غیر سیاسی سماج ظہور میں آئے گا۔

زارانِ رُوس کے آخری دور میں اشتمالیت (کمونزم) کے افکار کو روس میں بڑی پذیرائی ملی۔ 1917ء کے روسی کمونسٹ انقلاب کی رہنمائی یہودی نژاد لینن (1872-1924ء) نے کی۔ اس نے سرمایہ داری ختم کرنے کے لیے پرولتاری انقلاب، یعنی عوام اور مزدوروں کے انقلاب کو ضروری بتایا۔ لینن عالمگیر انقلاب کا داعی تھا لیکن جب روسی کمونسٹوں نے اقتدار سنبھالا تو انھوں نے روس میں بدترین کمونسٹ آمریت قائم کر دی۔ یاد رہے اشتراکیت کمونزم کی پہلی منزل تھی۔ دوسری طرف چینی اشتمالی تحریک کے قائد ماؤزے تنگ (1893-1976ء) نے مارکسیّت لینینیّت (Marxism-Leninism) کو چینی یا ایشیائی روپ دینے میں رول ادا کیا۔ اس نے اشتمالیت کے حصول کے لیے گوریلا جنگ کی تکنیک اپنائی اور کسان اور مختلف طبقات کے لوگ اکٹھے کر کے اکتوبر 1949ء کا کمونسٹ انقلاب برپا کیا۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا، نئی دہلی: 364,363/2) 1991ء میں سوویت رُوس کی شکست و ریخت کے نتیجے میں مشرقی یورپ سے اشتراکیت (سوشلزم) یا کمونزم کا صفایا ہوگیا۔ اب عوامی جمہوریہ چین، شمالی کوریا، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، کیوبا وغیرہ چند ممالک ہی میں کمونسٹ حکومتیں برسرِ اقتدار ہیں مگر وہاں بھی پہلے کی سی سختی باقی نہیں رہی اور سرمایہ دارانہ پالیسیاں بروئے کار لائی جارہی ہیں۔

جنگِ جمل: جنگِ جمل اس مشہور اور الم انگیز واقعے کا نام ہے جو جمادی الآخرہ 36ھ بمطابق دسمبر 656ء میں بصرہ کے قریب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے مسئلے پر رونما ہوا۔ اس میں ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما تھے۔ اسے جنگ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میدانِ جنگ میں عسکر نام کے ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 422/7)

جنگِ صفین: جنگِ صفین کا سانحہ شیعانِ علی اور شیعانِ معاویہ کے درمیان 37 ہجری میں مقام صفین میں ہوا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو جگہ دی ہے۔ دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا دعویٰ تھا کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں سے ہیں نہ ہم نے ان کو کوئی جگہ دی ہے۔ (البداية والنهاية (محقق): 436/7، تاريخ الإسلام لحسن إبراهيم حسن: 300/1)

خُمس: اس سے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مراد ہے۔ خمس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح فرمائی ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ "اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔" (الأنفال 41:8) اس مال کا اختیار وقت کے اسلامی حکمران کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اجناس کی

زکاۃ میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔(جامع المسانید والسنن لابن کثیر: 372/7، الاستیعاب، ص: 442,441)

دجلہ: یہ تاریخی دریا مشرقی ترکی کے پہاڑوں سے نکل کر عراق کے میدان کو سیراب کرتا ہوا دریائے فرات کے ساتھ آملتا ہے۔ان دونوں دریاؤں کے مجموعی دھارے کو شط العرب کہتے ہیں۔ دجلہ کے کنارے بہت سے شہر آباد ہیں، مثلاً: بغداد، سامراء اور موصل وغیرہ۔(وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

سبائی: عبداللہ بن سبا یہودی (م:40ھ/660ء) کے پیروکاروں کو سبائی کہا جاتا ہے۔ابن سبا نے مسلمانوں کی صفیں منتشر کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے کا ناٹک کھیلا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا۔ یہ لوگ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے۔ عبداللہ بن سبا یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے حجاز، بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دمشق آیا تو لوگوں نے اسے نکال دیا، وہ مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے سبائیت کی دعوت پھیلائی۔ اس کا لقب ابن السوداء تھا۔ یہ اپنے عہد کا سب سے بڑا زندیق تھا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے آگ میں جلا دیا۔(الأعلام: 88/4، لسان المیزان: 289/3)

فرقۂ خوارج: خوارج وہ لوگ تھے جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی اطاعت سے نکل گئے، پھر انھوں نے ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کر لی اور ان کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد سے بالکل مختلف ہو گئے، پھر یہ گروہ بھی مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگیا۔ یہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔ فاسق حکمرانوں سے بغاوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔بعض صحابہ کو بھی معاذ اللہ کافر قرار دیتے ہیں۔(معجم لغة الفقهاء، ص:201، الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة: 1054,1053/2)

معرکۂ اجنادین: اجنادین فلسطین میں راستوں کا سنگم تھا جہاں رومی فوج سے 13ھ/634ء میں جنگ ہوئی جو مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جیت لی۔ اس لڑائی میں 3 ہزار رومی قتل ہوئے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص:193)

معرکۂ جلولاء: یہ جنگ مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی جس میں ایک لاکھ ایرانی ہلاک ہوئے۔ جلولاء فتح مدائن کے آٹھ ماہ بعد اول ذی قعدہ 16ھ/24 نومبر 637ء کو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ دریائے دیالا پر واقع جلولاء ان دنوں قزل رباط کہلاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 127,126)

سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجوم نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد ہے۔ اس میں آپ بعثتِ نبوی کا وہ انقلاب آفرین واقعہ پڑھیں گے جب غارِ حراء کی بلندیوں پر قائد انسانیت حضرت محمد ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم پر دین حنیف کی دعوت کا عَلَم بلند کیا۔ اسلام کا آفتابِ عالم تاب چمکا تو مشرکین مکہ چونک پڑے۔ انھیں اپنے توہماتی عقیدوں اور اپنی قیادت و سیادت کے محل ڈولتے اور ڈوبتے نظر آئے، چنانچہ انھوں نے رسالت مآب ﷺ کو دین حنیف کی تبلیغ و دعوت سے روکا مگر حضرت محمد ﷺ اعلان حق سے پیچھے نہیں ہٹے۔ کفار و مشرکین نے مفلوک الحال مسلمانوں پر ہولناک تشدد شروع کردیا۔ چنانچہ ہجرتِ حبشہ ہوئی۔ حالات و حوادث کے اس پس منظر میں آپ غلبۂ اسلام کی پیش گوئیاں پڑھیں گے۔ آخر میں آپ کو خورشیدِ اسلام کی کرنیں مکۂ مکرمہ سے باہر نکل کر دور تک ضیا پاشیاں کرتی نظر آئیں گی۔

9786035001212